اسلام اور عربی تمدن

ترجمہ

شاہ معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی

Marfat.com

اسلام اور عربی تمدن

یعنی

شام کے مشہور فاضل محمد کرد علی کی کتاب الاسلام والحضارة العربیة کا ترجمہ
جس میں مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن پر علمائے مغرب کے اہم
اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور یورپ پر اسلام اور مسلمانوں کے اخلاقی،
علمی اور تمدنی احسانات اور اس کے اثرات ونتائج کی تفصیل بیان کی گئی
اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی علمی وتمدنی تاریخ پر اجمالی تبصرہ آگیا ہے۔

شاہ معین الدین احمد ندوی

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ۔ یوپی (ہند) ۲۷۶۰۰۱

Marfat.com

111915

©جملہ حقوق بحق دارالمصنّفین محفوظ

سلسلۂ دارالمصنّفین نمبر: ۷۸

نام کتاب: اسلام اور عربی تمدن

نام مصنف: شاہ معین الدین احمد ندویؒ

صفحات: ۳۸۰

ایڈیشن: ۲۰۱۰ء

مطبع: معارف پریس، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

ناشر: دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

قیمت: =/۱۵۰ روپئے

باہتمام: عبدالمنان ہلالی

ISBN:978-93-80104-65-2

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O.BOX NO:19

SHIBLI ROAD,AZAMGARH 276001(U.P.)

E-Mail: shibli- academy @ rediff mail. com

Website:www.shibli academy.org

Marfat.com

فہرست مضامین

اسلام اور عربی تمدن

مضمون	صفحہ
دیباچہ مترجم	۱
مقدمہ	۵
مخالفین اور ان کی مخالفت کے اسباب	//
اسلام اور عربوں کے ساتھ انصاف	//
اہل مغرب کی ناانصافیوں کے اسباب	۶
تاریخ کے مطالعہ کی دشواریاں	۹
عرب اور اسلام کے معترضین کے اقوال	//
پر لیبان کی تنقید	۱۲
تاریخ کی تنقید اور اس کی وحدت	۱۵
پہلا باب	
ناقدوں اور نکتہ چینوں کے مقاصد	۱۸
امریکن مؤرخ کی تنقید اور مذہبی خونریزیوں	۱۸
پر گفتگو	//
رینان اور جانو کی تردید	۲۰
عربوں کے آثار قدیمہ کی کمی کا سبب	۲۳
کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی تہمت	۲۵
مسیحی اور اسلام و عیسائیت میں اتحاد کی دعوت	۲۸

مضمون	صفحہ
دوسرا باب	
مشرق و مغرب میں شعوبیت	۳۵
شعوبیہ کی تعریف اور ان کے مقاصد	۳۵
شعوبیوں کی نقل کردہ حکایات پر مغربی علما	۳۸
کی تنقید	//
دو بے عقل شامی اور مصری شعوبی	۴۶
تیسرا باب	
متعصب شعوبی اور منصف مزاج اشخاص	۵۱
مخالفین کے بیانات پر تنقید اور مختلف قوموں	۵۱
پر بحث	//
فرانسیسی، اطالوی، برطانوی اور روسی علما	۵۴
کے خیالات	//
عربی تمدنوں پر بحث	۵۸
مختلف خطوں کے اسلام اور اسلام و نصرانیت	۶۱
پر بحث	//
مسلمانوں اور تہذیب و تمدن اور ان کے	۶۴
بارے میں علماء مغربی کی رائے	//

Marfat.com

مضمون	صفحہ
چوتھا باب	
وہ مہمات مسائل جن پر شعوبیوں نے	٦٨
اعتراضات کیے ہیں اور ان کا جواب	٦٨
رسول اللہ ﷺ کی صداقت	٦٨
قرآن اور اسلام	٧٢
اسلام کی فضیلت کا اعتراف علمائے یورپ	٧٧
کی زبان سے	//
قضاء وقدر کا عقیدہ	٨٥
تعدد ازدواج اور طلاق	٩١
پردہ	١٠٠
غلامی	١١١
مسکرات	١١٥
سود	١١٩
تصویر اور نقاشی	١٢٧
پانچواں باب	
عرب زمانۂ اسلام میں	١٣٢
اسلام کے ظہور کے وقت دنیا کی حالت اور	١٣٢
قرن اول کے مسلمانوں کا حال	//
مسلمان عربوں کی امتیازی خصوصیات	١٣٦
عرب قوم کا مجموعہ اور اس کے خلفاء اور	١٣٨
قائدوں کے اخلاق	//

مضمون	صفحہ
لیبان اور ڈوزی کی رائے	١٤٤
عربوں کی نئی تہذیب کا مبدا اور ان کا ماخذ	١٤٩
چھٹا باب	
عربوں کی ثروت اور ان کے علوم	١٥٣
بعض صحابہؓ کی صنعت وحرفت اور ان کا اور	١٦١
رسول اللہ صلعم کا زہد	//
تہذیب وتمدن کا آغاز، مصارف میں وسعت	١٦٤
اور بنی امیہ کی ثروت	//
عربوں کا جہالت سے نکلنا اور علم کی جانب	١٦٥
بنی امیہ کی توجہ	//
مادی علوم کی ابتداء	١٦٩
شعروادب کی جانب عربوں کی توجہ	١٧١
ساتواں باب	
عربی زبان کی سکونت کے علاقے اور	١٧٤
مشرقی اور مغربی زبانوں میں ان کے اثرات	//
عربی زبان کی اشاعت اور اس کے اسباب	١٧٤
عجمی ملکوں میں عرب قبائل اور اہل عجم کی تعریب	١٧٥
عربی زبان کا کمال اور اس کی اشاعت کے	١٧٦
اسباب وطریقے	//
بعض علاقوں میں عربی زبان کی اشاعت	١٧٩
اور بعض سے اس کا زوال	//

Marfat.com

مضمون	صفحہ
لاتینی زبانوں میں عربی اثرات	۱۸۲
مشرقی زبانوں پر عربی کا اثر	۱۸۵
عربی بولنے والی قومیں	۱۸۶
عربی دور آخر میں اور اس کی عوامی بولیاں	۱۸۷
آٹھواں باب	
اسلام کے دور شباب میں یورپ کی حالت	۱۹۱
انگریزی اور فرانسیسی ملکوں کی وحشت	۱۹۱
وبربریت	//
یورپ کی جہالت اور اس کے ملکوں کی	۱۹۴
وحشت وبربریت	//
عرب ممالک اور یورپین ملکوں کا موازنہ	۱۹۷
یورپ پر عربوں کے اثرات کے بارے	۲۰۳
میں لیبان کی رائے	//
نواں باب	
عربوں کے مفتوحہ ملکوں میں ان کے اثرات	۲۰۵
قیصر اور کسری کے مقبوضہ ملکوں کی بدحالی	۲۰۵
عرب سلاطین کی رواداری اور اسلام کی	۲۰۸
اشاعت	//
یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا	۲۱۲
طرز عمل اور عیسائیوں پر ان کی خاص توجہ	//
دسواں باب	

مضمون	صفحہ
یورپ میں عربوں کے علوم کے اثرات	۲۱۸
عربی تمدن کے بارے میں یورپ کے منصف	۲۱۸
مزاجوں اور شعوبیوں کے خیالات	//
وہ فنون جن کی جانب عربوں نے زیادہ توجہ کی	۲۲۰
عربوں کے اکتشافات وایجادات اور اس	۲۲۶
بارہ میں یورپ کے اکابر علما کی رائیں	//
انجینیر نگ اور نقش وتصویر میں عربوں کی	۲۳۵
جدتیں	//
گیارہواں باب	
عربی شاعری اور فنون لطیفہ کا اثر یورپ پر	۲۴۱
اندلسی موشحات اور اندلس کے ادبیات میں	//
اسپینی شاعر کا کلام	۲۴۱
اندلسی رقص وموسیقی	۲۴۸
بارہواں باب	
عربوں کا تمدن اندلس میں	۲۵۱
اندلس کا ملک اور عربوں کی فتح اندلس میں	۲۵۳
عربی فوج، ان کے قبیلے اور ان کی حکومتیں	//
اندلس کے شہر اور اس کی عرب تہذیب	۲۵۵
اندلس میں عربوں کے کارنامے	۲۵۷
اندلس اور علم	۲۵۹
اندلس کی حکومتوں کی امتیازی خصوصیات	۲۶۳

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عربی سیاست کا ضعف	//	بہانہ جوئی	//
مسلمانوں کا زوال اور اسپینیوں کا تعصب	۲۶۶	صلیبیوں کی جہالت اور ان کے اور مسلمانوں	۲۹۶
تیرہواں باب		کے درمیان موازنہ	//
جزیرہ سسلی میں عربوں کا تمدن	۲۷۲	صلیبیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام	۲۹۷
عرب بحر روم کے جگر میں اور سسلی پر ان کی	۲۷۲	صلیبیوں کے ساتھ صلاح الدین کا	۲۹۹
فوج کشیاں	//	حسن سلوک	//
عرب جنوبی اٹلی میں	۲۷۴	مسلمانوں اور صلیبیوں کے اخلاق پر جنگ	۳۰۰
سسلی کا نقشہ اور اس میں عربوں کے کارنامے	۲۷۸	صلیبی کے اثرات	//
سسلی کی آبادی	۲۸۱	جنگ صلیبی میں فریقین کے حامی اور مخالف	۳۰۳
سسلی کے مسلمان اکابر	۲۸۲	صلیبی جنگ میں مسلمانوں کو کیا فوائد پہونچے	۳۰۴
سسلی سے مسلمانوں کا اخراج اور نارمنوں	۲۸۳	جنگ صلیبی کی تباہ کاریاں اور اس کی تلافی	۳۰۶
کا قبضہ	//	کے لیے مسلمانوں کی کوشش	//
باقی ماندہ مسلمانوں کا تبدیل مذہب	۲۸۷	صلیبی بادشاہوں کے ساتھ مسلمانوں کی	۳۰۸
اطالوی زبان میں عرب اور عربیت کے	۲۸۸	سیاست اور ان کا طرز عمل	//
اثرات	//	صلیبیوں کو جنگ سے جو فوائد پہونچے	۳۱۰
سسلی اور اندلس کا موازنہ	۲۹۰	جنگ صلیبی کے نقصانات اور فوائد کے	۳۱۳
سسلی چھوڑنے کے بعد یہاں مسلمانوں	۲۹۱	بارہ میں لیبان کی رائے	//
کے آثار	//	صلاح الدین کی سیاست اور اس سے	۳۱۵
چودہواں باب		صلیبیوں کا استفادہ	//
مسلمان اور اہل یورپ جنگ صلیبی میں	۲۹۳	**پندرہواں باب**	
مسلمانوں سے جنگ کے لیے صلیبیوں کی	۲۹۳	عربی تہذیب وتمدن پر مغلوں اور ترکوں	۳۲۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
کی یورش	۳۲۰		
اسلامی ملکوں کی تہذیب	//		
مغلوں میں تمدن کی صلاحیت واستعداد	۳۲۴		
ترکوں کے ہاتھوں ان کی پیشرو حکومتوں	۳۳۱		
کے کاموں کی بربادی	//		
ایرانیوں اور ترکوں میں موازنہ	۳۳۲		
ترک وتاتار کے بارے میں لیبان کی رائے	۳۳۵		
ترکوں کی جہالت اور عربوں کوان کا جاہل	۳۳۷		
بنایا	//		
سولہواں باب			
اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں پر یورپین	۳۴۰		
نوآبادکاروں کی یورش	//		
نوآبادکاری اور پرتگالیوں کی نوآبادکاری	۳۴۰		
کی تاریخ	//		
ڈچوں اور انگریزوں اور فرانسیسیوں وغیرہ	۳۴۷		
کا استعمار	//		
نوآبادیاتی ممالک اور جدید نوآبادکاری	۳۵۱		
کے طریقے	//		

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ مترجم

اہل یورپ کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر مذہبی وسیاسی اسباب ومصالح کی بناپر مذہب اسلام اور اسلامی تہذیب وتمدن پر مدتوں سے جو حملے اور اعتراضات کرتے چلے آرہے ہیں ان میں مذہبی تعصب کی کمی اور علم وتحقیق میں ترقی کے ساتھ بڑی کمی آگئی ہے اور خود یورپ کے علما ومحققین نے اس کی تردید میں کتابیں لکھی ہیں جن میں اسلام کی روحانی واخلاقی برکتوں، مسلمانوں کے تمدن کی عظمت وبرتری اور دنیا پر اس کے احسانات کا پورا اعتراف کیا ہے مگر اب بھی کبھی کبھی پرانی آواز کی صدائے بازگشت آتی رہتی ہے۔

ان میں سے عیسائی مشنیروں کے پرانے طرز کے اعتراضوں کے جوابات ہندوستان میں بھی بہت پہلے دیے جاچکے ہیں اور ان کی ابتدائی یورش کے زمانہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا کرامت علی جونپوری اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی وغیرہ اس دور کے علماومحققین نے عیسائیوں کے ایک ایک اعتراض کے پرزے اڑادیے اور موجودہ عیسائیت کی کمزوریوں کو اس

Marfat.com

طرح بے نقاب کیا کہ ہندوستان میں اس کا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا مگر سب سے زیادہ خطرناک اور گمراہ کن وہ غلط بیانیاں اور غلط فہمیاں ہیں جو مستشرقین نے علمی و تاریخی رنگ میں پھیلائی ہیں جن کے فریب میں اپنے مذہب و تاریخ سے ناواقف جدید تعلیم یافتہ مسلمان بھی آجاتے ہیں۔

ان کی تردید کی جانب ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں، مولوی چراغ علی، مولانا شبلی اور سید امیر علی وغیرہ نے توجہ کی اس کام میں اگرچہ اول الذکر دونوں بزرگوں سے غلطیاں بھی ہوئیں مگر اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق ان سب نے اس فرض کو انجام دیا اور مولانا شبلی نے تو اس کو مقصد زندگی بنالیا چنانچہ ان کی تمام علمی و تعلیمی جدوجہد اور تالیف و تصنیف کا مرکز و محور یہی دائرہ تھا اور ان کی بیشتر تصانیف کسی نہ کسی پہلو سے اسی دائرہ میں آتی ہیں، اس سے بڑھ کر ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کام کے لیے ایک مستقل مکتب فکر قائم کر دیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مذہب اسلام، اسلامی تمدن اور اسلامی تاریخ کو اس طرز سے اور ایسے محققانہ انداز میں پیش کیا جائے کہ خود بخود اس کی عظمت و برتری نمایاں ہو جائے اور اس قسم کے اعتراضوں کی گنجایش ہی باقی نہ رہے، اس طرح انہوں نے اردو میں ایک نیا علم کلام پیدا کر دیا اور ہندوستان میں اس راہ کے سارے راہرو ان کی قائم کی ہوئی شاہراہ پر گامزن ہیں۔

دنیائے اسلام کے مختلف علما و محققین نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں محمد کرد علی شامی کی کتاب ''الاسلام والحضارۃ العربیہ'' جامع اور مفید نظر آئی وہ شام کے نامور فاضل اور وسیع النظر محقق ہیں، یورپ کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں کی موافقت اور مخالفت میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب ان کی نگاہ میں ہے چنانچہ انہوں نے ان تمام اعتراضوں کا جائزہ لیا ہے جو اسلام اور اسلامی تہذیب پر عموماً کیے جاتے ہیں اور ان کے شافی جوابات دیے ہیں اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی اجمالی علمی و تمدنی تاریخ اور دنیا پر ان کے احسانات کی سرگذشت تحریر کر دی ہے، اسی کے ساتھ مغربی تہذیب کے تاریک رخوں کو بے نقاب کیا ہے اور یورپ کی پرفریب سیاست اور اس کی وحشت و بربریت کا پردہ چاک کیا ہے، اس طرح اس کتاب میں وہ تمام مسائل

Marfat.com

ومباحث موجود ہیں جو اس موضوع کے لیے ضروری ہیں، اس لیے اردو میں اس کا ترجمہ کردینا مناسب ہوا۔

مگران خوبیوں کے ساتھ اس میں بعض خامیاں بھی ہیں جن کی جانب اشارہ کردینا ضروری ہے، اس زمانہ میں مغربی تہذیب اور اس کی مادی ترقیوں کا ایسا رعب چھایا ہوا ہے کہ اس کے ناقد بھی اس کے مادی مظاہر کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں اور یورپ کی تہذیب کو معیار اور اس کے تمدنی نظریوں کو مسلم مان کر اپنی تہذیب اور اپنے تمدنی نظریوں کو بھی اسی رنگ میں دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کمزوری اس کتاب میں بھی جابجا نظر آتی ہے اور اسلامیت کے ساتھ عربی قومیت ووطنیت کے جذبات بھی موجود ہیں مگران خامیوں کے مقابلہ میں خوبیاں زیادہ ہیں اور مجموعی حیثیت سے یہ کتاب مفید ہے، اس لیے اس کے فوائد کے مقابلہ میں معمولی خامیوں کو گوارا کرلیا گیا مگر جہاں جہاں مصنف کا نقطۂ نظر اور ان کی رائے صحیح نہیں معلوم ہوئی وہاں حاشیہ میں اختلاف ظاہر کرکے اس کی تصحیح کردی گئی ہے اور بعض ٹکڑے جو غیر ضروری تھے حذف بھی کردیے گئے ہیں مگر ایسے مقامات دو چار سے زیادہ نہیں ہیں۔

یہ کتاب آج سے پچیس چھبیس سال پہلے لکھی گئی تھی، اس مدت میں دنیا کی سیاست میں بڑا انقلاب ہوگیا ہے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد سے دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا ہے اور بعض پرانی باتیں اب قصۂ پارینہ ہوگئی ہیں چنانچہ یورپ کی استعماری سیاست کی تاریخ کا باب اسی قسم کا ہے، اس لیے کہ بعض وہ ملک جو اس وقت غلام تھے اب آزاد ہوگئے ہیں مگر اس کو اس لیے رہنے دیا گیا ہے کہ اس سے یورپ کی پرفریب سیاست بے نقاب ہوتی تھی، دو باب ایک ''اسلام سے پہلے عربوں کی حالت دوسرا عربی ملکوں میں مغربی تہذیب کے اثرات'' جو غیر ضروری تھے نکال دیے گئے ہیں اور پہلے باب کو مقدمہ بنادیا گیا ہے۔

ترجمہ حتی الامکان سلیس اردو میں کیا گیا ہے مگر اس کتاب میں یورپین مصنفین کی تصانیف کے بکثرت اور طویل اقتباسات ہیں جن کی عبارتیں کہیں کہیں پیچیدہ ہیں، حتی الامکان ان کے

Marfat.com

ترجمہ میں بھی سلاست قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، بیشتر حوالے فرنچ، جرمن، اطالوی اور اسپینی مصنّفین اور ان کی کتابوں کے ہیں جن کے نام زیادہ تر اصل زبانوں میں رومن میں لکھے گئے ہیں مگر کہیں کہیں ان کا عربی ترجمہ لکھ دیا ہے، ان کو بجنسہ نقل کر دیا گیا ہے مگر حتی الامکان ناموں کے تلفظ کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔

فقیر معین الدین احمد ندوی

۳۰/ شعبان المعظّم مطابق ۲۵/ مئی ۱۹۵۲ء

دار المصنّفین اعظم گڑھ

Marfat.com

مقدمہ

مخالفین اور ان کی مخالفت کے اسباب

اسلام اور عربوں کے ساتھ انصاف: اہل مغرب کو سترہویں صدی سے فکر و وجدان کی آزادی حاصل ہے اور ان میں علما کا ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کو فضیلت کے بہت سے وسائل حاصل ہیں اور جو چیزیں ان کے مشاہدہ اور تحقیق سے ثابت ہوئیں ان کو انہوں نے پسند کیا اور ان لوگوں کی پوری تردید کی جنہوں نے عرب اور اسلام کے بارے میں ناانصافی سے کام لیا اور گذشتہ زمانہ میں سچائی کے چہرہ پر جو پردے پڑ گئے تھے ان کو چاک کر کے اصل حقیقت ظاہر کی چنانچہ یورپ کے بعض اعتدال پسند مصنّفین کو محض اس لیے طعن وطنز کا ہدف بننا پڑا کہ انہوں نے اپنے پیشرو مصنّفین کے خیالات کی تائید نہیں کی اور پرانے طریقہ کو چھوڑ کر مخالفین کے ساتھ بھی انصاف سے کام لیا اور ان کے اس عزم سے ان کو کسی کی تنقید اور طنز نہ روک سکا اور وہ برابر ان لوگوں کا مذاق اڑاتے رہے جو محض ان کی امانت و دیانت داری کی وجہ سے ان کو متہم کرتے تھے، انہوں نے جس بات کو حق سمجھا اس کو برملا ظاہر کیا، اس لیے اسلامی تہذیب اور اسلامی دعوت کے حاملوں کو ان مصنّفین کا شکر گذار ہونا چاہیے مگر ان لوگوں کی علانیہ مذمت کرنا چاہیے جو دوسروں کی چیزوں کو اس نظر سے نہیں دیکھتے جس نظر سے اپنی چیزوں کو دیکھتے ہیں، ہماری سوسائٹی کے جیسے مظاہر یورپ میں بھی ہیں فرق یہ ہے کہ وہاں انہوں نے جدید تہذیب کے اثر سے خوبصورت اور دیدہ زیب

Marfat.com

لباس پہن لیا ہے اور ہمارے یہاں تمدنی زوال کے پیدا کردہ انحطاط کی وجہ سے اپنی پرانی سادگی پر قائم ہیں، درحقیقت طاقتوروں کی برائیاں بھی کوتاہ بینوں کی نظر میں بھلائیاں معلوم ہوتی ہیں، یا کم ازکم ان کو ایسے معنی پہنائے جاتے ہیں جن کو کوتاہ نظر آیات بینات شمار کرتے ہیں اور کمزور میں خواہ کتنی ہی خوبیاں ہوں ظاہر نہیں ہونے پاتیں بلکہ بعض اوقات وہ برائیاں بن جاتی ہیں اس لیے دنیا ہمیشہ طاقت کی غلام رہی ہے۔

ایسے مسائل میں جو ہمارے عقیدہ کے بھی خلاف ہوں، تربیت وعادت کے بھی خلاف ہوں، قومیت وماحول کے بھی خلاف ہوں، ہمارا فرض ہونا چاہیے کہ ان سے قریب ہونے اور ان کے بارہ میں صحیح رائے قائم کرنے کی کوشش کریں، ہم اس اعتدال پسند مخالف کو معذور سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس پر یقین بھی رکھتا ہے اور اس انصاف پسند موافق کے شکر گذار ہیں جو اذعان ویقین کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے مگر اسے فراموش نہ کرنا چاہیے کہ ہماری سوسائٹی ہر دور میں اور اپنے طور طریقوں میں عدل وانصاف اور رواداری سے متصف نہیں رہی ہے اور ہم میں ایسی جماعتیں برابر موجود رہی ہیں جنہوں نے ہمیشہ ان لوگوں کا درجہ گھٹانے کی انتہائی کوشش کی جو ان کے خیالات کے مخالف تھے اور اس میں انہوں نے ہر ممکن کوشش صرف کردی، اس طریقہ سے انہوں نے تہذیب کی راہ میں روڑے اٹکا کر اس کو نقصان پہنچایا۔

ہم اپنے مخالف کے قول سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اس لیے کہ کبھی کھلے دشمنوں کی تنقید بھی کجی کی درستی اور خرابی کی اصلاح کردیتی ہے اور بہت سے مسائل میں طویل مشقت پورے غور وتامل اور نرمی وملاطفت کے بعد کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز ہوتی ہے، ان میں عموماً ان کے موجد کے وہم اور سوء فہم یا علم اور بغیر علم کے عمداً کسی مسئلہ کو بگاڑنے کے لیے پیچیدگی پیدا کی جاتی ہے جس سے عقلوں میں کمزوری سرایت کرجاتی ہے اور وہ زمانہ کے ساتھ راسخ ہوجاتی ہے اور جب گمراہی ایک مرتبہ جڑ پکڑ لیتی ہے تو پھر ان کو دور کرنے کے لیے بڑی طویل مشقت درکار اور جب حق کے ساتھ باطل گوشت پوست کی طرح مل جاتا ہے تو اس میں تفریق وامتیاز پیدا کرنے

Marfat.com

کے لیے بڑی ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی صورت تاریخ اسلام کے ساتھ پیش آئی، اہل یورپ زمانہ قدیم سے اس کے متعلق ایک فیصلہ کرتے چلے آتے ہیں اس میں انہوں نے دانستہ یا نادانستہ جو غلطیاں کی ہیں وہ صدیوں میں دور ہوسکی ہیں اور اب ان پر اصل حقیقت پوری طرح ظاہر ہوگئی ہے اور جن لوگوں نے ہمارے بارہ میں انصاف سے کالیا ہے ان کی نیت قابل تعریف ہے، عدل وانصاف قریب کے لوگوں سے خوش آیند اور دور کے لوگوں سے خوش آیندتر ہوتا ہے جو شخص ایک مسئلہ میں ہماری مخالفت اور بہت سے مسائل میں موافقت کرتا ہے وہ حزم واحتیاط سے زیادہ قریب ہے۔

اہل مغرب کی ناانصافیوں کے اسباب: اس مسئلہ میں تمدنی عقدے بھی ہیں اگر تمدنی عقدے کے حل میں آسانی بھی پیدا ہوتی ہے تو مذہبی عقدے حل نہیں ہوتے، یہ اتنے سخت اور دشوار ہوتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے اور عقل وخرد سے کتنا ہی کام لیا جائے ان سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہوتا ہے، اس لیے عربوں کے بارہ میں اہل یورپ کے غیر منصفانہ فیصلوں کا سبب درحقیقت دونوں کے عقیدوں کا اختلاف وتضاد ہے، عقیدہ تسلیم ورضا کا نام ہے اور دوسرے کے عقیدہ کے ساتھ دشمنی ایک ایسی فطرت بن جاتی ہے جس سے انسان کسی حالت میں بھی نجات حاصل نہیں کرسکتا اس لیے جو عقائد وخیالات انسانوں میں زمانہ دارز سے راسخ ہوچکے ہیں ان کو بالکل مٹادینا بہت مشکل ہے مگر عاقل وہی ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی دوسرے کے ساتھ انصاف سے کام لیتا ہے۔

ہجرت کی ابتدائی صدیوں سے اہل یورپ اور مشرقیوں کے درمیان ظلم وناانصافی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اسلام پوری انسانی کائنات کے لیے ہدایت بن کر آیا تھا، اس لیے جہاں جہاں اس کی حکومت قائم ہوئی اس نے بت پرستی کو مٹایا اور صابی، یعقوبی، نسطوری، مجوسی اور یہودی وغیرہ کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا، اس سے عیسائی یورپ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ یہ سیلاب بڑھتا ہوا اس کے ملک میں نہ پہنچ جائے، اس لیے یورپ کے تمام حکمراں اور دینی پیشوا اس

Marfat.com

سے جنگ کرنے کے لیے متحد ہو گئے اور اسلام کی دعوت اندلس، سسلی اور اس کے ملحقہ علاقوں تک پہنچ کر رک گئی، اس کے بعد جنگ صلیبی چھڑ گئی اور کامل دو صدیوں تک اس کا سلسلہ جاری رہا جس میں، یورپ، مصر و شام پر فوج کشی کرتا رہا مگر آخر میں شام میں غلبہ اسلام ہی کا رہا۔

ظاہر ہے کہ اتنی طویل بغض و عداوت خصوصاً آخری زمانہ میں ایک عرصہ دارز تک دولت عثمانیہ کے یورپ پر کاری ضرب لگانے کے بعد جس نے اس کو بالکل کمزور کر دیا تھا، ایک دشمن کا اپنے دشمن کے متعلق ایسی باتیں کہنا جو اس کے مرتبہ کو گھٹائیں کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے، اس کے علاوہ اس زمانہ میں یورپ میں جہالت عام تھی اور ان کے مروجہ مذہب نے ہر عالم و محقق کا گلا دبا رکھا تھا اور اس نئے زمانہ میں بھی ایک ہی واقعہ کے متعلق اکثر مورخین کی رایوں میں جو ہر و عرض کا اختلاف ہو جاتا ہے اور قومی دھڑے بندی کا اتنا غلبہ ہے جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، اس کے بعد قرونِ وسطیٰ کے آخری دور کی صبح نمودار ہوئی اور یورپ میں ترقی کا آغاز ہوا اس وقت علما نے حقایق کی تحقیقات کے بعد عربوں پر ناروا حملوں اور ان کے مذہب اور تمدن کی مذمت کرنے میں کمی کی، اس کے بعد جب شروع شروع میں مشرق میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے یورپ کی بعض یونیورسٹیوں میں اسلامی زبانوں کی (جس میں عربی کو اولیت کا درجہ حاصل تھا) تعلیم شروع ہوئی جس نے بعد میں علمی و عقلی نقطۂ نظر سے عربی تہذیب اور اسلام کے درس و مطالعہ کی شکل اختیار کر لی، اس وقت سے اسلام سے یورپ کی واقفیت بڑھ گئی اور پھر ان تمام بحثوں کا آخری مقصد تجارت اور ملک گیری کے لیے اسلام اور اسلامی ملکوں کے اندرونی حالات سے واقفیت پیدا کرنا قرار پایا۔

قاسم امین کا بیان ہے کہ اہل مشرق و مغرب کے درمیان پرانی عداوت کا سبب جو کئی پشتوں تک رہی، دین وملت کا اختلاف تھا اور جواب تک ایک دوسرے کے حالات سے ناواقفیت اور بدگمانی کا سبب بنا ہوا ہے اور ان کے عقل و دماغ کو اتنا متاثر کر چکا ہے کہ ان کو ہر چیز کی حقیقت الٹی نظر آتی ہے، انسان کے لیے کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے میں سب سے بڑا عائق یہ ہے کہ اس پر

Marfat.com

بحث ونظر کے وقت وہ کسی خواہش کا محکوم ہو، اس صورت میں اگر وہ مخلص اور حقیقت کا بھی جویا ہوگا جو شاذ و نادر ہوتا ہے تب بھی اس کی خواہش اس کی رائے پر اثر انداز ہوگی اور جو چیز اس کی خواہش کے مطابق ہوگی وہ اسے زیادہ پسندیدہ نظر آئے گی اور اپنی طرف مائل کرے گی اور اگر اس کے دل میں حق وصداقت کی وقعت نہ ہوگی (اور بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں کی ہوتی ہے) تو وہ اپنی خواہش کے مطابق حقیقت کے چہرہ پر جھوٹ، بہتان، اوہام اور گمراہیوں کے اتنے پردے ڈال دے گا کہ دلوں تک سچائی کی شعاع پہنچنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے گا۔

تاریخ کے مطالعہ کی دشواریاں: ایک شہر کی تاریخ پر کما حقہ بحث ونظر آسان نہیں ہے، چہ جائے کہ عربوں کی جیسی عظیم الشان قوم کی تاریخ پر بحث کرنا جن کا ملک دور دور تک پھیلا ہوا ہے، اس لیے اس زمانہ میں جب علم اتنا ترقی کر چکا ہے اور اس کی بہت سی شاخیں پیدا ہوگئی ہیں، یورپ نے اس کو بہت سی قسموں میں تقسیم کر دیا ہے، چنانچہ جو لوگ صرف ایک صدی یا ایک قوم کی چند صدیوں کی تاریخ کی تحقیقات کرتے ہیں وہ دوسرے دوروں کی تاریخ کی جانب قدم نہیں بڑھاتے اور جو شخص ایک ملک یا ایک شہر کی تاریخ پر کام کرتا ہے وہ دوسرے ملک اور دوسرے شہر کی تاریخ سے بالکل ہاتھ روک لیتا ہے اور جو شخص روما کی تاریخ کے کسی پہلو کا ماہر ہے اس کے لیے جدید دور کی تاریخ میں پوری مہارت حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے، اسی طرح جس شخص کو کسی مشرقی قوم کے حالات کی تحقیقات سے دلچسپی ہوتی ہے تو مغرب کی تاریخ پر اس کی تصانیف معیاری نہیں شمار کی جاتیں، اس لیے ایسی کتابوں میں جن کے موضوع اور مقاصد مختلف اور متنوع ہوں تنہا ایک شخص کی تالیف کی قدر و قیمت عموماً کم ہوتی ہے، اسی لیے انسائیکلوپیڈیا وغیرہ عام معلومات کی کتابوں کو سیکڑوں بلکہ کبھی کبھی ہزاروں علما مل کر لکھتے ہیں اور تاریخ، جغرافیہ اور ادب وغیرہ کی کتابوں کی تالیف میں بیسیوں مؤرخین، ادیبوں اور علمائے جغرافیہ کی کوششیں شریک ہوتی ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی قوم میں اس کام کے لیے کافی آدمی نہیں ہوتے تو وہ اپنے سے ترقی یافتہ قوموں کے آدمیوں سے مدد لیتی ہے۔

Marfat.com

اس زمانہ میں تاریخ کا فن اپنے اغراض و مقاصد کے تنوع کی وجہ سے بہت زیادہ دشوار ہو گیا ہے، اس لیے جو شخص عربوں کی تاریخ کی صرف چند کتابیں پڑھ کر ان کے تمدن کے بارہ میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہے اس پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے، اس قسم کی کتابوں کی حیثیت ان کی بے مائگی کی وجہ سے عوامی کتابوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اسی طرح جو شخص کسی معاملہ کے متعلق پہلے سے ایک رائے رکھتا ہے اس معاملہ کے متعلق اس کے فیصلہ کی کیا وقعت ہو سکتی ہے، رینان کا قول ہے کہ "تاریخ ظنون و اوہام کا مجموعہ اور ایسا چھوٹا علم ہے جس کا تانا بانا بعید مفروضات میں ہیں" کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ "ایسے اسناد اور ماخذوں کی کمی کی وجہ سے جو علم و نظر کی کسوٹی پر پورے اتر سکیں، مؤرخین تاریخ میں مخفی گوشوں سے اپنے افکار و خیالات شامل اور ایک حقیقت کا تصور قائم کر کے اس کو گڑھ کر کھڑی کر دیتے ہیں اور وہ ایسے نظریوں کو زندہ کرتے ہیں جن کی بنیاد خود دوسرے نظریوں پر ہوتی ہے اور اپنے اندر ایسے اشخاص کی روح پیدا کرنا چاہتے ہیں جن کے قومی مزاج، موروثی تربیت کے اثرات اور افکار و تصورات سے ناواقف ہوتے ہیں" اس لیے کسی شخص یا کسی عہد کی تاریخ لکھنا سخت دشوار ہے اور انسان "تُوسیڈیڈ" اور "ہیروڈٹس" کے زمانے سے لے کر اب تک برابر تاریخ لکھنا چاہتا ہے، مگر ضروری مواد و معلومات کی کمی کی وجہ سے بہت کم حقیقت تک پہنچتا ہے وہ صرف اس لیے واقعات و حوادث کی تشریح و تفسیر کرنا ان کو جاننا اور یاد رکھنا چاہتا ہے کہ دنیائے قدیم نے اس کے متعلق جو مواد چھوڑا ہے اس کے تھوڑے سے خیالی اجزاء کو تاریخ میں شامل کر سکے، ٹاسیٹ اپنے کو واقعات و حوادث سے بلند رکھ کر اس کے متعلق فیصلہ کرنا چاہتا تھا اور "مونٹسکیو" اور "ہرڈر" تاریخی تصریحات سے اس کا فلسفہ مرتب کرنا چاہتے تھے اور رینان مختلف واقعات میں تطبیق دینا، ممکن حد تک ان کے اسرار کی پردہ کشائی کرنا اور ان کو مرتب کر کے وحدت کی شکل میں پیش کرنا چاہتا تھا، غرض ہر مؤرخ کا اپنا مخصوص طریقہ رہا ہے، کارلائل کا قول ہے کہ "تاریخ مختلف شائع شدہ چیزوں کے مجموعے کا نام ہے"، والٹیر کہتا ہے کہ "تاریخ پرانے دقیانوسی انسانوں کا مجموعہ ہے، جسے کمزور لوگوں نے قبول کر لیا ہے"۔

Marfat.com

لیبان لکھتا ہے کہ ''زمانہ قدیم سے تاریخ نگاری میں عدل وانصاف مؤرخین کا جوہری وصف سمجھا جاتا ہے اور ٹاسیٹ کے زمانہ سے مؤرخین تاریخ نگاری میں ذاتی اغراض ورجحانات سے احتراز کی تاکید کرتے چلے آئے ہیں لیکن ایک مؤرخ واقعات کو بالکل اسی نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ایک مصور کسی منظر کو اپنی مزاجی، خلقی اور قومی روح کی روشنی میں دیکھتا ہے، اسی لیے ہر مصور کی تصویر دوسرے مصور سے مختلف ہوتی ہے، بعض مصوران تفصیلات کو ضروری سمجھتے ہیں جن کو دوسرے نے چھوڑ دیا تھا اور اس حیثیت سے کہ ہر مصور کی تصویر ایک خاص قسم کی تاثیر کو ظاہر کرتی ہے، اپنے مصور کی مخصوص شکل کی بھی مصوری کر دیتی ہے، یہی حال اہل قلم کا بھی ہے اس لیے ایک مصور کی طرح ایک مؤرخ کے لیے بھی تمام تر انصاف پر قائم رہنا بہت دشوار ہے، البتہ آج کل کے دستور کے مطابق تمام اسناد اور حوالوں کو کام میں لانا ضروری ہے مگر جب ان اسناد پر زیادہ زمانہ گذر جائے، مثلاً انقلاب فرانس جس کے حالات کے احاطہ کے لیے ایک شخص کی زندگی کافی نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کے خلاصہ، مغز اور جوہر پر اکتفا کرنا چاہیے، مؤرخین اکثر دانستہ یا دانستہ ایسے مواد کو جو ان کے سیاسی، مذہبی اور اخلاقی خواہشوں کے مطابق ہوتا ہے، لے لیتے ہیں اس لیے تاریخ میں ایسی کتاب کا لکھنا بہت دشوار ہے جس میں پورے عدل وانصاف سے کام لیا گیا ہو اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ایک واقعہ کو ایک ہی وقت میں صرف ایک سطر میں لکھا جائے جو مؤلفین کی طاقت سے باہر ہے، آج تاریخ کے فرقہ بندی کے جذبات سے پاک ہونے کے دعویٰ کے باوجود بعض تکلیف دہ باتیں پیدا ہوگئی ہیں اور اس سے بڑھ کر تکلیف دہ بات کیا ہو سکتی ہے کہ اگر ان باتوں کی جانب رجوع کیا جائے تو کسی زمانہ کی تاریخ بھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔

تاریخ کے بارہ میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ''وہ ایک افسانہ ہے جس کو ہر لکھنے والا اپنے تخیل سے پیدا کرتا ہے اور لوگوں کے حالات اور گذشتہ واقعات سے اس کے لیے نام بھی گڑھ لیتا ہے'' کسی راویت پر تمام مؤرخین کا اتفاق بھی اس میں شک وشبہہ اور اس کے قبول کرنے میں تردد پیدا کر دیتا ہے، کیوں کہ اتفاق اس کا ثبوت ہے کہ اس کو بحث ونظر کے بغیر بے چوں وچرا

Marfat.com

مان لیا گیا ہے اور اگر اختلاف ہو، یعنی کسی کی تعریف و مذمت میں مؤرخین کی رائیں مختلف ہوں تو پڑھنے والا مفروضات اور راویوں کے اختلاف کی وجہ سے سخت ذہنی انتشار اور شک وشبہ کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، ایک مؤرخ کے لیے شہادت، سند اور ثبوت وغیرہ ان تمام چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جس کی ایک جج کو ضرورت ہوتی ہے، مگر اکثر واقعات میں ان چیزوں کی کمی ہوتی ہے، کیوں کہ ہر تاریخی واقعہ کے اجزاء، شخصیتیں، خبریں، مصلحتیں اور رائیں ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر چیز کو کھوٹ اور شبہات وغیرہ کی آفتیں لاحق ہوتی ہیں، شخصیتوں میں دوستی وعداوت اور ترغیب وترہیب وغیرہ کے جذبات شامل ہو جاتے ہیں اور ان کی نگاہ میں بعض روایتیں ظاہر اور بعض مخفی رہتی ہیں، خبروں میں جھوٹ اور سچ اور سمجھنے اور نہ سمجھنے کا احتمال رہتا ہے، بعض خبریں صاف اور واضح ہوتی ہیں اور بعض میں خفا ہوتا ہے واقعات کبھی مصلحتوں کے موافق ہوتے ہیں اور کبھی مخالف، یہی حال مصلحتوں کا ہے وہ کبھی اصل حقیقت کے موافق ہوتی ہیں کبھی اس کے مخالف، اس لیے وہ واقعات کو بالقصد یا بلا قصد ایسے رنگ میں رنگ دیتی ہیں کہ ایک ہی چیز دو شخصوں کو دو مختلف رنگوں میں نظر آنے لگتی ہے اور رائے علم ونظر، مذاق کے اختلاف اور ہر اس چیز سے متاثر ہوتی ہے جس کو اس کے بنانے اور فیصلہ کرنے میں دخل ہوتا ہے، اگر کسی مؤرخ کو ایسے اسباب ووسائل حاصل بھی ہو جائیں جن کی بنیاد پر وہ ظاہری باتوں کا فیصلہ کر سکے جب بھی اندرونی نیتوں اور مخفی محرکات اور دلوں میں چھپے ہوئے ان مؤثرات کی وجہ سے جن کے بارہ میں اس کا ضمیر مغالطہ دیتا رہتا ہے، صحیح فیصلہ کرنے سے اسباب میسر نہیں آتے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ جو شہادتیں، سندیں اور ثبوت ایک جج کو حاصل ہوتے ہیں وہ ایک مؤرخ کو بھی حاصل ہو جائیں تب بھی کیا جج غلطی، فہم کی کجی، ہوائے نفس اور ان ذہنی پریشانیوں سے جو اہم مقدمات کے فیصلہ میں پیش آتی ہیں، بالکل محفوظ رہ سکتا ہے لیکن معمولی مقدمات میں ایک جج خواہ صحیح فیصلہ کرے یا غلط تاریخی واقعہ یا ججمنٹ کی تاریخ کے واقعہ کی حیثیت سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

عرب اور اسلام کے معترضین کے اقوال پر لیبان کی تنقید: لیبان نے اپنی کتاب

Marfat.com

تمدن عرب میں بہت خوب لکھا ہے کہ ''اگر کسی قوم کے اخلاق پر مذاہب کا اثر اسی قدر ہوتا ہے جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے (اگرچہ مجھ کو اس سے اتفاق نہیں ہے) تو اسلام اور دوسرے مذاہب میں جن کو اس کے مقابلہ میں برتری کا دعویٰ (اس سے مراد عیسائیت ہے) ہے، بہت دلچسپ موازنہ ہوسکتا ہے، ایک بڑا مذہبی عالم بارتھیلمی سینٹ ہیلر ایک کتاب میں لکھتا ہے کہ ''عربوں کے ساتھ میل جول اور ربط وضبط کے اثر سے قرونِ وسطیٰ کے بدخو اور درشت مزاج سرداروں کے مزاج میں نرمی اور شائستگی پیدا ہوگئی اور ان کی بہادری میں کسی قسم کا فرق آئے بغیر ان میں انسانیت کا نہایت اعلیٰ وارفع اور لطیف شعور پیدا ہوگیا اور یہ امر نہایت مشکوک ہے کہ تنہا عیسائیت نے خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو ان میں ایسے اوصاف پیدا کردیے ہوں، اس حقیقت کے علم کے بعد شاید ناظرین یہ سوال کریں کہ پھر آج وہ علما بھی جن کی آزاد خیالی مشہور ہے اور جن میں بظاہر مذہبی تعصب بھی نہیں ہے، عربوں کی خوبیوں اور ان کے احسانات کا کیوں انکار کرتے ہیں، یہ سوال خود میں نے اپنے دل سے بھی کیا ہے اس کا جواب صرف یہ ہے کہ درحقیقت ہماری رائے کی آزادی حقیقی سے زیادہ محض ظاہری ہے اور بعض مسائل میں ہم جس آزادی سے چاہتے ہیں غور نہیں کرسکتے، اس لیے ہم میں دو قسم کے آدمی ہیں، ایک جدید تہذیب کے آفریدہ نئے لوگ جن کی نشوونما علمی ماحول میں ہوئی ہے، دوسرے قدیم جن کی پیدائش ہر زمانہ میں پرانے خمیر سے ہوتی ہے، یہی روح غیر شعوری طور پر بیشتر لوگوں میں مختلف شکلوں میں بولتی رہتی ہے، ان کے پرانے معتقدات بھی اس کے موید ہوتے ہیں، اس لیے وہ ان ہی کے زیر اثر رائے قائم کرتے ہیں، مگر چوں کہ ان رایوں کو انتہائی آزاد خیالی کے روپ میں ظاہر کیا جاتا ہے اس لیے وہ احترام کی مستحق سمجھی جاتی ہیں۔

گذشتہ کئی صدیوں سے یورپ کے سب سے زیادہ خطرناک دشمن پیروان محمد سمجھے جاتے ہیں، وہ چارلس مارٹل کے عہد اور صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں اپنے اسلحہ سے یورپ کو ڈرا کر اور آستانہ پر قبضہ کے بعد اپنے بلند و برتر تمدن سے ہم کو ذلیل و خوار کرتے رہے اور ابھی چند دنوں پہلے تک ہم کو ان سے نجات نہیں ملی تھی اس لیے چند صدیوں تک ہم پر موروثی اوہام مسلط رہے اور

Marfat.com

اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس طرح سے چھائی رہی کہ ہمارے نظام کا جز بن گئی تھی اور یہ اوہام ہماری فطرت میں اس طرح راسخ تھے جس طرح عیسائیوں کے دل کی گہرائیوں میں یہودیوں کی دائمی عداوت مخفی رہتی ہے۔

جب ہم اپنے موروثی اوہام میں مسلمانوں کی فضیلت و برتری سے انکار کے اس دعویٰ کو بھی شامل کر لیں کہ ہم کو تمام علوم و آداب یونانیوں اور لاطینیوں سے حاصل ہوئے ہیں اور یہ وہم ہماری قابل نفرت تعلیم کے اثر سے ہماری ہر نسل میں برابر بڑھتا جاتا ہے تو ہم کو آسانی سے اندازہ ہو جائے گا کہ یورپ کی تمدنی تاریخ میں عربوں کے غیر معمولی اثرات سے ناواقفیت عام ہے اور بعض مفکرین کے نزدیک تو یہ تصور انتہائی اہانت آمیز ہے کہ عیسائی یورپ دور وحشت سے نکلنے میں اپنے دشمنان دین کا رہین منت ہے، مگر یہ واقعہ کتنا ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو، بہر حال حقیقت ہے کہ ساری دنیا پر اسلامی تہذیب کا اثر پڑا اور یہ تاثیر نہ صرف عربوں کے طفیل میں تکمیل کو پہنچی بلکہ اس میں ان تمام قوموں کی کوششیں شریک تھیں جو دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں اور ان کے علمی اثر سے وہ بربری قبائل بھی مہذب بن گئے جنہوں نے رومن امپائر کا خاتمہ کیا تھا اور عربوں نے اپنے عقلی اثر سے یورپ پر ان علوم و معارف کے دروازے کھول دیے جن سے وہ ناواقف تھا، اس طرح عرب چھ صدیوں تک تہذیب و تمدن میں ہمارے استاد رہے''۔

اس فصل کے خاتمہ میں لیبان لکھتا ہے کہ ''جب کسی انسان میں موروثی و تمدنی اوہام راسخ ہو جاتے ہیں تو وہ علم و نظر کی وسعت کے باوجود مسائل کے اسرار سمجھنے میں اندھا ہو جاتا ہے اور اس میں دو طرح کے بغض جمع ہو جاتے ہیں، ایک ماضی کے آفریدہ پرانے آدمی کا بغض، دوسرے ذاتی تجربہ و مشاہدہ رکھنے والے انسان کی عداوت اور یہ بغض و عداوت، افکار و خیالات کی ایسی تعبیر کرتی ہے جو تناقض و تضاد کا عجیب و غریب نمونہ ہوتی ہے، اس کی مثال رینان جیسے فاضل اور صاحب تصنیف کا وہ خطبہ ہے جو اس نے سار بن یونیورسٹی میں اسلام پر دیا تھا، اس میں اس نے علم و تمدن سے عربوں کا عجز ثابت کرنے کی کوشش میں اپنے تمام اوہام اور مفروضات صرف کر دیے

Marfat.com

ہیں، مثلاً پہلے وہ کہتا ہے کہ ''چھ صدیوں تک علم کی ترقی عربوں کے طفیل میں ہوئی''، پھر یہ بھی کہتا ہے کہ ''اسلام میں پوری طرح تعصب کا ظہور اس وقت ہوا جب عربوں کی جانشین بربر اور ترک جیسی پست اور گری ہوئی قومیں ہوئیں''، اس کے بعد لکھتا ہے کہ ''اسلام ہمیشہ علم و فلسفہ کو پامال کرتا رہا اور مفتوحہ ملکوں کی عقلیں سلب کرلیں'' مگر رینان جیسا ذہین اور محقق ایسی رائے پر مستقل قائم نہیں رہ سکتا تھا جو ظاہری تاریخ کے بالکل خلاف ہو، اس لیے جب اس کے اوہام دور ہوجاتے ہیں دنیا اس کو پوری طرح نظر آنے لگتی ہے اور اس کی نگاہ اندلس کی ان علمی ترقیوں پر پڑتی ہے جو مسلمانوں کے زیر سایہ ان کے عہد حکومت میں ہوئیں تو وہ قرونِ وسطیٰ میں عربوں کے اثر کے اعتراف پر مجبور ہوجاتا ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ جب وہ غیر شعوری طور پر اوہام کا شکار ہوجاتا ہے تو بڑے پرزور طریقہ سے کہتا ہے کہ ''عرب علما نسلاً عرب نہیں بلکہ وہ سمرقند، قرطبہ اور اشبیلیہ وغیرہ کی قوموں کا مجموعہ تھے''، مگر جو کارنامے عربوں کے اصول و طریقوں کے بدولت ظہور پذیر ہوئے ان سے اختلاف آسان نہیں ہے، کیا علمائے فرانس کے کارناموں کا محض اس لیے انکار کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تکمیل نارمن اور سلیٹی وغیرہ مختلف قوموں کے علما کے ہاتھوں ہوئی جو فرانسیسیوں میں خلط ملط ہوکر فرانسیسی بن گئے تھے، کبھی کبھی یہ مصنف عربوں کی مذمت پر خلاف عادت متاسف بھی ہوتا ہے اور جدید و قدیم انسان کی اس کشمکش (یعنی رینان کے متضاد خیالات) کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان نہ ہونے پر ان الفاظ میں افسوس ظاہر کرتا ہے کہ ''جب بھی میں کسی مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو مجھ پر خضوع و خشوع طاری ہوجاتا ہے اور مجھ کو اس کا افسوس ہوتا ہے کہ میں مسلمان کیوں نہ ہوا''۔

تاریخ کی تنقید اور اس کی وحدت: لیبان نے اپنی آخری تصنیف ''فلسفہ تاریخ کی علمی بنیادیں'' میں ایک باب تاریخی تنقید پر لکھا ہے، اس میں لکھتا ہے کہ ''گذشتہ ابواب میں ہم نے ان شکوک و شبہات پر بحث کی ہے جو عموماً تاریخی واقعات حتیٰ کہ مشہور واقعات تک کو پیش آتے ہیں، اس لیے ان کے بارہ میں فیصلہ کرنے میں قومی، مذہبی اور سیاسی ان تمام اثرات سے خالی ہونا

Marfat.com

چاہیے جو کسی معاملہ کے فیصلہ پر اثر انداز ہوتے ہیں، اسی لیے مختلف ملکوں کے بارہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں متضاد رائیں پائی جاتی ہیں اور اس کے باوجود کہ مؤرخین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مذہبی اوہام کے اثر سے آزاد ہوگئے ہیں، ان پر ان کی حکومت اسی طرح قائم ہے اور یہ اوہام اکثر مصنّفین کو اسلامی تمدن کی فضیلت کے بارہ میں ایسی رائے قائم کرنے پر مجبور کرتے ہیں جو راہ صواب سے بہت دور ہوتی ہے، چنانچہ دنیائے اسلام پر حملوں کی پرانی شدت اب تک اسی طرح قائم ہے، اس لیے قرونِ وسطیٰ کی تاریخ کے ان تمام اجزاء پر دوبارہ نظر ڈالنا ضروری ہے جن کا تعلق قدیم تمدن کے دورِ جدید میں منتقل ہونے کی تاریخ سے ہے۔

اس انتہائی منصفانہ اور دانشمندانہ رائے کے بعد اور کسی رائے کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، درحقیقت آج تک یورپین مصنّفین جب بھی اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اس رنگ میں اس کو پیش کرتے ہیں جس سے اس کا درجہ گھٹے اور جب وہ عربی تمدن کی جانب اشارہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو زبان حال سے اس کو جابر(۱) کا علم قرار دیتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی خوش ہوتا ہے، مگر جب اس کو آزماتا ہے تو متاسف ہوتا ہے، نہ اس کے علم سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور نہ لاعلمی سے نقصان پہنچتا ہے، مالکس فورڈ لکھتا ہے کہ ''ہماری نگاہ میں بعض لوگوں کا درجہ ان کے بارہ میں محض مصنفوں کی تحریروں سے بلند ہوجاتا ہے اور بہت سے لوگ ادنیٰ درجہ کے سیاحوں سے اسی طرح متاثر ہوتے ہیں جس طرح بڑے بڑے فاتحین اور مصلحین سے ایسے بہت سے لوگ جن کا درجہ ان کی قوم کی نگاہ میں بہت بلند ہے مگر دوسری قوموں میں وہ بالکل ناقابل ذکر سمجھے جاتے ہیں، انسانی انقلاب میں بعض زلزلوں اور آتش زدگیوں کو لڑائیوں سے زیادہ دخل رہا ہے، اس کے باوجود مؤرخین نے لڑائیوں کے واقعات کو تو مبالغہ سے بیان کیا ہے، مگر زلزلوں اور آتش زدگیوں کا ذکر معمولی طریقہ سے کردیا ہے''۔

---

(۱) اس سے مراد ایسے مجذوب صوفی کی بڑ ہے جس میں تضاد و تناقض اور رطب و یابس اور سنجیدہ و خرافات ہر قسم کی باتیں پائی جاتی ہوں۔

Marfat.com

جیسا کہ تاریخ کی کانگریس کے صدر نے لندن میں کہا ہے کہ ''آج بہترین کام دنیا کی تاریخ میں وحدت پیدا کرنا اور ان تمام چیزوں میں کمی کرنا ہے جن سے قوموں میں بغض و کینہ پیدا ہوتا ہے اور اب سے چند سال پیشتر اٹلی کے ایک بڑے عالم نے روم میں اس پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے اور یورپ کے عقلاء و مفکرین کی ایک جماعت نے ان تمام چیزوں کو ترک کر دیا ہے جن سے بغض و کینہ کے جذبات ابھرتے ہیں، باہم بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور الفت و محبت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، ایسی سوسائٹی مشرق و مغرب کے حقیقی تعاون ہی سے وجود میں آسکتی ہے جس کی بنیاد ایک دوسرے کے احترام، مصلحت کے اشتراک اور ناقابل تقسیم عدل و انصاف پر ہو، آج انسانیت کا مقصد ان مخالفتوں اور مناقشوں سے بہت بلند ہے جو گذشتہ صدیوں میں مسلسل پیدا ہوتے رہے اور اب تک قائم ہیں اور جنہوں نے لوگوں میں عداوت پیدا کی، اب اس زمانہ میں اس کا موقع ہی نہیں رہ گیا ہے جس میں لوگ ایسے کاموں میں مشغول ہو سکیں جو دور وحشت و جہالت میں تو جائز ہو سکتے تھے، مگر آج ان کی کوئی گنجایش نہیں ہے اور اب جب کہ انسانوں کے تعلقات کے وسائل اور ان کے افکار و خیالات میں بڑی قربت پیدا ہو گئی ہے، ان میں باہمی تعارف، لطف و مدارات اور ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کی بڑی ضرورت ہے تاکہ امن و سلامتی کی بنیاد پر دنیا کا نظام قائم ہو سکے۔

Marfat.com

پہلا باب

ناقدوں اور نکتہ چینوں کے مقاصد

امریکن مؤرخ کی تنقید اور مذہبی خونریزیوں پر گفتگو: تقریباً دو صدیوں سے اہل یورپ اسلام پر مختلف مقاصد کے تحت مختلف طریقوں اور پہلوؤں سے اعتراضات کرتے ہیں، ان میں سے بعض کا ذہن اتنا صاف اور ہوائے نفس سے خالی نہیں ہے کہ وہ عیب بینی اور مخفی اثرات سے پاک ہو کر عرب اور ان کے تمدن کے بارہ میں صحیح رائے قائم کر سکیں، تاہم فی الجملہ وہ تنقید کرنے میں مخلص ہیں، بعض کو علم و تحقیق کا وہ درجہ حاصل نہیں ہے جس سے وہ چیزوں کو انصاف کے ترازو میں تول سکیں، وہ اپنے نزدیک ایک بات کو صحیح سمجھ کر کہہ دیتے ہیں جس کو سچائی سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا، بعض لوگ جن کی بصیرت اور ظاہری بینائی دونوں کو مذہبی تعصب نے اندھا کر دیا ہے یہ باطل کو پیمانہ بناتے ہیں، حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے اور علم و تحقیق کے پردہ میں بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں ایسے لوگ کیسی ہی قسمیں کھا کر اپنے اخلاص اور بے لوثی کا یقین دلائیں ہرگز لائق اعتبار نہیں یہ لوگ صحیح تاریخ اور علم و تحقیق پر ظلم کرتے ہیں اور انہوں نے جہالت اور عبادت کو اپنا شعار بنالیا ہے، تاہم ان میں سے جو لوگ ان دشوار گذار راہوں میں پڑے ہیں ان میں سے جو جس درجہ کا نظر آئے اس کو وہ درجہ دیا جا سکتا ہے۔

جو مصنفین محض اٹکل سے باتیں کہہ دیتے ہیں ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ صحیح ہیں یا غلط، ان میں سے واشنگٹن یونیورسٹی کے استاد گوئن کے یہ خرافات بھی ہیں (۱) کہ ''اسلامی شریعت

Slebert.H.Gowen;Histoire die l' Aie-(۱)

Marfat.com

جس کے دو سو تینتیس ملین (۱) انسان متبع ہیں اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں، وہ اپنے اندر ایسے اجتماعی شر و فساد رکھتی ہیں جن سے انسانیت چیخ اٹھی ہے، اس کے باوجود شریعت نے ان کو مذہب کے نام سے مقدس بنا دیا ہے۔

یہ ایک ایسے شخص کا دعویٰ ہے جس نے عمر بھر کسی مسلمان کی صورت نہیں دیکھی اور نہ مسلمانوں کی کوئی مستند کتاب اس کی نظر سے گذری، اس نے جان بوجھ کر کسی خاص جذبہ و مقصد کے تحت یہ خیالات ظاہر کیے ہیں یا اس کا مقصد محض اعجوبہ نگاری ہے، کیوں نہ ہو امریکہ عجائبات کا گہوارہ ہے، لطف یہ ہے کہ اتنی بڑی بات اس طرح کہہ دی گویا بالکل بدیہی ہے جس کی شرح و تفصیل کی بھی ضرورت نہیں، اگر مصنف میں انصاف ہوتا تو اس کو چاہیے تھا کہ وہ اس شر و فساد کی جس سے اس نے اسلامی شریعت کو متہم کیا ہے اور جس سے اس کے بقول انسانیت چیخ اٹھی ہے، تفصیل بھی بیان کر دیتا، امریکہ کے سفید فام وہاں کے حبشیوں کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں ان سے انسانیت نہیں چیخ اٹھی ہے، انفرڈ فوٹلے کا بیان ہے کہ:

> ''صوبہ جات متحدہ امریکہ میں ایسے واقعات ہوتے ہیں جو اہل امریکہ کے لیے کسی طرح لائق فخر نہیں کہے جا سکتے، وہاں کے حبشی سفید فام عورتوں سے بڑی محبت کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان سے جبریہ خواہش پوری کرنے میں بھی ان کو باک نہیں ہوتا، ایسے مجرموں کے لیے لنچ کا قانون ہے یعنی ان پر تارکول مل کر ان کو موم کی بتی کی طرح جلا دیا جائے اور حکومت مقام جرم کے حبشیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ بھی اپنے ہم جنس کے جلنے کا تماشا دیکھیں''۔(۲)

انسانیت ان مذہبی لڑائیوں سے نہیں چیخی ہے جس میں نویں صدی کے وسط میں تنہا ملکہ تھیوڈورہ نے ایک لاکھ جرمنوں کو ہلاک کرا دیا، رومن کیتھلک نے ایک لاکھ پروٹسٹنٹ کو سینٹ بار

(۱) یہ اعداد صحیح نہیں، مسلمانوں کی مجموعی تعداد چالیس کروڑ سے بھی زیادہ ہے۔(م)

(۲)-Alfred Fov'iclee Temp eramentelt Caractere

Marfat.com

تھلمیو کی بھینٹ چڑھادیا(۱) انسانیت اندلس کے محکمہ احتساب و تفتیش دینی سے گویا خوش تھی، جس میں ریناخ کے بیان کے مطابق کم سے کم ایک لاکھ انسان قتل کیے گئے، (۲) انسانیت ان بڑی بڑی قتل گاہوں سے خوش تھی، جو یورپ میں پاپائیت کی خواہشات کی تکمیل اور ملحدوں کے قتل کے لیے قائم کی گئی تھیں، جنہوں نے پورے پورے ملک ویران کردیے، پوپ انوسینٹ سوم کی جنگ نے ۱۲۰۸ء میں پورا جنوبی فرانس ویران کردیا(۳) اور اس کے بہت سے شہر کوسون اور بزہ وغیرہ تباہ کردیے، رومن کیتھلک نے انتہا پسند پروٹسٹنٹ کی جنگ میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پروٹسٹنٹ قتل کیے، پاپائے اعظم نے ۸۸۰۰ آدمیوں کو آگ میں جلانے اور ۹۶۵۰۴ کو دوسری سزائیں دینے کا حکم دیا تھا، ٹورکماڈاڈ وینکی اسپینی (۱۴۲۰۔۱۴۹۸) نے اس کی تعمیل میں چھ ہزار انسانوں کو زندہ آگ میں جلادیا اور اس کار خیر کے صلہ میں پاپائے مقدس سے کاڈنیال کے منصب کا طالب ہوا، حکومت کی جانب سے اس کی حفاظت کے لیے پچاس سوار اور دوسو پیادہ فوج مقرر تھی، مذہبی عقائد کے پاسبانوں کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہ گئی تھی، وہ سنگ دلی اور شقاوت کو کار ثواب سمجھتے تھے اور مومن صادق وہی سمجھا جاتا تھا جس کی آتشِ غضب اس دین کی حمایت میں کبھی ٹھنڈی نہ ہو جس کو وہ اپنے تخیل میں اصلی مذہب سمجھتا تھا، اگر فرانس کا انقلاب عظیم ان خونخواریوں کو جو صدیوں مذہب کے غلط نام سے جاری رہیں خاتمہ نہ کردیتا تو یورپ میں مذہبی طبقہ کی حکومت اب تک قائم رہتی اور تمدن کی ترقی اس سے بھی زیادہ سست پڑجاتی جتنی ارباب کلیسا، امرا اور جاگیرداروں اور بادشاہوں کے کرتوت سے سست پڑ گئی تھی۔

رینان اور جانو کی تردید: اسلام کے بعض ناقدین وہ ہیں جو ایک واقعہ سے عام حکم لگا دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہے، ان ناقدین کو اگر زمانہ موقع دیتا تو وہ اپنے خیالات سے خود رجوع

---

(۱) Juler Simon dilerte de Concience

(۲) Reinach:Hintorer der religions-

(۳) حیاۃ الحقائق لبیان۔

Marfat.com

کر لیتے اور انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو مٹا دیتے، مثلاً گذشتہ صدی میں جب رینان جزیرہ ارواڈ گیا تو وہاں کے بعض باشندے اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے، اس سے متاثر ہو کر اس نے اس جزیرے کے باشندوں کے ساتھ پورے اہل شام بلکہ سارے مسلمانوں کی ہجو کر ڈالی کہ ''شامیوں کی بداخلاقی کا سبب ان کے غلط افکار و تصوارت ہیں اور اس کے ساتھ ارواڈیوں کی مخالفت کا سبب، علم سے وہ بغض و عداوت ہے جو ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں ہے''، ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے کہ ''دنیائے اسلام کا امتیازی وصف مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ علمی بحث ونظر بیکار چیز ہے اور کفر کی جانب لے جاتی ہے''، اس مصنف نے ایک چھوٹے سے جزیرہ کے ادنی درجہ کے ماہی گیروں کی پستی کو دیکھ کر عام مسلمانوں پر یہ حکم لگا دیا کہ ہر مسلمان فطرۃً علم و بحث کا دشمن ہے جو کسی حیثیت سے بھی صحیح اور جس کو عقل و منطق سے کوئی علاقہ نہیں، اگر آج وہ اسلامی ملکوں کو دیکھتا تو اس کی یہ رائے بدل جاتی اور اس کو نظر آتا کہ عام مسلمانوں کی بڑی تعداد اندھے تعصب سے کتنی آزاد اور علم کی مختلف شاخوں اور اصناف کی جانب کتنی مائل ہے۔

اسی قسم کا مغالطہ ایک مشہور عالم اثریات کلر موجانو کو بھی ہوا، جس نے لکھا ہے کہ ''عربی تمدن محض ایک پرفریب لفظ ہے، عربی فتوحات کی پیدا کردہ بربادیوں کے علاوہ اس کا کوئی وجود نہیں، جس کے ہاتھوں یونان و روما کی آخری روشنی بھی گل ہو گئی، اس کے باوجود وہ محترم سمجھا جاتا ہے اور وہ اسلام ہے''، گو مصنف علم الآثار کا بڑا ممتاز اور بلند پایہ عالم ہے لیکن اس کا یہ بیان نہایت لغو اور تاریخی حقائق سے اس کی جہالت کا پردہ فاش کرتا ہے، غالباً اس پر یہ بات شاق گذری اور اس کو وہ برداشت نہیں کر سکا کہ یونان اور روما کے جو آثار مٹ رہے تھے ان کو عربوں نے زندہ رکھا، اس لیے مصنف نے عربوں کا جو تمدن کی خدمت میں برابر کے شریک تھے پورا حق چھین لیا اور ان کو تخریب میں فن لینڈ والوں کے برابر کر دیا لیکن یہ سب جذباتی باتیں ہیں، جن کو عقل و خرد سے علاقہ نہیں، مصنف نے یہ فراموش کر دیا کہ اس کے محبوب یونانی آثار، ارضی و سماوی عوامل و آفات سے برباد ہوئے، ان کی بربادی کا سبب جیسا کہ دینی تعصب کا صور پھونکنے والوں کا خیال ہے،

Marfat.com

اسلام نہیں ہے وہ اسی کو بار بار دہراتے رہتے ہیں کہ بابل، آشوریہ، ایشیائے کوچک، شام اور فینیقیہ کے فن تعمیر اور سنگ تراشی وغیرہ کے قیمتی آثار کی بربادی کا سبب اسلام ہے، اگر جانو زندہ ہوتا تو ہم اسی کے ایک ہم وطن مصنف کی اس تحریر کی جانب اس کو توجہ دلاتے کہ ''فرنگی اب تک تمام بربادیوں کو جن کے آثار وہ ان ملکوں میں پاتے ہیں جن پر عرب حملہ آور ہوئے عربوں کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، حالاں کہ ان تمام لڑائیوں میں جن میں وہ فتح یاب ہوئے ان کا طرز عمل نہایت لطف آمیز تھا، اس کا سبب وہ خوف ونفرت ہے جو ان کے دلوں میں عربوں کی جانب سے جاگزیں ہے، اس نفرت کا سبب یہ ہے کہ عربوں کے چہرے آفتاب کی تمازت سے تپے ہوئے اور ان کی آنکھیں خوفناک تھیں، ان کے گھوڑے بڑے تیز رفتار اور ان کے لباس عجیب وغریب تھے، ان کو تلوار کی میان تک میسر نہ تھے ان کی زبان ان ممالک کے باشندوں سے مختلف تھی جس کے ذریعہ وہ ان عیسائیوں میں جن کے دل اسقفوں کی تعلیمات سے بھرے ہوئے تھے، اپنے مذہب کی اشاعت کرتے تھے یہ لوگ ہمیشہ ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے جن سے الوہیت مسیح کے منکر عربوں کی عداوت اور بغض ظاہر ہوتا تھا۔(۱)

درحقیقت اثریات کا ایک عالم عربوں اور اسلام کی تاریخ سمجھ بھی کیسے سکتا ہے، لیبان کا خیال ہے کہ ''بڑے بڑے مصنفوں کو اس کے سمجھنے کی توفیق نہیں ہوئی اور وہ برابر اس تمدن کا انکار کرتے رہے جسے مذہب نے پیدا کیا تھا''، اگر یہ عالم اثریات تاریخ سے واقف ہوتا تو اس سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ وہ ان برائیوں کو بتائے جن کے عرب اپنی فتوحات میں مرتکب ہوئے، ان کی جانب جو بڑی سے بڑی برائی منسوب کی جاتی ہے وہ بھی موجودہ جنگی قانون کی رو سے جائز ہے لیکن رومن نے جو مصنف کے نزدیک متمدن حکومت کا مثالی نمونہ تھے، چند برسوں کے اندر جیسے انواع واقسام کے مظالم کیے اور مخلوق خدا کو جس طرح غلام بنا دیا ویسے مظالم عرب چار صدیوں کے اندر بھی اپنی وسیع اور عظیم الشان حکومت کے باوجود نہیں کر سکے۔

---

(۱)-Sedillat: Hirstiore Generle der Arabes

۱۱۱۹۱۵

Marfat.com

مغربی مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اندلس میں گاتھوں کی فتوحات کے مقابلہ میں عربوں کی فتوحات رحمت تھیں، یورپ میں نصرانیت کی اشاعت کے لیے مذہبی لڑائیوں کی بربادیاں بت پرستی کے گناہ سے کسی طرح کم نہیں، وہاں دین کی حمایت و مدافعت کے لیے صدیوں فتنہ وفساد برپا رہا، یہ ساری خونریزیاں عربوں کی مزعومہ خونریزیوں سے کہیں بڑھ کر تھیں، اس قسم کے علمائے آثار تو اونٹوں اور پتھروں کے پجاری ہو جاتے ہیں، ان کے نزدیک کسی قوم میں کوئی خوبی پیدا نہیں ہوسکتی جب تک وہ پہاڑوں اور ٹیلوں کا انبار نہ تعمیر کرے، خواہ اس کے ذرائع کیسے ہی ہوں، مثلاً اگر معبد، قلعے، نہانے کے حوض، محراب، سڑک، اسٹیج یا کھیل کے میدان یا حماموں کے تعمیر میں ہزاروں آدمی کام آجائیں تو ان کو اس کی کوئی پروا نہیں۔

عربوں کے آثار قدیمہ کی کمی کا سبب: رومن نے سات صدیوں تک شام میں حکومت کی اور وہاں سے نکل بھی گئے لیکن بعلبک کے ہیکل آفتاب کی ایک عمارت کو بھی وہ مکمل نہ کر سکے، حالاں کہ بے شمار مخلوق انہوں نے اس کی تعمیر میں لگا دی تھی، اسلامی شریعت میں سنگ تراشی (مراد بت تراشی) ممنوع ہے اور عمارتیں زیادہ تر سلاطین وخلفا اور امرا اور اصحابِ خیر نے تعمیر کیں، اس لیے ان کے زمانہ میں اجتماعی کاموں کے بجائے انفرادی کام زیادہ انجام پائے اور دنیا کی ہر قوم اپنے حالات واسباب کی پابند ہوتی ہے جس کے قیود سے وہ نہیں چھوٹ سکتی اور کوئی جماعت اپنے قوانین کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی، وہ اپنی عادتوں کی پروردہ اور اس کی روح اور فطرت کی پابند ہوتی ہے، اس لیے مسلمان کس طرح اپنی مذہبی تعلیم کو چھوڑ سکتے تھے۔(۱) ابن خلدون لکھتا ہے کہ ''بڑی بڑی عظیم الشان عمارتوں کو تنہا ایک حکومت نہیں بناتی اور عربوں کی حکومت کا زمانہ قبطیوں کے آماد، نبطیوں، روم اور عرب اولی عاد وثمود اور عمالقہ اور تبابعہ کی حکومت کے جیسا طویل نہیں تھا اسی لیے وہ اہرام مصر، سد مآرب اور ایوان کسریٰ کی جیسی عظیم الشان عمارتیں نہ بنا سکے جو ان کے

(۱) مقدمہ ابن خلدون۔

Marfat.com

بادشاہوں کی یاد ہمیشہ قائم رکھتیں اور جن سے صناعی میں ان کے تفنن کا پتہ چلتا،(۱) اس لیے مسلمانوں کو دوسری قوموں کی بنائی ہوئی جو عمارتیں ملیں ان پر اکتفا کیا اور جن عمارتوں کی ضرورت ان کو محسوس ہوئی اس کو شرعی حدود کے اندر رہ کر تعمیر کیا، اس کے باوجود انہوں نے تھوڑی مدت میں ایسی ایسی نادر عمارتیں بنائیں جن کی ندرت و جدت اول نظر میں معلوم ہو جاتی ہے اور ان سے پہلے ایسے نمونے نظر نہیں آتے، اس سلسلہ میں یہ پہلو بھی قابل لحاظ ہے کہ عربوں کی بعض عمارتیں ٹھوس پتھروں کی نہیں ہیں بلکہ بیشتر میں اینٹ، لکڑی اور مٹی استعمال کی گئی ہے، اس لیے ان پر پتھر کی عمارتوں کے مقابلہ میں طبعی عوامل کا اثر زیادہ ظاہر ہوا، سکریٹاں کا بیان ہے کہ جب سے اہل مغرب نے عمارتوں کی تعمیر میں لکڑی کے بجائے پتھر کا استعمال شروع کیا اس وقت سے ان کے شہروں اور عمارتوں کا طرز ہی بدل گیا اور مشرقی ملک زلزلوں کے خوف سے پتھر کی تعمیرات میں پیچھے رہ گئے۔(۲)

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں رومن ایسی عجیب و غریب عمارتوں کے بنانے میں ممتاز اور منفرد تھے، جن پر کلرمون، جامون اور رومن کے مجد و شرف کی وارث یورپین قومیں فریفتہ ہیں لیکن اس سے اس کا انکار لازم نہیں آتا کہ رومن یونانیوں کی طرح اپنے دشمنوں کے ساتھ ہر وحشت و درنگی جائز سمجھتے تھے(۳) اور غیر مسلح آدمیوں کے قتل کرنے، جنگی قیدیوں کو غلام کی طرح بیچنے، شہروں کو لوٹنے اور دیہاتوں کو جلانے میں ان کو باک نہیں تھا جس کے مرتکب تاتاری اور شمال کے بربر بھی نہیں ہوئے، یونان و روما کی عمارتوں اور ان کی

(۱) غالباً اس سے مراد رومن کی جیسی دیو ہیکل عمارتیں اور اس کی صناعیاں ہیں، ورنہ مطلق تعمیری کمالات اور ان کی صناعیوں سے تو کوئی اسلامی ملک خالی نہیں ہے، اندلس کے محلات الحمراء اور الزہراء کی صناعیاں تو پرانی باتیں ہیں خود ہندوستان کی اسلامی عمارتیں ان کے تعمیری کمالات کی شاہد ہیں۔ (مترجم)

(۲)- Henri Secretan: La Population of lenmoeurs

(۳)- Bluntrchli: Lapolitique

Marfat.com

بت تراشی کے نمونوں کو دیکھ کر ان کے عدل وانصاف کا راگ الاپنے والے حق و باطل ہر طریقے اور ہر حیثیت سے ان کی عظمت و برتری ثابت کرنا چاہتے ہیں، حتی کہ ان کے جور و ستم کی بھی تاویل کرتے ہیں اور ان کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ انسانیت کا اعلیٰ مثالی نمونہ تھے اور ان سے کبھی کوئی چھوٹا گناہ بھی سرزد نہیں ہوا، ورنہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو دنیا کی کوئی قوم بھی اچھائیوں اور برائیوں سے خالی نہیں ہے، اس میں نئی پرانی اور چھوٹی بڑی تمام قومیں برابر ہیں۔

کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی تہمت: ایک مدت دراز سے متعصب گروہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کی تہمت عمر بن الخطاب پر رکھتا چلا آتا ہے، حالاں کہ خود ان کے علما پر بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ اسلام سے صدیوں پہلے جل چکا تھا(۱) لیکن اس بارہ میں حق ظاہر ہو جانے اور اس کی عام شہرت کے بعد بھی کچھ لوگ اس خیال سے کہ اس تہمت تراشی سے خلیفہ ثانی کا درجہ گھٹتا ہے، ہر موقع پر اس کو دہراتے رہتے ہیں کہ اس سے خلیفہ کی جہالت، ان کا جمود و افکار کی درشتی اور گذشتہ قوموں کے علوم سے اخذ و استفادہ سے انکار ثابت ہوتا ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ قیصر تھیوڈوسیوس اور یونستیانوس کے حکم سے ایک مرتبہ سے زیادہ جلایا گیا، آخری بار ہجرت نبوی سے دو سو برس پہلے جلا تھا، گبن تاریخ زوال روما میں لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں پر یہ تہمت ابوالفرج بن عبری نے اسلام کے چھ سو برس بعد تاریخ مختصر الدول میں تراشی ہے، اس سے پہلے کسی مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا حتی کہ اسکندریہ کے بطریق افتیکیوس بھی جس نے مصر پر مسلمانوں کے قبضہ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں، عمرو بن العاص کے کتب خانہ جلانے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں تحریر کیا، ارنج، کرسٹن اور فیلین وغیرہ کا بیان ہے کہ ''اس بارہ میں اسلام اور مسلمانوں کی برائیوں کی جو تشہیر کی جاتی ہے اس کا مختصر الدول کے لاتینی ترجمہ سے پہلے کوئی وجود نہیں تھا، اس زمانہ سے اہل مغرب نے مسلمانوں سے بغض رکھنا اور ان کی تحقیر شروع کی۔

---

(۱) رسالۃ المقتبس م ۱ و ۲ میں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے، معارف۔ علامہ شبلی مرحوم نے بھی اس کی مفصل تردید کی ہے۔

Marfat.com

علمائے فرانس میں جن علمانے اس روایت کی تردید کی ہے ان میں آرنسٹ اور البرسیم ہیں، رینان ایک خطبہ میں جو اس نے فرانس کی علمی اکیڈمی میں دیا تھا، کہتا ہے کہ "گو علم اور مذہب اسلام ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، اس کے باوجود اس کو اس کا یقین نہیں کہ عمر نے کتب خانہ اسکندریہ جلایا تھا، وہ اس سے مدتوں پہلے جل چکا تھا"، البرسیم نے ۱۴ آب ۱۹۰۸ء میں ایک خط میں تحریر کیا تھا کہ "ایک عرصہ تک عمر اور کتب خانہ اسکندریہ کے بارہ میں ایک تاریخی وہم ہم پر شدت سے قائم رہا لیکن اب وہ ختم ہو رہا ہے اور مجھے اس کی تحقیق کا موقع ملا ہے اور میں اس وہم کا مقابلہ کر رہا ہوں اور دلائل سے ثابت کروں گا کہ میرا ہی خیال حقیقت ہے"، اس کے علاوہ اپنی کتاب (de.livre) میں لکھتا ہے کہ "کتب خانہ اسکندریہ کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں سات لاکھ کتابیں تھیں، نہ خلیفہ عمر نے اس کو جلایا اور نہ ان کے حکم سے جلایا گیا جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے، یہ دعوی تاریخ کی بڑی غلطیوں میں سے ہے، عربوں کے اسکندریہ فتح کرنے کے زمانہ ۶۴۰ء میں اس کتب خانہ کا کوئی نشان ہی باقی نہیں رہ گیا تھا اور بطالسہ ہی کے زمانہ میں اس کتب خانہ کی حالت ابتر ہوگئی تھی اور وہ دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور دو حصے علاحدہ علاحدہ دو جگہوں میں تھے، ایک حصہ ۴۷ سال قبل مسیح قیصر جولیس کے اسکندریہ پر قبضہ کے وقت قضا وقدر سے جل گیا، دوسرا حصہ جو سیرابیس کے معبد میں تھا وہ اس واقعہ کے چار سو برس بعد تھیوڈسیوس کے اس حکم پر کہ بت پرستی کے سارے معبد مسمار کر دیے جائیں، سرابیس کے معبد کے ساتھ اسقف تیوفیل کے ہاتھوں برباد ہوا۔

نوٹ (۱) اور اہلو یلر اپنی کتاب "اہل مغرب کے جرائم" میں لکھتے ہیں کہ "تیوفیل ہی نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا تھا، مسلمانوں نے نہیں، مذہب اسلام کتابوں کے جلانے کی اجازت نہیں دیتا"، مسبرگ اپنی کتاب "جھوٹے دعاوی" میں تحریر کرتا ہے کہ "فرنگی وہ ہیں جنھوں نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا اور مسلمان وہ ہیں جنھوں نے یورپ میں علم کی اشاعت کی"۔

(۱) رسالہ نبراس مباحث سلیم تیز۔

Marfat.com

استیفونس اپنی کتاب ''التفکر والادیان'' میں لکھتا ہے کہ ''جاہلوں کے ہاتھوں اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا گیا، یہ بڑا اہم کتب خانہ تھا، اس کے ضائع ہونے سے علم کمزور پڑ گیا اور یورپ جہالت کی تاریکی میں بھٹکتا رہا، تا آنکہ مسلمانوں نے اپنے علم سے اس کو روشن کیا''۔

اٹالین مستشرق گریفن کا بیان ہے کہ ''عمرو بن العاص کے اسکندریہ فتح کرنے کے بعد سے کامل چھ سو برس تک کسی مسلم اور غیر مسلم مؤرخ نے کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کی تہمت عمرو بن العاص پر نہیں رکھی، سیاست میں عمرو بن العاص کی نرمی اور رواداری کی شہرت سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے جس کی شہادت اس زمانہ کے مشہور عیسائی مؤرخین تک دیتے ہیں، مثلاً یوحنا نیوقوسی اپنی کتاب ''تاریخ مصر'' میں جو قدیم حبشی زبان (۱) میں ہے عمرو بن العاص کی نرمی کا مداح ہے۔

بونٹ موری کا بیان ہے کہ ''اس غلطی کی اصلاح جس کی شہرت پورے قرون وسطی میں رہی ہمارا فرض ہے وہ یہ کہ عربوں نے خلیفہ عمر کے حکم سے اسکندریہ کا کتب خانہ جلایا تھا، حالاں کہ اس زمانہ میں عربوں کو یونان کے علوم وفنون سے جو شغف تھا اس کے لحاظ سے وہ ایسا کام کر ہی نہیں سکتے تھے، یہ معلوم ہے کہ اس کتب خانہ کا ایک حصہ اسکندریہ والوں کی اس شورش کے دوران میں جس میں جولیس قیصر کا بحری بیڑا تباہ ہوا تھا اور دوسرا حصہ عیسائیوں نے چھٹی صدی عیسوی میں جلا دیا، یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عربوں نے اپنے قیام کے لیے فسطاط کا شہر الگ آباد کیا تھا اور ممفس کو قبطیوں کے لیے چھوڑ دیا تھا، ان کے مذہب ورسم ورواج میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی اور بطریق کے انتخاب، کنیسوں کی تعمیر اور ان کے انتظام میں ان کو بالکل آزاد چھوڑ دیا تھا اور عمرو بن العاص نے ان کے پرانے رسوم میں صرف اس رسم کو بند کیا تھا کہ وہ ہر سال دریائے نیل سے پانی حاصل کرنے کے لیے ایک نوجوان لڑکی اس کی بھینٹ چڑھاتے تھے۔ (۲)

گو بہت سے مصنفوں نے عمر بن الخطاب پر کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی تہمت کی

---

(۱) رسالہ المجمع العلمی العربی م ۴۔

(۲) G. Bonetmaury: L'Irlamirmeel le chrirtian lime Afrique-

Marfat.com

تردید کی ہے پھر بھی اکابر اسلام کا درجہ گھٹانے کے لیے ایک جماعت اپنی رائے پر اڑی ہوئی ہے اور متعصب گروہ اس سے یہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے کہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ مسلمان جس شخص پر فخر کرتے ہیں وہ کتنا پست درجہ کا انسان تھا، اس کے لیے وہ اس کتب خانہ کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ باقی رہتا تو دنیا کا رخ بدل جاتا لیکن خود ان کی قوم نے اس قسم کے جو جرائم کیے ہیں، مثلاً کارڈنیال کیمنس نے مسلمانون کا غرناطہ کا کتب خانہ جلا دیا جس میں خود ان ہی کے مؤرخین کے قول کے مطابق اسّی ہزار کتابیں تھیں، اس کے علاوہ اسپین کے بہت سے کتب خانے جلائے گئے، اس داغ کو دھونے کے لیے یہ لوگ ان کتب خانوں کی اہمیت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اسپین میں نصف صدی تک مسلمانوں کے ایک ایک نشان کو مٹانے کی کوشش کی گئی، اگر عربی کتابوں کے لاتینی اور عبرانی ترجمے باقی نہ رہ گئے ہوتے تو اس تمدن کا نشان ہی مٹ جاتا جو آٹھ صدیوں تک اسپین میں چھایا رہا۔(۱)

ہم نے بھی یورپ کے بعض نقادوں کی تحریریں پڑھی ہیں جن میں انہوں نے چھٹی صدی کی ابتدا میں طرابلس پر صلیبوں کے حملہ اور ان کے افعال شنیعہ اور صنجیل کے معرکہ میں دار العلم کی کتابوں کے جلانے کی مذمت کی ہے جس میں ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں۔

مسیحی اور اسلام و عیسائیت میں اتحاد کی دعوت: مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے زیادہ مذاق اڑانے والے اور تہذیب و تمدن میں عربوں کے سب سے بڑے منکر عیسائی مبلغین ہیں، انہوں نے کھلی ہوئی حقیقتوں کی عیب گیری اور مذمت کو تبلیغ کا سب سے بڑا مقصد بنایا ہے حتی کہ بدیہیات میں جھگڑتے ہیں اور اپنی تحریروں میں طرح طرح کی افترا پردازی سے کام لیتے ہیں اور تبلیغ کے لیے نئے پہلو اور طریقے ایجاد کیے ہیں، لطف یہ ہے کہ یہ پرفخر کارنامے انجام دینے والے ہمارے ہی ملک کے ہیں(۲) ان کے دل میں ان عادتوں کے چھوڑنے کا کبھی خیال بھی

(۱) اسپین اور عرب آبادی کا باتوں۔

(۲) اس سے مراد شام کے عیسائی مبلغین ہیں، "م"۔

Marfat.com

نہیں آتا وہ اس کو بھول جاتے ہیں کہ ان کی حیثیت اس ملک میں نوآبادکی ہے، جہاں ہمیشہ اسلامی حکومت کا غلبہ رہا، اس کے باوجود اس ملک نے ان کی پذیرائی کی اور ان کے اصلی وطنوں کی طرح جہاں سے وہ نکالے گئے ان پر اپنی سرزمین تنگ نہیں کی، اس کا بدلہ انہوں نے یہ دیا کہ وہ اسلام کی دشمنی میں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں اور دین اسلام، اس کے نبی اور اس کے تمدن کی شان میں نہایت ناروا الفاظ استعمال کرتے ہیں، اس گروہ کا سرخیل لامنس ہے، اس نے اسلامی تاریخ کی مخالفت اور عربوں کی تحقیر و مذمت کو اپنا شعار بنالیا ہے، اس کے جرائم کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، ان سے علم و تحقیق پر اس کے ظلم کا اندازہ ہوگا اس کی خرافات نگاری کے سامنے بے حیائی کی نگاہیں بھی نیچی ہو جاتی ہیں۔

ان اہم کتابوں میں جو جرمن، فرنچ اور انگریزی زبانوں میں بار بار شائع ہو چکی ہے ایک انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ہے، اس کو بڑے بڑے علمائے مشرقیات کی سند تصدیق حاصل ہے، اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق معلومات و مسائل پر بڑی جامع کتاب اور ہر طرح کے نقص وعیب سے پاک علمی کارنامہ تصور کی جاتی ہے لیکن دشمن اسلام لامنس کی باطل آمیزی نے اس کے حسین چہرہ کو بھی داغ دار بنا دیا ہے اور اس خیال سے کہ انسائیکلوپیڈیا بھی مذہبی پروپگنڈے کا ذریعہ ہے اور ایک مبلغ و داعی کے لیے خواہ اس کو اپنے فرض کی ادائیگی میں خیانت ہی کرنا پڑے، اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں نہ چوکنا چاہیے، لامنس نے اپنے مقالات میں حقائق پر بڑا ظلم کیا ہے۔

افسوس ہے کہ لامنس اور اس کی ہم مشرب جماعت، ان ضروری امور کا بھی لحاظ نہیں رکھتی جن کو علمی کام کرنے والوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اس نے علمی امانت کا فرض بالکل بھلا دیا ہے جب سے اس کی توجہ مشرق کی جانب ہوئی ہے، قرآن کی آیات میں تحریف کرتی ہے، اسلامی کتابوں سے ان باتوں کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے جو اس کے گوں کی نہیں ہیں، آیتوں کو شعر سے خلط و ملط کر دیتی ہے، احادیث نبوی کو بھی عام انسانوں کے کلام کی طرح سمجھتی ہے اور رسول ﷺ

Marfat.com

کے ذکر میں ایسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتی ہے جن سے اس کے خیال میں آپ کی عظمت بڑھتی ہو، یہ جماعت اپنے مقصد کے مطابق عمارت تعمیر کرنے کے لیے کسی طویل عبارت کا ایک فقرہ لے لیتی ہے، ضعیف روایتوں کے نقل کردہ خرافات اور جھوٹے گڑھنے والوں اور افسانہ طرازوں کی کتابوں سے بھی اخذ واستفادہ میں ان کو تامل نہیں ہوتا، اس کے ساتھ یہ دعوی بھی ہوتا ہے کہ ان کے خرافات معتبر اور مستند کتابوں سے منقول ہیں، ایسے لوگوں کو بعض مستشرقین نے متنبہ بھی کیا اور ایسی کتابوں کے ناشرین کو بھی مشورہ دیا کہ وہ عرب مصنفین کی اصل عبارتوں میں تحریف نہ کریں، کیوں کہ جو لوگ ان کے اصل خیالات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان مختصرات کو پڑھنا پسند نہیں کرتے جو ناشرین کی رائے اور خیال کے مؤید ہوں اور جن کو توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہو۔

لامنس نے شام کی مختصر تاریخ لکھی ہے اور ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ میں اسلام اور مسلمانوں کی ایک خوبی کا بھی ذکر نہیں کیا ہے نہایت مضحکہ انگیز باتیں لکھی ہیں کہ عربوں کی فتوحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بزدل اور فوجی اوصاف میں کمزور تھے، لڑائیوں میں ان کے پیش نظر صرف مال غنیمت رہتا تھا، وہ جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمولی درجہ کے جنگ آزما اور لوٹنے میں مستعد تھے ویسے ہی آج بھی ہیں، خطرہ کے سامنے سے ہمیشہ ہٹ جاتے ہیں، انہوں نے مفتوحہ ملکوں کا پرانا عدالتی اور شہری نظام کسی رواداری کی بنا پر ملک کے باشندوں کے ہاتھوں میں نہیں رہنے دیا اور نہ اس بنا پر ان کی زبان قائم رکھی بلکہ اس کے سنبھالنے کی ان میں اہلیت ہی نہیں تھی، عربوں میں لوازم تمدن میں سے کسی چیز کی بھی صلاحیت نہیں تھی، اس کی فضیلت کا سہرا فارس، عراق، شام و مصر اور ان ملکوں کے اصلی باشندوں کے سر ہے جو عربوں نے فتح کیے تھے اور صلیبی لڑائیاں شجاعت و بہادری کے عظیم الشان معرکے تھے اور ان میں صلیبیوں کا نظم حیرت انگیز تھا۔

معلوم ہوتا ہے مصنف نے ان صلیبی مصنفین کے بیانات سے بھی آنکھیں بند کر لی ہیں جنھوں نے صلیبیوں کے فسق و فجور، خبث اور چوری تک کا ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

اسی مصنف کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ''صلاح الدین کے جو محاسن بیان کیے جاتے ہیں وہ درحقیقت اس کے عجز، درماندگی اور خوف کا نتیجہ تھے'' یعنی بیت المقدس کے فتح کے دن صلیبیوں کا زندہ باقی رکھنا اس کی کمزوری کا نتیجہ تھا اور اس نے بھی اپنے مفتوحوں کے ساتھ وہی معاملہ کیوں نہیں کیا جو صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کے وقت مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اور ان کو انتہائی شقاوت اور سنگ دلی سے طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کیا'' اس مصنف نے صلاح الدین ایوبی کے دور حکومت کی بھی بڑی مذمت کی ہے کہ ''اس میں کوئی رونق بھی نہیں تھی اور وہ بڑا لالچی تھا'' حالاں کہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ اس لالچی نے اتنی بڑی بڑی فتوحات اور مال غنیمت کے بعد بھی اپنے مرنے کے بعد کسی قسم کی املاک حتیٰ کہ اپنا گھر تک نہیں چھوڑا اور شام و مصر میں بہت سے مدرسے، خانقاہیں، جامع مسجدیں اور دوسری پبلک عمارتیں بنوائیں جن میں سے بعض اب تک موجود ہیں اور ان کو اپنی جانب منسوب کرنا بھی پسند نہیں کیا اور اپنے فوجی افسروں اور غلاموں کی جانب منسوب کیا اور اس کے ارکان حکومت اپنی دولت اس خوف سے اس سے چھپاتے تھے کہ وہ ان کو ملکی ضروریات اور دوسرے کار خیر میں صرف کر دے گا۔

مصنف کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ''صلیبی لڑائیوں میں یہودیوں کے ساتھ صلیبیوں کا برتاؤ بہت اچھا تھا اور ان کو وطنیت کے پورے حقوق و فوائد حاصل تھے'' حالاں کہ ان غریبوں پر صلیبیوں کی تلواریں برابر بے نیام رہیں اور ان کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں اور سزائیں دی گئیں جس کا اعتراف کونڈ، ریناخ سیڈیلیو اور ڈی کاسٹری وغیرہ مغربی مصنفین تک نے کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ ''صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں عیسائی جس شہر میں بھی داخل ہوتے تھے وہاں کے مسلمان اور یہود دونوں کو بے دریغ قتل کرتے تھے'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی کے لیے جائے پناہ صرف اسلام تھا جو یہود آج تک سرزمین مغرب میں باقی ہیں وہ مسلمانوں کی نرمی اور حسن سلوک کا نتیجہ ہے۔

Marfat.com

اس گمراہ مصنف نے عربوں اور اسلام کا درجہ گھٹانے کی بڑی کوشش کی ہے اور ان کو اس کے شرف سے محروم کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی ہے، اس نے کہا ہے کہ ''عربوں کی فوجی صلاحیت معمولی تھی لیکن ان ہی معمولی عربوں نے ایسے ایسے اور اتنے ملک فتح کیے جن سے بڑی بڑی بہادر اور بڑے ساز وسامان رکھنے والی قومیں تک عاجز رہیں، اس کا کہنا ہے کہ ''عربوں میں تمدن کے کسی جز کی بھی صلاحیت نہیں تھی، حالاں کہ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ وہ دنیائے قدیم کے معلم تھے اور انہوں نے اس کو وہ چیزیں دیں جن سے وہ بالکل ناواقف تھی اور ایسے ایسے مفید کام انجام دیے جن کا اعتراف اس مصنف کے علاوہ مسلمانوں کے بڑے بڑے دشمنوں تک کو ہے لیکن اس کی نگاہ میں ان کی کوئی خوبی ہی نہیں آتی، اس کے ایک ہم مذہب عالم دین نے اس کے بارہ میں خوب کہا ہے کہ ''مشرقیات کے علم میں وہ جنگ صلیبی کے مشہور پیٹر راہب کی طرح ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ صلیبی جوش وقوت کے ساتھ علمی حربہ سے اس طرح اسلام کو پچھاڑ دے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے'' ورنگم اپنی کتاب حیات محمد میں لکھتا ہے کہ ''پادری لامنس کی بلند پایہ تصانیف کی خوبیوں کو اس بات نے بدنما بنا دیا ہے کہ اس میں اسلام اور اس کے رسول کا ذکر نہایت ناپسندیدہ طریقہ سے کیا گیا ہے اور تنقید کا نہایت مبالغہ آمیز طریقہ اختیار کیا گیا ہے، بعض مصنف محض نصرانیت کے عیوب سے چشم پوشی کی بنا پر اس قسم کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، ہم نے بھی اس متعصب مصنف کی عربی اور فرنچ تصانیف پڑھی ہیں، اس نے کسی ایک مقام پر بھی عرب اور ان کے تمدن کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے اور ان کی ادنیٰ سے ادنیٰ خوبی کا بھی اقرار نہیں کیا ہے، اگر وہ سوڈان کے وحشیوں کے متعلق بھی کچھ لکھتا تو بھی اس کو شرم آتی اور ان کی کسی نہ کسی اچھی خصلت یا رسم کا ضرور تذکرہ کرتا''۔

لامنس ہی کے بھائی بندوں میں لوئس بھی ہے وہ بھی ساری عمر ایک ہی راگ الاپتا رہا اور اپنی تمام تصانیف میں پوری قوت سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد کسی زمانہ میں بھی تہذیب وتمدن میں عربوں کا کوئی درجہ نہیں رہا، وہاں اگر کوئی تہذیب

Marfat.com

تھی بھی تو وہ عیسائی عربوں کی کوششوں کا نتیجہ تھی، اس موضوع پر اس نے لمبی چوڑی کتاب (۱) بھی لکھ ماری ہے، کہ اسلام سے پہلے کے اکثر عرب شعرا عیسائی تھے اور اس کے ثبوت میں اس نے جو دلائل دیے ہیں وہ تار عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، اسلام اور اسلامی تمدن کا دشمن ایک اور گروہ بھی ہے، اس نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ بظاہر اسلام اور نصرانیت دونوں پر چوٹ کرتا ہے لیکن اس کا اصلی مقصد صرف اسلام کو گھٹانا ہوتا ہے، چند سال ہوئے جرمن عالم پروفیسر مارٹن ہورتمان نے ہمارے پاس لکھا تھا کہ ''اسلام اور نصرانیت دونوں نے اس کی کوشش کی تھی، (۲) کہ وہ دینی اساس پر ایک معاشرہ کی تعمیر کریں تا کہ ان کے ماننے والے دوسرے تمام اہل مذاہب پر غالب آ جائیں لیکن اس میں ان کو ناکامی ہوئی''، ان ہی خرافات کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ ''چینی قوم پر اسلام کی برتری کا دعویٰ محض خیال خام ہے اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی تباہی کے سوا کچھ نہیں، اگر حالات کی مساعدت سے غیر متوقع طور پر چین میں مسلمانوں کی آرزوئیں عارضی طور سے پوری بھی ہو جائیں تو اس سے چین کو بڑا نقصان پہنچے گا، اس لیے کہ اسلام تہذیب وتمدن کا مذہب نہیں ہے وہ سب چیزوں سے پہلے فرنگی تہذیب کا دشمن ہے، چینیوں کی فلاح مغربی تہذیب اختیار کرنے میں ہے (۳) ہورتمان نے بھی لامنس ہی کی طرح اسلام کے مقابلہ کے لیے اپنی زندگی وقف اور اپنے اشہب فکر کی لگام، باطل خیالات اور دلی بغض وکینہ کے حوالہ کر دی ہے۔

عرب اور اسلام کے ناقدین کی یہ چند مثالیں ہم نے اس لیے نقل کی ہیں کہ انہوں نے سیدھے سادھے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف دینی تعصب کا کوہ آتش فشاں بھڑکا کر حقیقت کے چہرہ کو داغ دار بنایا ہے اور ان فرقوں کے لوگوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے جو صدیوں سے ایک ساتھ میل جول سے رہتے چلے آئے تھے اور جن میں برادرانہ الفت ومحبت قائم تھی اور حاکم مذہب (اسلام) کی رواداری سے محکوم فرقے (عیسائی) آزادی کی نعمت سے پوری

(۱) النصرانیۃ وآدابہا بین العرب الجاہلیۃ لویس شیخو۔ (۲) رسالہ المقتبس م ۳۔

(۳) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ چین۔

Marfat.com

طرح متمتع تھے یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ آج بھی جب کہ ہم جہالت کے زمانہ سے کس قدر دور علم کی دولت سے بہرہ ور اور تہذیب کے زیور سے آراستہ ہوتے جاتے ہیں، جدید تہذیب مذہبی روح کو بھڑکا کر ایک دوسرے کے ساتھ نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ دنیا کی تمام قوموں میں صرف عرب سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن تھے لیکن اس زمانہ میں بھی انہوں نے اپنے مخالفین کی مقدس چیزوں کی توہین نہیں کی بلکہ ان کا احترام قائم رکھا اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ سلوک واحسان کا برتاؤ کیا، ذمیوں کے بارہ میں خلفائے راشدین اور اموی اور عباسی خلفا کی جو وصیتیں موجود ہیں وہ آج بھی فتنہ گروں کی زبانیں خاموش اور ان کی عیب میں آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، اگر مسلمان بھی متعصب اہل مغرب کی طرح ہوتے تو مشرق قریب میں اسلام کے مخالف کوئی دین باقی نہ رہتا اور نہ کسی عبادت گاہ سے کلمۂ شہادت کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی دیتی، محمد عبدہ کی رائے کے مطابق اب وہ وقت ہے کہ اس زمانہ کے عقلا کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ دو بڑے مذہب اسلام اور نصرانیت ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر محبت سے گلے مل جائیں جو دونوں کی اس طویل کشمکش اور جنگ کے خاتمہ کے لیے ضروری ہے جس نے دونوں کو تھکا دیا۔

Marfat.com

دوسرا باب

مشرق ومغرب میں شعوبیت

شعوبیہ کی تعریب اوران کے مقاصد: شعوبیہ وہ جماعت کہلاتی ہے جوعجمیوں کوعربوں پرفضیلت دیتی ہے یہ خلفائے راشدین کے ایک زمانہ بعداس وقت پیدا ہوئی جب ایرانی، ترک اورنبطی قومیں اسلامی حکومت کی خدمت میں شریک ہوئیں،اس سے عربوں اوران عجمی عمال حکومت میں مخالفت شروع ہوگئی جنہوں نے اسلام قبول کیا تھااورعربوں اورعجمیوں کی طرح، عدنانی اورقحطانی عربوں میں بھی اپنی فضیلت وبرتری کی مسابقت شروع ہوگئی پھراس سے بھی آگے بڑھ کرقیس اوریمنی قبائل میں عداوت پیدا ہوگئی حالاں کہ اسلام کی تعلیم تو یہ تھی۔

جَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ.
(الحجرات ۴۹: ۱۳)

ہم نے تم کوخاندانوں اورقبائل میں اس لیے تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاسکوورنہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جوسب سے زیادہ متقی ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (الحجرات ۴۹: ۱۰)

سب مسلمان بھائی بھائی ہیں،پس اپنے بھائیوں کے درمیان میں اصلاح کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا کہ:

''اسلام نے تم سے جاہلیت کے غروراورآباءواجداد پرفخر کرنے کومٹادیا،کسی عجمی پر

Marfat.com

کسی عربی کو فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بنا پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔

ان تعلیمات سے ظاہر ہے کہ اسلام قومیت اور رنگ و نسل کے امتیازات کے مٹانے کے لیے آیا تھا لیکن عربوں کے عروج کے زمانہ میں لوگوں کو جو آزادی حاصل تھی اس سے انہوں نے غلط فائدہ اٹھا کر پھر اسی پرانی آواز کو بلند کرنا چاہا اور شعوبیوں نے عربوں کی تحقیر و مذمت اور عجمیوں کی فضیلت و برتری پر رسالے اور کتابیں لکھیں اور خطبے اور داستانیں تصنیف کیں اور مدح اور ہجو کا ایک بازار گرم ہو گیا لیکن عربوں نے مدبر قوموں کی طرح جو ہمیشہ اپنی تعداد بڑھانے اور دلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں، دوسری قوموں کی مقدس چیزوں کا مضحکہ اڑانے کے بجائے اتحاد اور تالیف قلب کی پالیسی اختیار کی اور اس نرمی و ملاطفت سے عجمیوں کے خیالات کی تردید کی کہ وہ بھڑکنے نہ پائیں۔

ہم نے اس کتاب میں شعوبیت کی اصلاح ان تمام لوگوں کے لیے استعمال کی ہے جنہوں نے خاص اغراض کے ماتحت عربوں کی تہذیب و تاریخ کی تنقیص کو اپنا شعار بنالیا ہے انہوں نے عربوں کا مرتبہ گھٹانے کے لیے عجیب و غریب طریقے اختیار کیے ہیں اور اس میں ان تمام مسائل کو شامل کر لیا ہے جن سے بلا واسطہ یا بالواسطہ عربوں کے ان مخصوص فضائل و خصوصیات کی جن میں ان کی انفرادیت مسلم ہے تحقیر کی جا سکتی ہو، اگر شعوبیہ میں انصاف ہوتا تو وہ ثابت شدہ مسلمات کے انکار اور رد کردہ خرافات کے اثبات کے مرتکب نہ ہوتے، ان کے سامنے جب ان ہی کے بڑے اور نامور علما کے اقوال کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے تو اس سے ان کا انکار و عناد اور بڑھتا ہے اور ان میں اتنی شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ان مسائل اور موضوعات کی واقفیت میں بھی جن کو آج کل ترجمہ اور نشر و اشاعت کی سہولتوں کی وجہ سے بہت آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے، اپنی جماعت کے اعتدال پسند علما کو کم علم کہہ دیتی ہیں۔

ان سطور کی تحریر کے وقت ایک شعوبی کا یہ عجیب و غریب دعویٰ پڑھنے میں آیا کہ رینان

Marfat.com

کو عربی زبان میں عبور حاصل نہیں تھا، اور ٹین اور لا مارٹین عربی سے بالکل ناواقف تھے اس لیے عربوں کے بارہ میں ان کی تحقیقات صحیح نہیں ہے، اس متعصب شعوبی کو صرف اس لیے یہ کہنا پڑا کہ اس پر یہ شاق گذرا کہ ان علما نے عربوں کے ساتھ تھوڑا سا انصاف کیا ہے اس لیے اس نے عربی ہی سے ان کی واقفیت کا انکار کر دیا، حالاں کہ کسی تمدن کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے اس کی زبان کا جاننا مطلق ضروری نہیں ہے، اگر اس شرط کو مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یونان کے تمدن کی تحقیقات کے لیے یونانی، رومن کے لیے لاتینی، فراعنہ کے لیے ہیروگریفی کا پڑھنا ضروری ہے، اسی طرح ہندوستان، چین، جاپان اور دنیا کی دوسری قوموں کے حالات کے مطالعہ اور ان کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے ان قوموں کی زبانوں میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہوگی، اس مصنف نے یہ فراموش کر دیا کہ اہم عربی کتابوں کی بڑی تعداد کا تمام یورپین زبانوں، خصوصاً بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور کوئی ایسا ماخذ نہیں ہے جس کی عربی تمدن اور اسلام کے متعلق تحقیقات میں ضرورت ہو اور اس کا ترجمہ نہ ہو چکا ہو۔

اگر کسی قوم کی تہذیب کے بارہ میں تحقیقات کے لیے اس کی زبان سے کامل واقفیت ضروری مان لی جائے تو ایک شخص تنہا جو مختلف قوموں کی تاریخ جاننا چاہتا ہے، بیسیوں زبانیں کس طرح سیکھ سکتا ہے، عربوں سے پوری واقفیت حاصل کرنے کے لیے وہ کتابیں کافی ہیں جن کے ترجمے تمام ترقی یافتہ زبانوں میں ہو چکے ہیں اور ان کی خاصی تعداد ہے اور وہ ہر متمدن قوم کے کتب خانوں میں موجود ہیں، ہم نے ''حاضر العالم الاسلامی'' کے مصنف سے پوچھا تھا کہ عربی زبان سے ناواقفیت کے باوجود تاریخ اسلام سے اتنی اچھی واقفیت ان کو کہاں سے حاصل ہوئی، جواب دیا کہ انہوں نے اپنے استاد سے جو تاریخ کے پروفیسر تھے، دس سال تک اسلامی تاریخ پڑھی، وہ عربی سے پوری طرح واقف تھے اور تاریخ اسلام کے لیے جن معلومات کی ضرورت پڑتی ان کو وہ عربی ماخذوں سے حاصل کر لیتے تھے، انہوں نے ان ہی کی وسیع معلومات کا خلاصہ لے لیا ہے اور اسلام اور عرب کے متعلق رائے قائم کرنے کے لیے ان کو عربی زبان کی تحصیل کی ضرورت

Marfat.com

نہیں پیش آئی لیکن اس شعوبی نے محض اس لیے چار نامور فرانسیسی علما کا درجہ گھٹانے میں باک نہیں کیا کہ اس سے اس کے نزدیک دنیا کی ایک بڑی قوم کی تہذیب کا جس کو وہ گرانا چاہتا تھا درجہ گھٹ جاتا تھا، نیز اس لیے کہ اس قوم کی جانب قدیم عہد اور جدید دور کسی زمانہ میں بھی کوئی اچھی صفت منسوب نہ ہونے پائے جس سے دنیا کی کوئی قوم بھی جس کی قومیت، مذہب اور تصورات کچھ بھی ہوں بہت کم خالی ہوتی ہے۔

شعوبیوں کی نقل کردہ حکایات پر مغربی علما کی تنقید: ہم نے اوپر جن باتوں کی تردید کی ہے وہ شعوبی لامنس کی رائے ہے جس کو بعض علمائے مغرب نے بے حیا مؤرخ کا لقب دیا ہے، وہ ہمیشہ طبری، بلاذری، ابن سعد، اصفہانی، ابن اثیر، ابن خلدون اور ابوالفداء جیسے نامور عربی مؤرخین کی تصنیف اور داستان گویوں اور جھوٹے قصے گڑھنے والوں کی توثیق کرتا رہا، لامنس تو ان معتبر و مستند مؤرخین کی کمان زہ کرنا چاہتا ہے اور سوئزرلینڈ کا مؤرخ ہیس (۱) مسلمانوں کے اس تساہل پر افسوس ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنی نادر اسلامی تہذیب کے مطالعہ کی جانب توجہ نہیں کرتے جس کے علمائے مشرقیات فریفتہ ہیں اور اس کے آثار یاقوت، بیرونی، خوارزمی اور ابن خلدون میں نظر آتے ہیں، مسلمان اپنی تہذیب کو محض اس لیے چھوڑ دیتے ہیں تا کہ وہ ان تعلیم گاہوں میں جہاں تاریخ، جغرافیہ اور دوسرے علوم میں ان کے اسلاف کے علمی ترکہ کی عظمت کی تعلیم کا بہت کم اہتمام ہوتا ہے اپنے کو یورپین نما ظاہر کرسکیں۔

لامنس عرب مؤرخین کی شان بھی اسی طرح گھٹاتا ہے جس طرح علمائے مغرب کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرتا ہے، انگریز مؤرخ براؤن کا بیان ہے کہ تاریخ میں عربوں کی تصانیف میں بڑی وسعت ودقت نظر ہوتی ہے اور ان کی بعض تاریخی کتابوں کے طرز پر یورپ میں بھی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی (۲) وہ ابن خلدون، ابن اثیر، طبری اور الفخری پر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علم، فلسفہ اور اخلاق میں عربوں کی تصانیف کی مثال دوسری زبانوں میں نہیں مل سکتی۔

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ المجمع العلمی العربی ج ۴۔ (۲) رسالۃ المقتبس ج ۲۔

Marfat.com

شعوبی عرب مصنفین اور ان یورپین مؤلفین کی کتابوں پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں جنہوں نے عربوں کے ساتھ انصاف برتا ہے مگر جب وہ فتنہ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو علمائے محققین معتبر اسناد سے ان کی تردید کر کے ان متعصبوں کی تفرقہ انگیز آواز کو بے اثر اور ان دجالوں کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیتے ہیں، ایک شعوبی لکھتا ہے کہ ''اسلام کی فطرت فنا پذیر ہے، وہ ایک عمارت تو بناتا ہے لیکن اس کی حفاظت کرنا نہیں جانتا، اس کے احساسات متحرک ہیں اس کے باوجود صدیاں گذر جانے کے بعد بھی وہ پرانی بدوی زندگی کی بندشوں کی حفاظت اور تمدن سے گریز کرتا ہے مگر نئے آلات وایجادات سے بھی فائدہ اٹھاتا ہے، اسلام نے ہم مغربیوں کی دل میں مختلف قسم کے جذبات ومقاصد پیدا کیے ہیں''(۱) ایک مدت تک مشہور فرانسیسی ادیب لیوتی کا مسلمانوں کی جانب بڑا میلان رہا، اس نے اپنی تصانیف اور روزمرہ کی زندگی میں ان کے متعلق نہایت اچھے خیالات ظاہر کیے ہیں اور ترکوں کی جانب سے مدافعت بھی کی ہے، ابنہارڈ پر اسلام کا اتنا اثر تھا کہ وہ قریب قریب مسلمان ہو گیا تھا لیکن پھر جب اس نے فرانس کے نامور ادبا تھارووڈ برادرس کی کتابیں پڑھیں تو اس کے خیالات بدل گئے، یہ دونوں فرانسیسی ادیب بھی ایک زمانہ تک اسلام کے بڑے حامی رہے اور اپنی تصانیف ''عربی عہد'' ''اشقودرہ (البانیہ) میں جنگ'' ''دمشق کا راستہ'' رباط فتح یا چند گھنٹے مراکش میں'' ''رباط اور مراکش'' ''فاس اور شہری اسلام میں'' میں اسلام کے متعلق بڑے اچھے خیالات ظاہر کیے ہیں، ابنہارڈ کا بیان ہے کہ ''تھارووڈ برادرس بیس سال سے اسلام پر جو کتابیں لکھ رہے تھے اس کے مقابلہ میں ان کی آخری تصنیف میں ان کے خیالات بدلے نظر آتے ہیں اور وہ کبھی کبھی اسلامی تہذیب کے عیوب ونقائص کو دیکھ کر ان پر تنقید کرنے اور ان کا مضحکہ اڑانے لگے'' پھر کہتا ہے کہ ''اسلام ایک گرم خطہ میں پیدا ہوا اس لیے وہ شعر وخیال اور جمود وتعطل کا مذہب ہے، وہ موجود جلد حاصل ہونے والی اور زوال پذیر چیزوں سے لطف اندوزی اور بقا ودوام کے مقصد سے ناواقف اور قضا وقدر کے عقیدہ میں مشہور ہے، ان عقائد نے اس کو

La Rveue Mondile-(۱)

Marfat.com

ایک خوفناک تباہ کن مذہب بنادیا ہے(۱) ایک عربی کا تصور ذہن میں اس بچہ کی شکل میں آتا ہے جو دریا کے کنارے ریت کا گھروندا بناتا ہے، یا اس نقاش کی طرح جو اندھیرے کمرے کی تزئین و آرایش میں اپنی آنکھیں پھوڑتا ہے، یا اس زرباف کی طرح ہے جو سنہرے اور روپہلے تاروں سے ایسا ٹکڑا بنتا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں۔

یہ شعوبی اسلام پر تعصب اور عدم رواداری کی تہمت لگاتا ہے کہ "ایک مسلمان اپنے مذہب کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں سے مانوس نہیں ہوتا اور وہ مغربی تہذیب کا دشمن ہے" یہ باتیں اغراض نفسانی کی بنا پر کہی گئی ہیں، ان جھوٹے دعوؤں کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں دی ہے، یہ فریب آمیز اور غیر ذمہ دارانہ باتیں ہیں اور ان میں بدیہیات کا انکار کیا گیا ہے، فرانس کا سب سے بڑا شخص لیوتی جو واقعی مشرق کا واقف کار ہے اپنے ایک مقالہ (۲) کے آخر میں لکھتا ہے کہ "ایک گروہ کا اپنے خاص اغراض کی بنا پر یہ گمان ہے کہ اسلام تخریب و بربادی، انتشار و بد نظمی اور تعصب کی تعلیم دیتا ہے لیکن میں نے اسلام کے متعلق محض کتابی معلومات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مشرق میں ایک مدت تک مسلمانوں کے ساتھ رہ چکا ہوں اور اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ان خیالی باتوں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

اگر اس بے عقل، متعصب اور جامد شعوبی کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا کہ اسلام اپنے مخالفوں کے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے اور کسی اجنبی سے مانوس نہیں ہوتا تو اس کے وہ کارنامے جو اظہر من الشمس ہیں نہ انجام پا سکتے، اگر وہ جامد اور متعصب ہوتا تو کم سے کم یہ کرتا کہ اپنے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو باقی نہ رہنے دیتا، اہل یورپ کے شدید دینی تعصب کے کارنامے ہماری نگاہوں کے بھی سامنے

---

(۱) اسلام کے متعلق یہ خیالات تو اسلامی تعلیمات کے بالکل ضد ہیں، اس کی تو خاص تعلیم یہی ہے کہ مادی زوال پذیر اور فانی چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں اور ان سے صرف بقدر ضرورت تعلق رکھنا چاہیے ان کو مقصد زندگی نہ بنانا چاہیے اصل مقصد دائمی اور باقی رہنے والی آخرت کی زندگی ہے۔

(۲) رسالہ مارش دی فرانس۔

Marfat.com

ہیں جنہوں نے ایک پوری قوم کی بڑی تعداد کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ یا وہ سواداعظم کا مذہب (عیسائیت) قبول کرے ورنہ اس کو جلاوطن کر دیا جائے، اسپین میں عیسائیوں کی محکومیت قبول کر لینے کے بعد بھی مسلمانوں کو یا عیسائی بنالیا گیا یا جلاوطن کر دیا گیا اور اسپین بالکل ویران ہو گیا، مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں، بلکہ دینی تعصب کی شدت کے زمانہ میں اسی طرح پروٹسٹنٹ عیسائی فرانس سے انگلستان، ہالینڈ اور جرمنی میں جلاوطن کیے گئے جس سے ملک ہزاروں ذہین اور عالی دماغ آدمیوں سے محروم ہو گیا اور مخالفت مذہبی اسباب کی بنا پر ہزاروں آدمی انگلستان سے شمالی امریکہ ہجرت کر گئے، ان کے مقابلہ میں اسلام کا طرز عمل اپنے دور عروج کے بڑے حصہ میں اس کے برعکس رہا، وہ اپنے مخالفوں کے ساتھ بھی احسان وسلوک سے پیش آتا تھا اور ان کو اپنے قریب لانے کی کوشش کرتا تھا اور خود ان سے فائدہ اٹھاتا تھا اور ان کے ساتھ ان کے ہم قوم سلاطین قیصر وکسریٰ سے زیادہ انصاف کرتا تھا، اسلام کی سرزمین میں ان معمولی واقعات کے علاوہ جو عموماً دو مخالفوں میں ہو جایا کرتے ہیں، کبھی ایسی مذہبی جنگ نہیں ہوئی جس کا مقصد اپنے مخالفوں کو مٹانا رہا ہو اور ان معمولی واقعات کو بھی حکام نے فوراً ختم کر دیا اور رعایا کے حقوق اور ان کی آزادی پوری طرح برقرار رکھی گئی، ابن عساکر نے ابن فاتک کی سیرت میں جو جنگ صلیبی کے زمانہ میں دمشق کے فتح کرنے میں شریک تھے، لکھا ہے کہ دمشق پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد جب شہر کے باشندوں میں مکانوں کی تقسیم کی خدمت ان کے سپرد کی گئی تھی تو ذمیوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام کیا گیا کہ ان کو دمشق کے بالائی حصہ میں کر دیا گیا اور مسلمانوں کو زیریں حصہ میں کر دیا گیا تا کہ وہ ذمیوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں، کیا یہ اس قوم کا طرز عمل ہو سکتا ہے جو اپنے مخالفوں کے ساتھ برائی سے پیش آتی ہے، شعوبی اس قسم کے واقعات کو مسلمانوں کی قوت کی کمزوری کا نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن جس زمانہ میں یہ طرز عمل اختیار کیا گیا، اس زمانہ میں مشرق ومغرب کے کسی مذہب کے ماننے والوں اور مسلمانوں کی قوت میں کوئی مقابلہ نہ تھا۔

شام کی معرکہ آرائی کے زمانہ میں جب حمص وغیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا اور جب

Marfat.com

ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لیے دوبارہ اپنی قوت جمع کی اور مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ اس وقت حمص کی حفاظت نہیں کر سکتے تو انہوں نے وہ خراج جو ان سے وصول کر چکے تھے واپس کر دیا اور کہا کہ اس وقت ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے تم خود اپنا انتظام کرو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم جس ظلم وستم کا شکار تھے ان کے مقابلہ میں تمہاری حکومت اور تمہارا انصاف ہمارے لیے رحمت ہے، اس لیے ہم بھی تمہارے حاکم کے ساتھ مل کر ہرقل کی فوجوں کا مقابلہ کریں گے، یہودیوں نے توراۃ کی قسم کھا کر کہا کہ جب تک ہم مغلوب نہ ہو جائیں اس وقت تک ہرقل کے حکام شہر میں داخل نہیں ہو سکتے۔(۱)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کسی شخص کے دروازے کے سامنے سے گذرے، وہاں ایک ضعیف نابینا ذمی بھیک مانگ رہا تھا، عمرؓ نے اس سے پوچھا تم کس اہل کتاب سے تعلق رکھتے ہو، اس نے کہا، یہود سے، پوچھا بھیک کیوں مانگتے ہو، کہا جزیہ ادا کرنے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے، یہ سن کر حضرت عمرؓ اس کو اپنے گھر لائے اور اسے کچھ دیا لیا اور بیت المال کے خزانچی کو لکھ بھیجا کہ آئندہ سے اس یہودی اور اس کے جیسے دوسرے نادار ذمیوں کا خیال رکھو، خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کے شباب اور توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور جب وہ بوڑھے اور ناکارہ ہو جائیں تو ان کو چھوڑ دیں، کلام مجید کے اس حکم ''اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ'' (التوبہ ۹: ۶۰) میں فقرا سے مراد مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب ہیں اور اس یہودی اور اس کے جیسے تمام دوسرے ضعیف و نادار ذمیوں کا جزیہ ختم کر دیا۔(۲)

ایک مرتبہ لبنان کے کچھ ذمیوں نے عباسی خلیفہ سے بغاوت کی، یہاں کے حاکم یا فوجی افسر صالح بن علی عباس نے بغاوت فرو کرنے میں ناکردہ گناہ لوگوں پر بھی زیادتیاں کیں، اس پر امام اوزاعی نے ان کو لکھ بھیجا کہ ''لبنان کے جن ذمیوں کو جلاوطن کیا گیا ہے اس میں ایسے

(۱) فتوح البلدان و کتاب الخراج امام ابو یوسف۔

(۲) کتاب الخراج قاضی ابو یوسف۔

Marfat.com

لوگ بھی ہیں جو باغیوں کے ساتھ نہیں تھے، اصل باغیوں میں سے کچھ لوگوں کو تم نے قتل کیا اور کچھ کو ان کے دیہاتوں میں پھر آباد کیا ہے، ایسی حالت میں مجرموں کے جرم کے بدلہ میں عام نا کردہ گناہ نہیں پکڑے جاسکتے اور ان کو ان کے وطن اور مال ومتاع سے محروم نہیں کیا جاسکتا، خدا کا حکم ہے کہ ایک کا بار دوسرے پر نہیں ڈالا جاسکتا اور خدا کے احکام کی پابندی ہم پر فرض اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا لحاظ رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا تو قیامت کے دن میں اس کا حامی و وکیل ہوں گا۔(۱)

حافظ نے لکھا ہے کہ مسلمان یہودیوں کی بہ نسبت عیسائیوں پر زیادہ مہربان تھے، اس لیے کہ عیسائی لباس، سواری اور کھیل کود سب چیزوں میں مسلمانوں کی تقلید کرتے تھے حتیٰ کہ حسن، حسین، عباس اور علی جیسے نام اور ایسی ہی کنیتیں رکھتے تھے، اس لیے مسلمان ان کی جانب زیادہ مائل ہوئے اور عیسائیوں نے زنار باندھنا چھوڑ دیا جو لوگ باندھتے بھی تھے وہ کپڑے کے نیچے، ان میں سے بہتیرے ذی مرتبہ اور صاحب مقدور عیسائیوں نے جزیہ دینا تک چھوڑ دیا تھا اور جن کو مسلمان برا کہتے تھے ان کو وہ بھی برا کہتے تھے اور جن کو وہ مارتے تھے ان کو یہ بھی مارتے تھے عیسائی مسلمانوں کے ساتھ اس قدر رل مل اور ان کے رنگ میں رنگ گئے تھے اور مسلمان کو ان سے اتنا لگاؤ ہو گیا تھا کہ ہمارے قضاۃ اور عوام، جاثیق، اسقف اور مسطران (۲) کا خون حضرت علی، عباس اور حمزہ علیہم السلام کے خون کے برابر سمجھتے تھے، سلاطین کے بہت سے کاتب بادشاہوں کے فراش اور اشراف و معززین کے طبیب عیسائی تھے۔

مسلمانوں کے دور عروج میں ان کی رواداری کے اس قسم کے واقعات میں شعوبی محض ضد کی وجہ سے شک کرتے ہیں، حالاں کہ کسی قوم نے اپنے شباب وعروج کے زمانہ میں اس تحقیق

(۱) فتوح البلدان بلاذری۔

(۲) عیسائیوں کے مذہبی پیشوا اور مذہبی عہدے۔

Marfat.com

سے جو عربوں کا خاص حصہ ہے، موافق اور مخالف دونوں پہلو نہیں تحریر کیے ہیں، معلوم نہیں الجزائر یونیورسٹی کے استاد گوتھر کی اس تحریر کے متعلق ان شعوبیوں کی کیا رائے ہے کہ ''یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ عرب فاتحین میں رواداری کی فضیلت بدرجۂ اتم موجود تھی جس کی امید ایک نئے مذہب کے حاملوں سے نہیں کی جاسکتی، عربوں نے اس دین پر انتہائی سختی سے عمل کے زمانہ میں بھی کبھی خون سے اپنے مذہب کے حریف دین کو بجھانے کا تصور نہیں کیا''(۱) ایک اور ممتاز اور روادار عالم کا اس سے بھی زیادہ عجیب یہ بیان ہے کہ ''سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ اسلامی حکومتوں میں بڑے بڑے غیر مسلم عہدہ داروں کی کثرت تھی، اس کی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اسلامی ملکوں اور شہروں میں عیسائی عہدہ دار حکومت کرتے تھے، تیسری صدی ہجری میں دو مرتبہ عیسائی وزیر جنگ تک ہوئے اور فوجی افسروں کا جو دین کے محافظ تھے، وزیر جنگ کی دست بوسی کرنا اور اس کے احکام ماننا فرض تھا اور دفاتر میں تو عیسائی منشی اور کلرک چھائے ہوئے تھے۔

ذمیوں کے ساتھ خلفاء راشدین، اموی اور عباسی خلفا اور عام مسلمانوں کا یہی طرز عمل تھا، ان تمام ملکوں کے خلفا و امرا کا جہاں اسلام کا علم نصب تھا، ذمیوں کے ساتھ یہی سلوک تھا وہ خلفا تک جو مذہبی تعصب میں مشہور تھے، ذمیوں کو اپنا راز دار بناتے تھے اور اپنے دل کی باتیں تک ان پر ظاہر کر دیتے تھے، مہمات امور ان کے سپرد کرتے تھے، اپنی حرم تک کے بارہ میں ان پر اعتماد کرتے تھے، ان کے مدارج بڑھاتے تھے، ان پر احسانات کی بارش کرتے تھے، ایسی رواداری و مسامحت یورپ کے بعض ملکوں میں مدتوں کی جنگ اور ایک مخلوق کی انتہائی خونریزی کے بعد اب جا کر کچھ دنوں سے پیدا ہوئی ہے۔

جب مامون نے بغداد میں علم و فن کی اشاعت کا ارادہ کیا تو ہر مذہب و ملت کے تین سو علما کو جمع کر کے یہ ہدایت کی کہ وہ اپنے اجتماع میں خواہ وہ مسلمانوں کا ہو یا غیر مسلموں کا قرآن کی آیات اور انجیل و تورات کو دلیل میں نہ پیش کیا کریں اور نہ اپنے مناظروں میں کسی مذہب سے

Gaulier: Moewiret Coulumo-der-musulmans-(۱)

Marfat.com

بحث کریں (۱) اس کے قبل ہارون رشید نے تمام مدارس کا نگراں یوحنا بن ماسویہ عیسائی کو بنایا تھا، دولت عباسیہ کے دوسرے شہروں میں مدارس کا انتظام کبھی یہودیوں اور کبھی نسطوریوں کے سپرد رہا، ڈریپر کے بیان کے مطابق قرطبہ، غرناطہ اور اندلس کے دوسرے بڑے شہروں کی یونیورسٹیوں کا انتظام زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھوں میں تھا، چوتھی صدی ہجری میں بغداد کی تباہی کے بعد جب عضدالدولہ دیلمی نے دوبارہ اس کو آباد کیا تو اپنے عیسائی وزیر نصر بن ہارون کو عیسائیوں کے گرجوں اور ان کی خانقاہوں کی تعمیر اور ان میں مقیم فقراو مشائخ میں روپیہ تقسیم کرنے کا حکم دیا، اتنی مثالوں کے بعد اس باطل کے بارہ میں کیا کہا جائے گا جس سے مخالفین حق کو پامال کرنا چاہتے ہیں۔

پچھلے قریبی دور میں بڑی بڑی مغربی قوموں کی زبانوں میں انسانی مذاہب کے موضوع پر چند کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے بیشتر کتابوں میں علانیہ یا مخفی طور سے اسلام پر نکتہ چینی کی گئی ہے، حیرت ہے کہ اس بیسویں صدی میں بھی تہذیب ترقی نہ کرسکی، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ابوریحان بیرونی پانچویں صدی ہجری میں ہندوستان کے مذاہب پر ایک کتاب (۲) لکھتا ہے اور کسی مذہب کے ماننے والے کے جذبات کو ٹھیس نہیں لگاتا اور جب کسی مذہب کے بارہ میں لکھتا ہے تو ان کے شعائر دینی کا اس طرح ذکر کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے وہ خود ان کا پیرو ہے اور ہمارے زمانہ کے مغربی علما اپنی تحریروں میں دوسرے اہل مذاہب کے بارہ میں حقیقت سے کس قدر دور ہٹ جاتے اور کتنی غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور تنہا سواد اعظم کے دین (عیسائیت) کا راگ گاتے ہیں، افسوس ہے کہ اس زمانہ کی تہذیب و ترقی بھی دلوں کا کھوٹ نہ دور کرسکی اور مسلمان اکابر اور ان کے واجب التعظیم بزرگوں تک کا تذکرہ بھی بڑی نفرت و کراہت سے کیا جاتا ہے اور جب مسلمان قوم پر گفتگو ہوتی ہے تو محض وہم و خیال سے ان کی تصویر بنائی جاتی ہے، اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے دور عروج کے عرب مصنفین بھی اپنے مخالفوں کا تذکرہ پورے احترام

---

(۱) اس لیے کہ اس قسم کے مناظروں سے اختلاف، تفرقہ اور بدامنی پیدا ہوتی ہے۔

(۲) کتاب الہند۔

Marfat.com

کے ساتھ کرتے ہیں، ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطبا، ابن قفطی کی تاریخ حکمائے اسلام اور ابن الساعی کی الجامع المختصر، مسلمانوں کی رواداری کی نہایت روشن مثال ہیں، ان مصنفوں نے صابی، یہودی، سامری، مجوس اور یعقوبی علما کے حالات اسی طرح لکھے ہیں جس طرح مسلمان علما کے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی ملت کے فرزند ہیں، اس کے مقابلہ میں اس ترقی اور روشن خیالی کے دور میں جو اپنی رواداری کے لحاظ سے بہترین زمانہ تصور کیا جاتا ہے، جب رومن کیتھلک یا پروٹسٹنٹ تک ایک دوسرے کے حالات لکھتے ہیں تو وہ دوسرے کی مخالفت اور عیب نمائی کرتے ہیں، حالاں کہ دونوں ایک ہی سرچشمہ کی سوت اور ایک ہی کتاب کے ماننے والے ہیں۔

دوبے عقل شامی اور مصری شعوبی: ان شعوبیوں میں شام کا ایک مسخرہ اور خیال پرست شعوبی ہے جو شامیوں کو تعلیم دیتا ہے کہ ''وہ اپنی نیتیں صاف کریں اور اپنے اجداد کے مفاخر اور اسلامی حکومتوں کو بھول جائیں جن کی عظمت و بزرگی کے ترانے وہ گایا کرتے ہیں'' آج تک کسی عاقل نے کسی قوم کو اپنی تاریخ بھلانے کی تعلیم نہیں دی، بلکہ ہر قوم اپنی تاریخ گو خواہ وہ کتنی طویل ہو پڑھتی اور یاد رکھتی ہے، کیوں کہ تاریخ قوت عمل کے لیے مہمیز کا کام دیتی اور اپنے اجداد کے ناتمام کاموں کی تکمیل پر ابھارتی ہے اور ان کی اچھی باتوں کو اختیار اور بری باتوں کو ترک کیا جاتا ہے، مغربی امریکہ کی بعض جمہوریتوں نے خاص اس غرض سے اپنی تاریخ مرتب کی ہے کہ اس سے اس کی ترقی میں مدد ملے گی اگر اس مصنوعی فلسفی سے کہا جائے کہ وہ اپنی جماعت سے ہمارے لیے کوئی نمونۂ عمل شخصیت پیش کرے جس کی ہم پیروی کریں تو وہ نہیں پیش کر سکتا اور صرف اس جواب پر اکتفا کرے گا کہ اسلام میں کوئی قابل ذکر شخصیت پیدا نہیں ہوئی اور ان شخصیتوں پر بھی بہتان طرازی کرے گا جن کی خوبیوں پر تمام قوموں کا اتفاق ہے، مثلاً صلاح الدین ایوبی شوقی نے ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا ہے:

مثل القوم نسوا تاريخهم ۔۔۔ كلقيط عي من الناس انتسابا (۱)

اس قوم کی مثال جو اپنی تاریخ بھلا دیتی ہے اس لقیط کی طرح جو کسی جانب اپنے کو منسوب نہیں کرتا۔

---

(۱) لقیط وہ مولود بچہ جو راستہ میں پڑا ہوا ملے اور اس کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو۔

Marfat.com

ان شعوبیوں میں ایک مصری بھی ہے اس کا خیال ہے کہ ''اسلام ایک بدوی مذہب ہے، تعیش سے کراہت اور توحید کے عقیدہ میں شدت اس کی خاص خصوصیت ہے، موجودہ وہابی اس کا صحیح نمونہ ہیں، ابتداء میں عربوں نے اپنا واسطہ صرف قرآن تک محدود رکھا تھا، یونانی ادب کی کوئی چیز ترجمہ نہیں کی، ان میں بدوی روح اس قدر سرایت کیے ہوئے تھی کہ فنون لطیفہ سے بالکل بے تعلق رہے، کیوں کہ بدوی تعیش اور تہذیب وتمدن کی تمام چیزوں کو فطرۃً ناپسند کرتا ہے، وہ صحرا میں زندگی بسر کرتا ہے جہاں تعمیر، مصوری اور نقاشی وغیرہ تمدنی فنون کی ضرورت نہیں پڑتی، اس لیے اسلام میں بت تراشی کے ساتھ مصوری بھی حرام کردی گئی اور موسیقی صرف مدہوشوں کی دلچسپی کا مشغلہ رہ گیا، مصوری سے ذوق جمال کو فائدہ پہنچتا ہے اور ڈرامہ سے اجتماعی زندگی کی تنقید کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے، اصلاح کا شعلہ روشن رہتا ہے اور قوم میں ترقی اور آگے بڑھنے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے، ہم کو مشرق کے ساتھ جو عصبیت ہے وہ درحقیقت مشرق سے زیادہ قدامت کے ساتھ ہے اور قدامت کے ساتھ یہ وابستگی محض اس بنا پر ہے کہ ہم کو یہ سننا گوارا نہیں کہ ہماری تہذیب یورپ کی تہذیب کے مقابلہ میں پست ہے۔

یہ شعوبی کہتا ہے کہ ''ہم کو عربوں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہم کو ان کے تمدن کے مطالعہ کی ضرورت ہے، وہ ہماری قوت شباب کو کمزور کرتا اور عربوں کی قوت کو ابھارتا ہے، اس لیے ہمیں عربوں کو بھی قدیم عربی طرز تحریر کے بجائے نئے مصری اسلوب کا عادی بنانا چاہیے اور قدیم فصیح عربی کو اسی حیثیت سے پڑھنا چاہیے جس حیثیت سے ہم آشوری اور بابلی وغیرہ قدیم زبانوں کو پڑھتے ہیں اور نابغہ اور متنبی کی زبان کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے جس نظر سے روسی اور اطالوی زبانوں کو دیکھتے ہیں، عربی نہ ہماری زبان ہے اور نہ اس سے ہم کو کوئی فائدہ پہنچا، ہم نے صرف عربوں کے الفاظ لیے ہیں ان کی زبان نہیں لی، بلکہ الفاظ بھی سب نہیں بلکہ تھوڑے سے لیے ہیں جن لوگوں کو اس زبان کا تجربہ ہے وہ قاسم امین اور لطفی سید کے اس مشورہ کو بالکل صحیح سمجھیں گے کہ قدیم فصیح عربی کے بجائے عامی مصری زبان استعمال کرنا چاہیے'' اس شعوبی کا یہ بھی خیال ہے

Marfat.com

کہ ''مشرقیت کا تعلق اور مذہب کا رابطہ لغو اور مہمل ہے، صحیح اور حقیقی رابطہ یہ ہے کہ ہم یورپین تمدن میں ضم ہو جائیں، اسی کے طور طریقے اختیار کریں، اپنی لڑکیاں ان سے بیاہیں اور ان کی لڑکیوں سے ہم شادیاں کریں اور ان کی ہر چیز کی نقل وتقلید کریں اگر ہمارا مصر، ایشیا، مشرق اور عربی تاریخ سے گلوخلاصی چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ فرعونی وطنیت اختیار کرے جو مصر اور اس کی تاریخ کے اندر محدود ہو، اس کو فرعونی تمدن کا مطالعہ کرنا چاہیے جو اس کے لیے عرب تمدن سے زیادہ مفید ہے، عربی آثار کا اسی حیثیت سے ہم کو مطالعہ کرنا چاہیے، جیسے فنقی آثار کا جنہوں نے ترقی یافتہ قوموں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے وہ اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں دنیا کی کوئی قوم خواہ وہ ایشیائی ہو یا غیر ایشیائی اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے قدیم اور ماضی سے تعلق منقطع نہ کرلے'' یہ اس مصنوعی فلسفی کے خیالات کا خلاصہ ہے لیکن اگر ہم اس سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ خود اپنے تعمیری عناصر اور اپنی مقدس چیزوں کو جن سے وہ بے تعلقی ظاہر کرتا ہے چھوڑ دے تو بڑی سختی سے انکار کرے گا اور ان کو سینے سے چمٹائے رہے گا۔

یہ مصری شعوبی ناصح مشفق کی طرح سواد اعظم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں کیوں کہ وہ خوش حالی کو پسند نہیں کرتا مگر وہ یہ کہتے وقت عربوں کی خوش حالی وغیرہ کے ان کارناموں کو بھول جاتا ہے جس سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں وہ فنون لطیفہ میں عربوں کی توجہ سے صرف اس لیے انکار کرتا ہے کہ صحرا میں ان کو اس کی ضرورت نہیں تھی اور اس کو وہ فراموش کر دیتا ہے کہ عرب سب کے سب بادیہ نشیں نہیں ہیں، عرب اور اعراب (بدوی عرب) دونوں میں فرق ہے، انتہائی جاہلیت کے زمانہ میں بھی عرب کی دو قسمیں تھیں، ایک بادیہ نشیں دوسرے شہری، دمشق، بغداد، فسطاط، قرطبہ اور غرناطہ کے عربی تمدن کے بادیہ نشینوں نے نہیں بلکہ شہری عربوں نے بنایا تھا اور ان کے زمانہ کے حالات اور ان کے مذہبی عقائد نے جس حد تک ان کو اجازت دی اس حد تک انہوں نے تمدنی فنون کی خدمت میں بھی کمی نہیں کی، گو عربوں میں ڈرامہ نہیں تھا لیکن ان کی اجتماعی زندگی میں ہمیشہ تنقید کی روح موجود رہی اور ہر زمانہ میں ایسے بلند پایہ

Marfat.com

نقاد تھے جو زندگی کے ہر شعبہ کی بغیر کسی تعصب اور بدویت کے تنقید کرتے رہے۔

یہ مشورہ کہ عرب اپنی تاریخ بھلا دیں اور ایشیا کا خیال چھوڑ کر زندگی کے ہر شعبہ میں اہل یورپ کی نقالی کریں، نہایت لغو اور مہمل ہے دنیا کی کسی قوم نے بھی آج تک یہ طریقہ اختیار نہیں کیا حتی کہ جاپان تک نے جس کی یورپ زدگی کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، اپنی بت پرستی تک کو نہیں چھوڑا اور یورپ کے صرف مادی اصولوں کو اختیار کیا ہے، باقی اپنے اور تمام رسوم وروایات محفوظ رکھے ہیں، عربوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصل زبان چھوڑ کر عوام کی زبان اختیار کریں، اس مشورہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان کے سیاسی رابطہ کی طرح لسانی رابطہ بھی توڑ کر ان کا شیرازہ منتشر کر دیا جائے، مشرق کی اسلامی حکومتوں (۱) اور مغرب کی عیسائی سلطنتوں نے عربوں پر جتنی سختیاں بھی کی ہیں اس پوری مدت میں صرف قرآن ہی کی زبان نے ان کو بچایا ہے، اس شعوبی نے اپنی تائید میں ان دو آدمیوں (۲) کی رائے پیش کی ہے جس سے اس کے گمان میں اس کی تائید ہوتی ہے، حالاں کہ ان دونوں نے خود اپنی کتابیں فصیح عربی میں لکھی ہیں، اگر وہ عامی زبان میں لکھتے تو وہ تصنیف ہونے کے ساتھ ہی مر جاتیں، اسی طرح ہمارے ایک فاضل (۳) کا یہ دعویٰ ہے کہ جمال الدین افغانی نے اس سے کہا تھا کہ اگر عرب علم، فلسفہ اور صنائع کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے بجائے صرف ہومر کی الیڈ کے ترجمہ پر اکتفا کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا، اس بیان میں یقیناً کوئی نہ کوئی تدلیس ہے، جمال الدین افغانی کے یہ خیالات نہیں ہو سکتے۔

مازنی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ''عوامی زبان کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اس کے قواعد منضبط و مستحکم نہیں ہیں اور وہ کوئی مستقل زبان نہیں ہوتی، حتی کہ مصر تک میں وہ ایک

(۱) اس سے مراد غالباً ترک ہیں، ترکوں کے علاوہ بھی بعض حکومتوں نے عربوں کے حقوق کی پامالی کی ہے، خود عباسی خلافت کے دور میں جو عرب تھی اس کے عجمی حکام کے ہاتھوں عربوں پر زیادتیاں ہوتی رہیں۔ (مترجم)

(۲) اس سے مراد قاسم امین اور لطفی سید ہیں جن کی رائیں اوپر گذر چکی ہیں۔

(۳) الیڈ کے مترجم سلیمان بستانی۔

Marfat.com

زبان نہیں ہے بلکہ مختلف مقامات اور وہاں کے باشندوں کے حالات، ان کی شہریت و بدویت کے لحاظ سے عوامی بولی بدلتی رہتی ہے اور ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتی ہے اور تعلیم کی جتنی اشاعت اور فصیح زبان سے جتنی واقفیت ہوتی جاتی ہے اتنی ہی عوامی بولی فصیح زبان سے قریب تر ہوتی جاتی ہے اور طلبہ جو زبان بولتے ہیں وہ فصیح عربی زبان سے زیادہ مشابہ اور اس سے قریب ہوتی ہے اور حرکات و اعراب کے علاوہ اس میں اور کوئی نقص نہیں ہوتا، یہ کس قدر احمقانہ بات ہوگی کہ ایسی عوامی زبان کو جس کے نہ قواعد منضبط ہیں، نہ اس کو کوئی ثبات و قرار ہے اور نہ اس کی کوئی تاریخ ہے، فصیح زبان پر ترجیح دی جائے۔

اس شعوبی کی رائے یہ کہ ''تمام مشرقی اور مذہبی رشتے ختم کر دیئے جائیں اور اصلی رشتہ یہ ہے کہ ہم یورپ میں فنا ہو جائیں، فرعونی تمدن کو اپنائیں، عربی تمدن سے زیادہ اس کا مطالعہ کریں اور عربی زبان اور عربی تہذیب کو آشوری تہذیب اور اطالوی اور روسی زبان کے درجہ میں کر دیں'' ہذیان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اگر اس قسم کی باتیں ابتدائی مدرسہ کے بچوں کے سامنے کہی جائیں تو وہ بھی ان کو سن کر ہنس دیں گے اور اس کو لغو اور خرافات سمجھیں گے، ہم اس فرعونی مصری اور اس کے ہمنواؤں کے اس قبیل کے خیالات کو خرافات سے زیادہ وقعت نہیں دیتے، فرعونی دعوت شروع ہونے کے ساتھ ہی ختم ہوگئی جو لوگ ہر چیز میں تجدید اور ہر قدیم اور مفید چیز کو مٹانے کی دعوت دیتے ہیں وہ قوموں کے طبائع اور ان کی ترقی کی تاریخ سے ناواقف ہیں اور خود بھی گمراہ ہیں اور دوسرے کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں، اس مضحکہ انگیز بنے ہوئے لبنانی فلسفی کے دعووں کا بھی یہی حال ہے، ایسے لوگ محض اس لیے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تا کہ وہ عرب کے بجائے مغربی کہلائیں اور اس لیے ایسی تنقیدیں کرتے ہیں کہ ناقد اور جدت طراز سمجھے جائیں، اگر وہ اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور عقل کو محکم بنائیں تو ان کی جھوٹی، باطل اور نفرت انگیز باتوں پر ان کو خود ہنسی آجائے گی، ان کی باتیں بظاہر بہت میٹھی اور پسندیدہ لیکن درحقیقت نہایت تلخ ہوتی ہیں۔

Marfat.com

تیسرا باب

متعصب شعوبی اور منصف مزاج اشخاص

مخالفین کے بیانات پر تنقید اور مختلف قوموں پر بحث: بعض لوگوں کی فطرت اس قسم کی ہوتی ہے کہ اگر ان کو کسی شخص سے بغض ہوتا ہے تو اس کے تمام اوصاف حتی کہ بعض مسلمہ صفتوں کے بھی منکر ہو جاتے ہیں، بعض کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی ایک فرد یا چند افراد سے ناراض ہوتے ہیں تو اس کی پوری قوم سے برہم ہو جاتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں کہ اگر ان کو کسی ایک شخص سے شکایت ہوتی ہے تو اس کے پورے اہل ملک کو برا کہنے لگتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو کسی چیز کی محض اس لیے تحقیر کرتے ہیں کہ وہ ان کے طریق عمل کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتی یا ان کا ذوق اس کے اسرار کا ادراک نہیں کر سکتا اور اس کے حقائق تک وہ نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے وہ اس کے بارہ میں اپنے ہی مسلک کو صحیح اور درست اور دوسروں کی عقل نے جو باتیں پیدا کی ہیں ان کو وہ بالکل بے حقیقت سمجھتے ہیں، یہ پرانی مثل ہے کہ ''جو شخص خود کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے اور کسی چیز کی محبت اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے'' تمام انسانوں کی فطرت خواہ کسی سرزمین سے ہوں تقریباً یکساں ہے اور غالباً وہ آئندہ بھی ذاتی جذبات وخواہشات کے پھندے سے آزاد نہ ہو سکیں گے، بجز اس صورت کے کہ خدا انسانوں کی خلقت بدل دے تو شاید ان کی روحیں اور ان کی خواہشوں کے محرکات بدل جائیں۔

Marfat.com

ابھی پچھلے دور میں ایک شعوبی نے مفکرین اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے(۱) جس میں اپنی محدود معلومات کے مطابق مسلمان اکابر کا حال تحریر کیا ہے، اس موضوع پر یا تو اس کی معلومات بہت محدود ہیں یا اس نے صرف اپنے مطلب کی باتیں لے لی ہیں اور باقی کو چھوڑ دیا ہے، اس نے مسلمانوں کی تہذیب کا سہرا دوسری قوموں یا جو لوگ منافقانہ مسلمان بنے تھے یا غیر مسلموں یا ان ملحدوں کے جو اسلامی جماعت سے نکل گئے تھے، سر باندھا ہے اور کتاب کے خاتمہ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ عربوں میں بھی اچھی خصوصیات تھیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ ان کی سرزمین کے اثرات کا نتیجہ ہیں، اسلام کی تاثیر کو اس میں کوئی دخل نہیں، چنانچہ سلسلہ تحریر میں وہ لکھتا ہے کہ ''اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض خصوصیات مرز بوم کے اثر سے پیدا ہوتی ہیں، مذہب کو ان سے تعلق نہیں ہوتا، مثلاً قضا وقدر کا عقیدہ، غور وفکر کا مادہ، شعر وفلسفہ کا مذاق، فنی احساس کی لطافت، راحت وسکون کی جانب میلان، قانونی استعداد، فصل مقدمات میں ذہانت وذکاوت وغیرہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، ان میں سے بہت سی چیزیں اب مغرب میں بھی مقبول ہو رہی ہیں، اس مشینی دور، اس کے شور وغوغا، حرکت واضطراب اور اس سے پیدا شدہ بے چینی کو ہر شخص پسند نہیں کرتا، اس قسم کا تصور مادی مذہب اور کسب دولت میں ہمارے اہل ملک کے انتہائی انہماک کے بارہ میں بھی ہے اور ہم میں سے بہتیرے ان چیزوں سے گھبرا گئے ہیں اور ہماری روح ایک ایسی سادہ زندگی کی متلاشی ہے جس میں انسان سکون وسلامتی کی دولت سے متمتع ہو سکے، محض حرکت واضطراب اور دائمی کشمکش انسانی سعادت کا ذریعہ نہیں ہے، ہمارے علمی درجہ نے مشرق پر ہمارے کچھ حقوق قائم کر دیے ہیں لیکن ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ اس استحقاق کی بنا پر ہم اپنے مطالبات میں حدود سے آگے نہ بڑھیں اور مشرقی قوموں کی اچھی خصوصیات اور اس کے اعلیٰ نمونوں کا انکار نہ کریں اور ان کے ملکوں کے حسن وجمال، ان کے سکون اور شانتی اور ان کی رونق کو جس میں اگرچہ کچھ سیاہ دھبے بھی ہیں، ان کے لیے چھوڑ دیں، گو ہم مادی قوت اور علوم وفنون کے

Carradevaux:der Penseuradel'Idam-(۱)

Marfat.com

ذریعہ مشرق کو مغلوب کر سکتے ہیں لیکن اگر ہم ان کے ساتھ عاقلانہ روش اور حسن معاملت کا طریقہ اختیار کریں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے"۔

یہ باتیں معقول ہیں اور ان میں کسی قدر انصاف سے کام لیا گیا ہے لیکن مصنف نے عربوں کی امتیازی خصوصیات کو تنہا سرزمین کی جانب منسوب کرنے میں غلطی کی ہے، اسلام کی جانب اس کا انتساب اس پر شاق گذرا، اس کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ مسلمانوں کے تمدن کا بڑا حصہ غیر عربی عناصر کا پیدا کردہ ہے، اس نے اس نکتہ کو فراموش کر دیا کہ ایرانی، قبطی، سریانی اور رومی قوموں کے جو لوگ مسلمان ہوئے انہوں نے عربی درسگاہوں میں تعلیم پائی اور ان ہی کی زبان ان ہی کا مذہب، کلچر اور عادات واطوار سیکھے، اس لیے اگرچہ ابن سینا، غزالی، بیرونی اور رازی وغیرہ علما، نسلاً عجمی تھے لیکن اپنی تعلیم وتربیت اور نشوونما اور کلچر میں عرب تھے، اسی طریقہ سے جاحظ، ابن رشد، ابن خلدون اور ابن ازہر وغیرہ گو نسل اور کلچر کے اعتبار سے عرب تھے لیکن اپنے مرتبہ اور دنیاوی دولت ووجاہت میں مذکورہ بالا علما سے کم نہ تھے، جزیرۃ العرب جیسے کم آبادی رکھنے والے ملک میں دنیا کے بڑے بڑے فاتح اور حاملین شریعت پیدا ہوئے جن کے وسیع مفتوحہ ملکوں کا نظام چلانے کے لیے لاکھوں آدمیوں اور بہت سے علوم کی ضرورت تھی، اس لیے عربوں نے جو حکمراں قوم سے تھے اپنے کو امور مملکت کے لیے مخصوص کر لیا اور عجمیوں نے علم وتہذیب کی اشاعت میں ان کی مدد کی۔

آج یورپ میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو خالص ایک ہی نسل کے آدمیوں پر مشتمل ہو، فرانسیسی قوم میں خالص فرانسیسیوں کے علاوہ بہت سے پولش، اطالوی، انگریز اور جرمن نسل کے آدمی بھی ہیں، اسی طریقہ سے ان میں سے ہر قوم دوسری نسل کے آدمیوں سے مخلوط ہے، حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی تربیت کا فرزند ہے جس کے اثرات اس پر حاوی رہتے ہیں، ایک فرانسیسی مفکر کا بیان ہے کہ "ہم اپنی تاریخ، اپنے آداب وتہذیب وعلوم وفنون کے بڑے حصہ میں ان اجنبی لوگوں کے مقروض ہیں جن کا ہماری نسل سے کوئی تعلق نہیں تھا، شینہ شاعر رومن نسل کا تھا، رونسار ہنگرین

Marfat.com

تھا، بول فالیری، مرابو اور گالینی کی طرح اطالوی نسل کا تھا، اسی طریقہ سے قرقسہ کے تمام بڑے بڑے لوگوں میں نپولین سے لے کراس کے بعد تک سب غیر فرانسیسی نسل کے تھے، برگسان فلسفی اور ٹرسٹان برنار جو فرانسیسی سمجھے جاتے ہیں، دراصل یہودی النسل تھے، ہنری ہین یہودی النسل جرمن تھا، اگر تلاش و تفتیش سے کام لیا جائے تو بعض شاہی خانوادے بھی دوسری نسلوں سے تھے، چنانچہ اٹلی کے بادشاہ کا تعلق فرانس کے سافو خاندان سے ہے۔

''المفکرین فی الاسلام'' کا مصنف اپنے خیالات کے لحاظ سے شکریہ کا مستحق ہے، اگرچہ وہ صحیح راستہ سے تھوڑا سا ہٹ گیا ہے، تاہم وہ ان لوگوں میں نہیں ہے جو اسلام کے بارہ میں بلا تخصیص عام حکم لگا دیتے ہیں جس کو منطق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، مثلاً ایک مصنف لکھتا ہے۔

> ''اسلام شعلہ نہیں بلکہ شعلہ کو بجھانے والا تھا جو ایک وحشی قوم کے لیے ایک وحشی (نعوذ باللہ) کے دل سے نکلا تھا اور وہ ہمیشہ تمدن کا ساتھ دینے سے قاصر اور جہاں جہاں اس کا اقتدار رہا، تمدنی ترقی میں حائل رہا اور اس نے انسانی سوسائٹی کا گلا گھونٹ دیا۔(۱)

ان خرافات سے زیادہ حماقت، بدی اور فتور عقل کی باتیں اور کیا ہوں گی، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ''متمدن انسان'' اس کا انکار کس طرح کر سکتا ہے کہ اس بربری کی عقل نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اس کے اعمال جلیلہ کی بنا پر اس کا شمار تاریخ کے سب سے بڑے انسان میں ہوتا ہے اور اس کی بربری قوم کی کشور کشائی اور اس کے تمدنی کارناموں پر بڑی بڑی قومیں حسد اور اس کی ترقیوں اور کمالات پر بڑے بڑے عقلا اور حکما رشک کرتے ہیں۔

فرانسیسی، اطالوی، برطانوی اور روسی علما کے خیالات: لیبان کہتا ہے کہ ''اس میں

---

(۱) An der Servier: L'Idamdt lo Prychologieedu musulman musulman-

(۲) Gustavele Bon: Laprycholgie Polilque-

Marfat.com

شک نہیں کہ یورپین اقوام تہذیب و تمدن پھیلانے میں ماہر ہیں لیکن روم کے عہد سے مسلمان ہی تنہا وہ قوم تھے جو صحیح معنوں میں علم و تمدن کے حامل تھے اور وہی تنہا دوسری قوموں کے نئے عناصر میں تمدن کے اصلی مواد یعنی مذہب، تعمیرات اور صنعت و حرفت پھیلانے میں کامیاب ہوئے'' اسی سلسلہ میں لیبان سوال کرتا ہے'' کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ ہم بتائیں کہ عرب اور تنہا عرب ہی وہ تھے جنہوں نے ہم کو یونانی اور لاطینی دنیا کا پتہ بتایا اور یورپ کی تمام یونیورسٹیاں جس میں پیرس یونیورسٹی بھی ہے، چھ سو برس تک ان ہی کی کتابوں کے ترجموں پر زندہ رہیں اور علمی بحث و نظر میں ان ہی کا طریقہ اختیار کیا، تاریخ میں سب سے زیادہ حیرت خیز و تعجب انگیز چیز عربی تمدن ہے'' اسی کا بیان ہے کہ'' آدمی جس قدر غور و تامل سے عربی تمدن کا مطالعہ کرے گا، اسی قدر نئی باتیں اس کے سامنے آئیں گی اور دنیا اس کی نگاہوں میں وسیع ہو جائے گی اور اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ قرون وسطیٰ عربوں ہی کے ذریعہ پرانی قوموں سے واقف ہوا اور مغرب کی یونیورسٹیاں پانسو برس تک محض عربی کتابوں کے بل بوتے پر زندہ رہیں اور عربوں ہی نے یورپ کو مادی، عقلی اور اخلاقی حیثیت سے متمدن بنایا اور جب کوئی شخص عربوں کے کارناموں اور ان کے علمی اکتشافات کا مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ ایک قلیل مدت میں جس میں عربوں کی حکومت پیدا اور ختم بھی ہوگئی، انہوں نے جو نتائج پیدا کیے وہ کوئی قوم نہ کر سکی اور جو شخص بھی ان کی صنعت و حرفت اور علوم و فنون پر نظر ڈالے گا تو اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوگا کہ ان میں ایک خاص امتیازی ملکہ تھا جو دوسری قوموں میں نہیں تھا، مغرب پر ان کا بڑا اثر پڑا لیکن مشرق پر ان کے اس سے بھی زیادہ اثرات ہیں، دنیا کی کسی قوم میں بھی اثر اندازی کی یہ قوت نہیں تھی، اشوری، ایرانی، مصری، یونانی اور رومی وغیرہ جو جو قومیں ان کی محکوم تھیں ان سب کے آثار مٹ گئے اور ان کے مذہب، زبان اور فنون کے تذکرہ کے علاوہ ان کا بہت کم نشان باقی رہا، عربوں پر بھی زوال آیا لیکن ان کے تمدن کے اہم عناصر یعنی مذہب اور فنون اب تک زندہ ہیں'' اسی مصنف کا قول ہے کہ ''سب سے پہلے عربوں ہی نے دنیا کو بتایا کہ'' دین پر استقامت کے ساتھ خیال کی آزادی کس

Marfat.com

طرح جمع ہوسکتی ہے" کارلائیل کہتا ہے کہ "وہ قوم جو صحرانوردی کی زندگی بسر کرتی تھی اور صدیوں گمنام رہی، نبی عربی (صلعم) کے ظہور کے بعد علوم و معارف میں ساری دنیا کی قبلۂ امید بن گئی اور اپنے نبی کے ذریعہ اتنی شوکت وقوت حاصل کرلی کہ ایک صدی کے اندر پورا کرۂ ارض اس کی عقل اور اس کے علوم سے پرنور ہوگیا"۔

یہ ہے وہ اسلام اور یہ ہیں اس کے کارنامے جس نے "ایک متمدن مصنف" کے بقول انسانی اجتماع کا گلا گھونٹ دیا اور تمدن کو ہر جگہ مفلوج کردیا اور وہ ایک وحشی قوم کے لیے نعوذ باللہ ایک وحشی کے دل سے پیدا ہوا تھا۔

بوترولون (۱) نے فرانس کو یہ مشورہ دیا ہے کہ "وہ اہل تونس کو ایسے رنگ میں رنگ دیے کہ وہ اپنے قدیم یعنی عربوں کی حکومت سے پہلے کے اوضاع واطوار اختیار کرلیں، عربوں نے ان کو جو قانون دیا وہ ایک راعی نے رعایا کے لیے بنایا تھا اور ان کی شریعت کا کسی متمدن سوسائٹی کے مزاج سے جیسے کہ آج ہیں مطابقت کرنا دشوار ہے اور تونس میں شہری نظام، آرٹ اور فنون لطیفہ، تعمیرات وہندسہ وغیرہ کے جو پرانے آثار باقی ہیں، وہ جیسا کہ عام خیال ہے، عربوں کی ایجاد نہیں ہیں بلکہ ان کے پہلے تمدن کی یادگار ہیں جو عرب فاتحین کے زمانہ میں ان کے بے نتیجہ اعمال کی بدولت برباد ہوگئے"۔

اس قسم کے اور بھی خرافات ہیں ہم ان سب کی نقل اور تردید میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتے، فرانس کا ایک مؤرخ ادبی کلود فارير (۲) لکھتا ہے کہ "جنگ پواٹیہ میں عربوں کی شکست نے مغربی تمدن کو آٹھ صدی پیچھے ہٹا دیا، اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہوگئے ہوتے تو اسی زمانہ میں اپنا تمدن مغرب میں لے آتے اور اہل مغرب کی انتہائی جہالت کا زمانہ اتنا طویل نہ ہوتا"۔

---

(۱) ملاحظہ ہو رسالہ المقتبس ج ۲۔

(۲) جرجی زیدان کے ناول "ناول" کا مقدمہ از فارير۔

Marfat.com

سنوف (۱) کا بیان ہے کہ ''جنگ صلیبی سے بچنا آسانی سے ممکن تھا لیکن جہالت مذہبی وسیاسی اوہام پرستی اور پاپائیت کی مصلحتوں نے اس کو برباد کرنے میں مدد دی''۔

لامنس لکھتا ہے کہ ''مشہور غالی سپہ سالار فرسنجتوریس پر قیصر کی فتح یابی میں ہماری کوئی خوش بختی نہیں تھی اور ہم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ اگر چارلس مارٹل ۱۱۰ھ میں عربوں کو آگے بڑھنے سے نہ روک دیتا تو انسانیت کتنے مصائب وآلام اور نئے نئے قسم کے جرائم سے بچ جاتی اور وہ بلند تہذیب جس کے عاملین کو صلیبی مجاہدین غم وغصہ کی حالت میں تحقیراً بھنگیڑے، کفار اور بت پرست کے لقب سے یاد کرتے تھے، مغربی یورپ میں فرنگی اور رومن تہذیب پر بہت پہلے اثر انداز ہو چکی ہوتی''۔

مشہور اطالوی عالم (۲) لوبیجے رینالڈی اٹلی اور اسپین میں مسلمانوں کے کارناموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ایک ایسی قوم جس کی یہ تہذیب اور جس کے ایسے آثار اور قابل فخر کارنامے ہوں اس کی مستحق ہے، بلکہ ہم پر فرض ہے کہ ہم اس کے ان احسانات کو جو اس نے گذشتہ زمانہ میں ہم پر کیے تھے نہ بھولیں یہ سمجھنے سے ہماری فہم قاصر ہے کہ اس بلند مرتبہ عربی قوم کے بارہ میں جس نے تمدن کے راستہ میں بہت سے نشانات چھوڑے ہیں اور جو انسانیت کی خدمت اور امداد واعانت کے بڑے وسائل اپنے ساتھ لائی، ایک کلمہ خیر بھی سننے میں نہیں آتا، عربوں کو ان کے رتبہ سے گرانے کی کوشش اور ان کو ان کا اصلی مرتبہ ومقام دینے میں جس کے وہ بجا طور سے مستحق ہیں، وہی شخص بخل کرسکتا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہے، انہوں نے ایسی اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھیں کہ ان سے محبت کرنا ہر انسان کا فرض ہے، میری طرح دوسرے منصف مزاج لوگوں کے لیے بھی یہ بات بڑی تکلیف دہ ہے کہ ہم یورپیوں میں اب بھی ایسے افراد موجود ہیں جو محض اپنی جہالت اور سوءظن کی بنا پر عربوں کی تحقیر کرتے اور ان کو اپنی قوم سے پست سمجھتے ہیں اور ہم

---

(۱) Mare Semenoff: Hirtoier de Rusrie-

(۲) رسالۃ المقتطف ج ۵۹۔

Marfat.com

میں 'عربی' کا لفظ ہی غیر متمدن کا مرادف ہو گیا ہے جو یقیناً افترا اور احسان فراموشی ہے، اگرچہ آج یہ قوم اپنے بلند درجہ سے گر گئی ہے لیکن اب وہ اپنے اندر وہ عجیب و غریب اوصاف اور بے نظیر ذکاوت و ذہانت رکھتی ہے جس سے ہر ترقی یافتہ طالب علم متصف ہوتا ہے، ہم میں عربوں کی فراست، طبعیات میں ان کی دقت نظر اور سرعت فہم کی یاد برابر تازہ رہتی ہے، ہم کو علم و معرفت کا جو درجہ بھی حاصل ہوا ہے وہ ان ہی کا طفیل ہے، اس لیے ہم اپنے دلوں میں اب بھی ان صحرازادوں کے ساتھ مہر و محبت کے جذبات محسوس اور گذشتہ زمانہ میں انہوں نے ہم پر جو عظیم الشان احسانات کیے ہیں، اس کا ذکر ہم شکر گذاری اور منت پذیری کے ساتھ کرتے ہیں، موجودہ زمانہ میں ان کی ترقی میں مدد دینا ہمارا فرض ہے، تاکہ وہ اپنا اصلی مقام جس کے وہ درحقیقت مستحق ہیں پھر حاصل کرلیں اور وہ بھی ہماری تہذیب سے جس کے وہ ایک زمانہ میں موجد تھے اور اس کو ترقی دینے میں پیش پیش رہ چکے ہیں، فائدہ اٹھانے میں برابر کے شریک ہو جائیں''۔

عربی تمدنوں پر بحث: بعض مصنفین عربوں اور اسلام کے متعلق ایسی باتیں لکھتے ہیں جو بظاہر تو ان کے احترام کے خلاف نہیں ہوتیں اور ان سے ان کا استخفاف ظاہر نہیں ہوتا لیکن در پردہ اس میں پنہاں ہوتے ہیں، مثلاً بعض امریکن مؤرخین کی یہ تحریر کہ ''اسلامی ملکوں کے انتہا پسند لوگوں کا رجحان یہ ہے کہ محمد ﷺ کی بعثت کے پہلے کی ہر چیز گویا ہماری موجودہ دنیا کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے لیے مخصوص تھی، اس لیے وہ زیادہ اعتنا کی مستحق نہیں ہے'' درحقیقت یہ صرف ان چند اشخاص کی رائے ہے جو اسلام کی تاریخ کے ہر پہلو کے محقق اور ثابت شدہ ہونے کی وجہ سے اس میں پوری بصیرت رکھتے ہیں، اسی کے ساتھ وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ قدیم اقوام کی تاریخ کے آثار کا ابھی تک پورا انکشاف نہیں ہوا ہے اور اس کی تلاش و تحقیق کا سلسلہ برابر جاری ہے اور اس کے متعلق نئی نئی اور نامعلوم باتیں معلوم ہوتی رہیں گی (۱)، اپنی تاریخ سے عربوں کے شغف کے

(۱) یہاں عبارت ذرا گنجلک ہو گئی ہے، مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اسلام اور عربوں کا زمانہ تاریخی دور کا ہے، ان پر بیشمار کتابیں لکھی گئی ہیں، اس لیے ان کی تاریخ کا ہر پہلو بالکل واضح، غیر مشتبہ اور یقینی ہے، ان کے (اگلے صفحے پر)

Marfat.com

یہ معنی نہیں ہیں کہ ان کو یہ دعویٰ ہے کہ تمام قوموں میں سب سے پہلے ان ہی کی تاریخ لکھی گئی، یا وہ تمدن کے پہلے موجد ہیں، انہوں نے یہ دعویٰ بھی کبھی نہیں کیا کہ وہ اپنی تہذیب آسمان سے لے کر اترے تھے، بلکہ وہ صرف یہ کہتے ہیں جس کو انہوں نے عملاً بھی ثابت کر دیا ہے کہ انہوں نے مختلف پرانی قوموں کی تہذیبوں کو لے کر اپنی استطاعت کے مطابق اس میں اضافہ کیا اور اس کو پوری امانت کے ساتھ جدید متمدن قوموں تک بھی دیا۔

اس قسم کی بظاہر نرم لیکن درحقیقت نہایت سخت گوڈ فرداڈ موبین (۱) کی یہ رائے ہے جس میں اس نے صحیح تاریخ کو مسخ کیا ہے کہ ''اسلام کی اس انتہائی تاخت و تاراج نے جس سے بڑھ کر تصور میں نہیں آسکتی اور اس سے حاصل شدہ مال غنیمت نے عربوں کو اتنا مدہوش کر دیا کہ وہ بعض چیزوں کے اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے، مثلاً بنی امیہ مکہ کے تاجر تھے ان میں مالی معاملات کرنے کا فطرۃً نہایت اچھا سلیقہ تھا، اس لیے انہوں نے صرف مال غنیمت اور خراج کی تحصیل وصول سے سروکار رکھا اور مفتوحہ قوموں کو ان کے بیزنطینی اور ایرانی قوانین کے مطابق اپنے اوپر حکومت کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا''۔

اس سے مصنف کا مقصد یہ ہے کہ اموی تاجر تھے اور اپنی تجارت کے فروغ کے لیے انہوں نے دوسرے ملکوں کو فتح کیا تھا اور تاجر کا مقصد صرف حصول دولت ہوتا ہے، اس کو انتظام مملکت سے علاقہ نہیں ہوتا، اس لیے اموی فاتحین کو صرف اپنی تجارت سے شغف رہا اور انہوں نے مفتوحہ ملکوں کے باشندوں کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اپنے لیے جو طریقہ حکومت پسند کریں اس کو اختیار کریں لیکن مصنف نے اس کو فراموش کر دیا کہ یہ تاجر (بنی امیہ) زمانہ جاہلیت میں بھی امرا تھے،

(پچھلا صفحہ) مقابلہ میں تاریخی زمانہ سے پہلے کی قوموں کی تاریخ کا مدار اثری اکتشاف پر ہے جو ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہیں اور ان کی تلاش و تحقیقات کا سلسلہ برابر جاری ہے اس لیے عربوں کی مسلمہ اور یقینی تاریخ کے مقابلہ میں ان کی تاریخ ظنی یا کم از کم اتنی یقینی نہیں ہے اس لیے بعض مسلمان مؤرخین نے ان کی جانب زیادہ اعتنا نہیں کیا۔

(۱) کتاب التاریخ المؤرخین۔

Marfat.com

ان میں حکومت اور مجد و شرف پشتہا پشت سے چلا آتا تھا، ان ہی تاجروں نے مشرق میں چین اور مغرب میں اندلس تک مذہب کا جھنڈا بلند کیا اور اپنے تمدن اور زبان کو اس طرح پھیلا دیا کہ مؤرخین اس کو دنیا کے حیرت انگیز واقعہ سے تعبیر کرتے ہیں، حدیث نبوی میں ہے کہ ''انسان بھی کان کی طرح ہیں ان میں سے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بہتر تھے وہ اگر عقل سمجھ سے کام لیں تو زمانہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے''۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں خاندان قریش میں فوج کی سپہ سالاری کا عہدہ امیہ بن عبد شمس (بانی خاندان بنی امیہ) کے ہاتھوں میں تھا، اس لیے ان کی اولاد کو ہر زمانہ میں فوجی اور سیاسی تنظیم میں بصیرت حاصل رہی۔(۱)

عربوں کو اس بات پر ملامت نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے جن ملکوں کو فتح کیا ان میں ایک طرح کی ڈماکریسی کی داغ بیل ڈال دی، یعنی اس کے باشندوں کے اخلاق اور ان چیزوں سے جو ان کے مناسب حال ہوں واقفیت حاصل کر کے ان کو ان کے معاملات میں آزاد چھوڑ دیا اور اپنی حیثیت صرف مقتدر اعلیٰ تک محدود رکھی۔

لیبان کا بیان ہے کہ ''عرب عقل و دانش میں جدید سیاست کے بہت سے بڑے آدمیوں سے بہتر تھے، وہ اس نکتہ سے پوری طرح واقف تھے کہ ایک قوم کے اوضاع و اطوار بعینہٖ دوسری قوم کے لیے مناسب نہیں ہیں، اس لیے ان کا اصول یہ تھا کہ وہ مفتوحوں کو اس کی پوری آزادی دے دیتے تھے کہ وہ اپنے ملکی قوانین، رسم و رواج، عادات و خصائل اور عقائد کو قائم رکھیں۔

مشہور امریکی عالم لوتھراب استوڈارڈ (۱) لکھتا ہے کہ ''عرب کبھی بھی لوٹ مار اور تباہی و بربادی پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کے برعکس ایک بلند اخلاق اور پسندیدہ خصلت قوم تھے، تحصیل علم کے بڑے شائق اور ان تہذیبی نعمتوں کے جو ان کو گذشتہ تہذیبوں سے ملی تھیں، بڑے

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لفظ امیہ۔

(۲) حاضر العالم الاسلامی۔

Marfat.com

محسن تھے پھر جب فاتح مفتوح قوم میں عقیدہ کی وحدت کے ساتھ ازدواج کا سلسلہ قائم ہو گیا تو دونوں بہت گھل مل گئے اور اس اختلاط سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی جو یونانی، رومانی اور ایرانی تہذیب کا مجموعہ اور ان کی مجدد تھی، اس نے عربوں میں ایک نئی روح پیدا کر کے ان کو سرسبز و شاداب کر دیا اور عربی عبقریت اور اسلامی روح نے ان عناصر کو اس طرح آپس میں ملا دیا کہ وہ باہم جذب ہو کر ایک قالب بن گئے اور بڑی رفعت و ترقی حاصل کی اور ابتدائی تین صدیوں (۶۵۰ سے ۱۰۰۰ء) تک اسلامی ملکوں کی حالت ہر حیثیت سے ترقی پذیر رہی اور وہ تہذیب و ترقی اور آبادی کے لحاظ سے ہر ملک سے بہتر تھے، وہ بڑے بڑے بارونق شہروں، آباد اور معمور پایۂ تختوں، عالی شان مسجدوں اور منظم علمی یونیورسٹیوں سے آراستہ و مزین تھے اور ان میں قدما کی حکمت اور علوم کے خزانے پوری شان سے تاباں تھے، ان صدیوں میں اسلامی مشرق برابر نصرانی مغرب پر نور افشانی کرتا رہا اس کے بعد اس آسمان کے تارے ڈوب گئے اس پر شب تار چھا گئی اور اس کا دور ظلمت شروع ہو گیا۔

مختلف خطوں کے اسلام اور اسلام و نصرانیت پر بحث: عربی تہذیب کے بارہ میں بعض مغربی مصنفین کی سنجیدہ رائیں اور ان کے خرافات وہ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، اس کے باوجود ہم بعض مصنفین سے اس لیے حسن ظن رکھتے اور ان کے غیر منصفانہ فیصلوں کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ انہوں نے بعض خطہ کے مسلمانوں کے بعض تہذیبی مظاہر کو دیکھ کر اور اس کو موجودہ زمانہ کے تمدن سے کمتر پا کر ابتدائی دور کے اسلام اور بعد کے زمانہ کے اسلام، مشرق کے اسلام اور مغرب کے متعلق ایک عام حکم لگا دیا، حالاں کہ یہ معلوم ہے کہ وسط افریقہ اور مشرق و مغرب میں اسلام کے اثرات و مظاہر مختلف ہیں، اسی طریقہ سے قرون اولیٰ کا اسلام قرون وسطیٰ اور موجودہ زمانہ کے اسلام سے اور عربی حکومتوں کا اسلامی عجمی حکومتوں کے اسلام سے مختلف ہے، بلکہ مختلف خطوں اور قوموں میں اسلام کے اثرات و مظاہر مختلف ہیں، اس لیے اگر آج کسی مسلمان قوم میں کوئی بڑی کمزوری پیدا ہو گئی ہے تو اس کا سبب مذہب اسلام نہیں، بلکہ اس میں اس قوم اور اس کے ماحول کا

Marfat.com

قصور ہے، قانون رجعت اور بڑے اجتماعی عوامل کے اثرات سے مسلمان بھی مستثنیٰ نہیں، اس لیے مسلمانوں کی کمزوری کا الزام اسلام پر رکھنا صحیح نہیں ہے، اس قسم کا مشاہدہ عیسوی مذہب میں بھی کیا جاسکتا ہے، چنانچہ پاپائیت کے دور کی عیسائیت دینی اصلاح کے زمانہ کی عیسائیت سے بالکل مختلف ہے، اسی طریقہ سے ابتدائی دور کی اور بعد کے زمانہ کی عیسائیت میں بڑا فرق ہے اور مشرقی ومغربی اور شمالی وجنوبی یورپ اور شمالی اور مغربی امریکہ کی عیسائیت میں بھی اختلاف ہے جو بالکل فطری ہے، اس لیے کہ سارے موجودات میں نشوو ارتقا کا سلسلہ جاری ہے اور اس پر ہر ملک کے حالات اور اس کے ماحول کا اثر پڑتا ہے۔

آخری دور میں بعض مسلمان قوموں کے زوال وانحطاط کو دیکھ کر مغرب کے بعض علمائے اجتماعیات کو مسلمانوں کے مذہب اور ان کے تمدن اور ان کی تاریخ سے بدگمانی پیدا ہوگئی ہے جو صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ انحطاط کے اسباب وعوامل دوسرے ہوتے ہیں، جن کو مذہب سے زیادہ علاقہ نہیں ہوتا، ان پر ہم آئندہ ابواب میں بحث کریں گے، مذہب اسلام اور اس کے تمدنی قوانین ومسائل تحریری شکل میں قلم بند اور مدون موجود ہیں اور منصف مزاج ان کو تنقید کی کسوٹی پر جانچ کر صحیح فیصلہ کرسکتا ہے، زیادہ افسوس اس پر ہوتا ہے کہ ان مسائل پر لکھنے والے بعض اوقات بت پرست تہذیب (۱) کے احترام اور اس کی عظمت وتوقیر میں محض اس لیے انتہائی مبالغہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے گمان کے مطابق ان کے ملک میں ان کے اجداد کے ہاتھوں پیدا ہوئی اور پھر مختلف عوامل کے اثرات سے مٹ بھی گئی لیکن اسلاف پرست قومیں اب تک اس کا راگ اس طرح الاپتی رہتی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی توحید سے زیادہ سودمند اور بتوں کی پوجا خدائے واحد کی عبادت سے زیادہ ترقی میں معاون ہے اور جن لوگوں نے بت پرستی کرکے انسانی شرف کی تحقیر کی وہ انسانیت کا احترام کرنے والوں سے زیادہ بہتر تھے اور جنہوں نے اخلاق کو بگاڑا وہ اس کے سنوارنے والوں سے زیادہ مؤثر تھے اس کو کوئی عقل سلیم بھی قبول نہیں کرسکتی۔

(۱) اس سے مراد رومن تہذیب ہے۔

Marfat.com

بعض شعوبیوں پر یہ گراں گذرا کہ عربوں کی جانب کوئی اچھی خصلت بھی منسوب کی جائے اس لیے انہوں نے ان کو ان فضائل سے بھی محروم کردیا جو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں مسلم چلے آتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اگرچہ عربوں کی فضیلت کے معترف ہیں لیکن ان پر بھی اس کا اعتراف شاق ہے کہ عربوں نے تہذیب وتمدن کی خدمت کا پورا حق ادا کیا ہے، ان میں چارلس کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، گو وہ بڑا عالم ہے لیکن عربوں کی تاریخ اس کا خاص موضوع نہیں ہے، چنانچہ وہ لکھتا (۱) ہے کہ ''جب قرون وسطیٰ کی تاریکی نے ہر چیز کو اپنے منحوس سایہ سے ڈھانک لیا تو غریب علم عربوں کی پناہ لینے پر مجبور ہوگیا'' ''پناہ لینے پر مجبور ہونے'' سے عربوں کا استخفاف ظاہر ہوتا ہے، حقائق کی بحث میں اس قسم کا انداز بیان مناسب نہیں ہے، جب تک عربوں کے کارنامے زندہ ہیں وہ آفتاب نصف النہار کی طرح چمکتے رہیں گے، ابن سینا اور رازی کی کتابیں صدیوں یورپ کی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی رہیں، قانون ابن سینا یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصاب سے اٹھارہویں صدی میں نکالا گیا ہے، عربوں کی پناہ لینے پر علم کی کون سی ذلت ہوئی، انہوں نے نہ صرف اس کو پناہ دی بلکہ اس کی میزبانی کا پورا حق ادا کیا، خود اس سے فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔

عربوں کو ایسی تہذیب کی اشاعت میں کس طرح ملامت کی جاسکتی ہے جس نے تو قز کے بقول اسپین کے عربوں کو ایک صدی کے اندر اس درجہ پر پہنچادیا جہاں تک پہنچنے میں یورپ کو صدیاں لگ گئیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''تھوڑے ہی دنوں میں وہ بربری (اسپین) پہنچ گئے جو علم وفن میں بہت سی عیسائی قوموں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اور مسلمانوں کے دور میں اسپین کو اتنا فائدہ پہنچا کہ ان کے بعد پھر کسی زمانہ میں نہیں پہنچا اور اہل مغرب کو طوعاً کرہاً اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ عرب جس طرح جنگی صنعتوں کے ماہر تھے اسی طرح امن وسکون کے دور کی صنعتوں میں بھی ان کو مہارت تھی۔ (۲)

---

(۱) Charler Richel:Caracterer de cetempr- (۲) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

Marfat.com

بعض شعوبیوں کا یہ دعویٰ کہ "اسلام مانع ترقی ہے اور جس قوم نے اس کو قبول کیا اس پر زوال طاری ہو گیا" حقائق کے خلاف ہے اور تاریخی شواہد اس کی تردید کرتے ہیں، یورپ عیسائی مذہب قبول کرنے کے ایک ہزار سال بعد تک وحشت و بربریت کی تاریکی میں گھرا رہا اور اس کی جہالت اور اس کا انحطاط اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ دسویں صدی کے شروع میں کل سو عربوں نے اٹلی اور سوئزرلینڈ کا ایک حصہ فتح کر لیا، ان کے پہاڑوں اور دروں پر قبضہ کر کے یہاں قلعے اور برج تعمیر کیے اور ان اطراف کے حکمرانوں سے لڑائیاں کیں اور پوری ایک صدی تک ان قلعوں اور برجوں کے حاکم رہے اور ان ملکوں کے باشندوں کو ذلت و خواری کا مزا چکھاتے رہے، درآنحالیکہ ان نو آباد عربوں کی تعداد کبھی ایک ہزار سے زیادہ نہیں ہوئی........اس لیے اگر اس زمانہ میں یورپ کی وحشت و بربریت کا سبب دین مسیحی نہیں تھا تو آج کے مسلمانوں کے زوال کا سبب اسلام کو کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔(۱)

مسلمان اور تہذیب و تمدن اور ان کے بارہ میں علماء مغربی کی رائے: مسلمانوں اور عربوں نے دنیا میں جو کارنامے انجام دیے ہیں کیا وہ ان کے موجودہ زوال و انحطاط کے مقابلہ سفارشی نہیں بن سکتے، اگر متعصب شعوبی انصاف سے کام لیں اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کا ان کی ایک صدی قبل کی زبوں حالی سے موازنہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ اسلامی مشرق پچھلے چند دنوں سے پھر ترقی کی اس راہ پر گامزن ہو گیا ہے جس پر صدیوں فائز رہ چکا ہے، رابرٹ شیولٹ فلو لکھتا (۲) ہے کہ "اسلامی مشرق اب رواداری، عقل و دانش، روشنی و ترقی اور اخوت کے راستہ پر گامزن ہے اور اس نے انسانیت عظمیٰ کے طور طریقے اختیار کر لیے ہیں"۔

ایک ایسی قوم جس کا پرانی تاریخ میں وہ مقام اور موجودہ زمانہ میں یہ حال ہو، اس کی مستحق ہے کہ اس کے ساتھ انصاف سے کام لیا جائے، آج بھی بہت سے مسلمان جدید مغربی تہذیب

(۱) حاضر العالم الاسلامی تعلیق شکیب ارسلان۔

(۲)-Rolert Chauvelot: Ouval. Islam

Marfat.com

سے اپنی پسند و ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھانے میں مضائقہ نہیں سمجھتے ،اس رواداری کا سبب یہ ہے کہ وہ اس قوم کی یادگار ہیں جس نے ایک بلند تہذیب پیدا کی تھی، خواہ اس کے دشمن کچھ ہی کیوں نہ کہیں لیکن اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ قدیم رومن تہذیب اور نئے تمدن کی درمیانی کڑی مسلمان ہی تھے۔

آج مشرق میں ایک علمی حرکت اور آگے بڑھنے کا ولولہ ہے اور اس میں صرف تنظیم واتحاد کی کمی ہے، موریس پرانٹ جس نے بہت سے اسلامی ملکوں کی سیاحت کی ہے ، لکھتا ہے(۱) کہ ''مجھے اندازہ ہوا کہ مشرق کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب ان میں تنظیم اور وحدت کلمہ کی کمی ہے، میں جہاں جہاں بھی گیا بیشتر مقامات کے باشندوں میں ذکاوت وحسن خلق وغیرہ صفات حسنہ کے ساتھ ساتھ ان کے طور طریقوں میں نقص اور توازن میں ایسی کمی پائی جو بدنظمی کے قریب ہے''۔

یہ رائے نہایت صائب اور یہ تعریف نہایت صحیح ہے، اس بزرگ اور باعظمت تہذیب کے فرزندوں کو عبرت پذیری نے ہوشیار کر دیا ہے، انھوں نے اپنی کمزوریاں معلوم کر لی ہیں اور وہ خوبیوں میں اپنے پیشروؤں کے برابر ہو جانا چاہتے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب مسلمان ترقی یافتہ قوموں کے ہم دوش ہو جائیں گے، ایک زوال زدہ قوم کے لیے ترقی یافتہ قوموں کے کمالات کو حاصل کرنے کے لیے پچاس سال کی مدت کافی ہے جو ترقیاں دوسری قوموں نے صدیوں کی طویل مشقت کے بعد حاصل کی ہیں، اس کا مغز و جوہر چند برسوں میں حاصل کیا جا سکتا ہے، جاپان کی ترقی اس کا بین ثبوت ہے، البتہ اس کے دوسرے مظاہر کے حصول میں ایک زمانہ لگے گا۔

مسلمانوں کے بارہ میں لیبان کی رائے جس نے اپنی پوری زندگی ان کی تاریخ واجتماعیت کے مطالعہ وتحقیقات کے لیے وقف کر دی تھی (۲) یہ ہے کہ ''روسی اور بلقانی قوموں کے

---

(۱)- Maurice Pernot: Enarie murulmane

(۲)- Gurtuve le Bon: L'evolution actualle du

Marfat.com

مقابلہ میں مسلمانوں میں عموماً اور ترکوں میں خصوصاً ترقی کی زیادہ صلاحیت ہے، بعض مصنفین ان نیم وحشی قوموں کی طرح جو تہذیب و ثقافت سے بالکل عاری ہوتی ہیں، مسلمانوں کو بھی سیاست و تاریخ میں جاہل سمجھتے ہیں، اس قسم کی رائے ان کے ایک بیان میں ملتی ہے جو انہوں نے فرانسیسی اور یونانی بحث کے نام سے شائع کیا تھا، اس میں وہ لکھتے ہیں" خواہ کہنے والے کچھ بھی کہیں لیکن اسلام ہمیشہ مخرب رہا ہے، اس لیے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کے علاوہ کسی علم کو قبول نہیں کرتا، اسلام ایک وحشی اور متعصب مذہب اور ایسی بڑی مصیبت ہے جس میں ایک عالم مبتلا ہوا" یہ رائے نقل کرنے کے بعد لیبان اس پر تنقید کرتا ہے کہ" اس قسم کی عیب چینی کرنے والوں نے یقیناً کبھی اسپین، مصر اور ہندوستان میں مسلمانوں کی نفیس عمارتوں کو نہیں دیکھا ہے اور وہ اسلامی یونیورسٹیوں کے ان عظیم الشان کارناموں سے بالکل ناواقف ہیں جو یورپین تہذیب کی ترقی میں ان کے ہاتھوں انجام پائے، اس کے باوجود وہ لوگ جو نئے ارباب سیاست کے معتمد علیہ ہیں، اپنی کتابوں میں جن سے مسلمانوں کے خلاف دلائل لاتے ہیں، اس قسم کی جاہلانہ باتیں لکھتے ہیں اور جس دن حکومت برطانیہ کا حاکم اعلیٰ مسلمانوں کو یورپ سے نکالنے کا خیال دل میں لائے گا تو اس کے جواز کے لیے اس سے بہتر دلائل مہیا نہیں کر سکتا"۔

اوجین یونگ لکھتا ہے(۱) کہ" عرب باوجودیکہ قابل فخر ماضی رکھتے ہیں، محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں سے پست ہو گئے، جنگی کارناموں میں بھی ان کا ماضی شاندار ہے اور علمی مراتب، صنعت و حرفت اور رفاہ عام کے کاموں میں بھی جس کو یورپ نے قرون وسطیٰ میں جب وہ نیم وحشی تھا، اپنی موجودہ ترقی کا ستون بنایا، غالباً اسلام کے نظام اجتماعی کی قوت کا خطرہ یورپ اور اس کی بڑی بڑی حکومتوں کو لرزہ براندام کیے رہتا ہے، اس لیے کہ اسلامی تعلیمات میں بڑی آزادی ہے، وہ انسانی طبقات کی تقسیم اور ان میں امتیازات کی قائل

(۱) Monde-illurionseteraliter-Eugene Yung: Le reveil de l'Islamet der Arader-

Marfat.com

نہیں ہے اور نہ وہ مسیحی کلیسا کی طرح دینی اقتدار کی دعوت دیتا ہے، اس میں وہ سیاسی فریب بھی نہیں ہے جس کو موجودہ زمانہ کی حکومتوں نے اپنا شعار بنالیا ہے، مسلمانوں کا شعار قلب و روح کی تسخیر ہے اور دنیا میں امن وسلامتی کا ذریعہ ہے اور جو لوگ بھی اس کی مخالفت کریں گے ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

Marfat.com

چوتھا باب

وہ مہمات مسائل جن پر شعوبیوں نے اعتراضات کیے ہیں اور ان کا جواب

رسول اللہ صلعم کی صداقت: متعصب شعوبیوں نے اسلام کے جن اہم مسائل پر اعتراضات یا ان کے متعلق شکوک کا اظہار کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی صداقت، قرآن کی صحت، قضاوقدر کا عقیدہ، تعدد ازدواج، طلاق، پردہ اور غلامی کا جواز، نشہ آور چیزوں، سود اور تصویر کی حرمت، ان میں سب سے اول پہلے مسئلہ پر بحث کی جاتی ہے، اس کے بعد اور مسائل پر گفتگو کی جائے گی۔

ان ظالموں نے سب سے بڑا ظلم رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر کیا ہے، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) کھانے کی زیادتی کی وجہ سے آپ کو صرع کا مرض ہو گیا تھا، کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے سخت قسم کی حرارت پیدا ہو گئی تھی، بعضوں کا خیال ہے کہ کسی عصبی مرض میں مبتلا تھے، یہ سارے شیطانی خیالات ہوائے نفس کا نتیجہ ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق رائے قائم کرنے کی یہ بڑی کٹھن راہ اختیار کی ہے، فرانس کے مشہور مستشرق ماسینون نے یہ ثابت کر کے کہ ''رسول اللہ ﷺ صحت اور عقل و دانش سے بہرہ مند (۱) تھے'' ان بیانات کا پردہ چاک کیا ہے، اس سے پہلے کارلائل نے بھی ان لوگوں کی تردید میں جو رسول اللہ ﷺ کا درجہ گھٹانا چاہتے ہیں لکھا تھا (۲) کہ ''اس زمانہ کے ہر مہذب انسان کے لیے یہ

---

(۱)-Emile Dermenghamlavie demohatd

(۲) ہیروایںڈ ہیرو ورش، کارلائل ترجمہ عربی۔

Marfat.com

نہایت شرمناک بات ہے کہ وہ ان ظنون واوہام کی جانب توجہ کرے کہ (نعوذ باللہ) اسلام جھوٹا مذہب ہے، یا محمد مکار اور فریبی تھے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس قسم کی ذلیل اور شرمناک باتوں کے خلاف جنگ کریں، اس رسول ﷺ نے دنیا کو جو پیغام پہنچایا ہے وہ بارہ صدیوں سے ہمارے ہی جیسے دوسو ملین انسانوں کے لیے جن کو ہماری ہی طرح خدا نے پیدا کیا ہے، سراج منیر کا کام دے رہا ہے، کوئی شخص بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ جس پیغام کے مطابق بے شمار انسان زندگی بسر کرتے رہے اور اسی پر مر گئے، وہ صرف جھوٹ اور فریب ہو سکتا ہے، میں کبھی اس کو باور نہیں کر سکتا اگر جھوٹ اور فریب کو خدا کی مخلوق میں ایسی ہی مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے اور وہ اسی طرح اس پر یقین کر سکتی ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سارے انسان احمق اور مجنوں ہیں اور زندگی محض بے عقلی، تماشا اور گمراہی ہے اور ان کا پیدا نہ ہونا ہی بہتر تھا"۔

کوئی بڑے سے بڑا محبِّ رسول بھی آپ کی دعوت کی صداقت کی اس سے زیادہ منطقیانہ اور بہتر دلیل نہیں دے سکتا۔

مشہور روسی فلسفی ٹالسٹائے کا بیان ہے کہ "اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ خدا کے رسول محمد دنیا کے ان بڑے مصلحین میں تھے، جنہوں نے انسانی سوسائٹی کی بڑی جلیل القدر خدمت انجام دی، ان کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ انہوں نے اخلاقی حیثیت سے ایک گری ہوئی قوم کو نور حق کا راستہ دکھایا، اس کو خونریزی اور انسانی قربانی سے روکا اور اس کے لیے تہذیب وترقی کی راہیں کھول دیں، ایسا عظیم الشان کام وہی انجام دے سکتا ہے جس کو غیبی تائید حاصل ہو اور ایسا شخص بڑی عزت واحترام کا مستحق ہے"۔

ولیم میور اپنی کتاب سیرت محمد میں لکھتا ہے کہ "محمد (ﷺ) کو اپنی باتوں کی وضاحت وصفائی اور اپنے دین کی سہولت وآسانی کے لحاظ سے خاص امتیاز حاصل تھا، انہوں نے ایسے کام انجام دیے جو عقل کو متحیر کر دیتے ہیں، تاریخ میں کوئی ایسا مصلح پیدا نہیں ہوا جس نے محمد کی طرح اتنی مختصر مدت میں انسانوں کو بیدار، اخلاق کو زندہ اور فضیلت کو سربلند کیا ہو"۔

Marfat.com

لین پول کا بیان ہے کہ ''محمد (ﷺ) لطف، کرم، شجاعت اور دوسرے بہت سے محاسن اخلاق سے آراستہ تھے، کوئی انسان بھی جو ان کے بارہ میں رائے قائم کرنا چاہے وہ ان کے ان صفات حسنہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور نہ ان کے اثر سے خالی ہو کر رائے قائم کر سکتا، محمد برسوں اپنے خاندان اور قبیلہ والوں کی دشمنی برداشت کرتے رہے لیکن یہ دشمنی ان کے عزم کی قوت کو کمزور نہ کر سکی، ان کے لطف و کرم کا یہ حال تھا کہ وہ مصافحہ کرنے والوں کے ہاتھ سے خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو، اپنا ہاتھ پہلے علاحدہ نہیں کرتے تھے، وہ جب کسی مجمع کے سامنے سے گذرتے، خواہ وہ مردوں کا ہو یا بچوں کا تو اس کو سلام ضرور کرتے اور اس وقت ان کے لبوں پر ایک شیریں تبسم اور ان کی زبان میں ایک دل آویز نغمہ ہوتا، جو سننے والوں کے دلوں کو مسحور کر لیتا'' اسی لین پول کا بیان ہے کہ ''یورپ کے بہت سے سوانح اور سیرت نگار جنہوں نے محمد (ﷺ) کی سیرت پر لکھا ہے، ان کی سیرت کو بدنما بنانے میں...... افترا بہتان کی آمیزش سے اپنا دامن نہ بچا سکے، مثلاً یہ کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ بڑے سنگ دل، ہلاکت خیز، نفسانی خواہشات میں غرق، فریبی، جھوٹے مدعی نبوت، جفاکار، سفاک و خوں آشام تھے''۔

مونٹیوں نے رسول اللہ ﷺ پر بعض اہل یورپ کی نکتہ چینیوں کی یہ توجیہ کی (۱) ہے کہ ''رسول اللہ کے بارہ میں ایسی سخت و سنگین رائیں محض اس لیے دی گئی ہیں کہ جن مصلحین کے تفصیلی حالات معلوم ہیں ان میں رسول اللہ کی مثال بالکل نادر ہے، انہوں نے اخلاق کی اصلاح انسانی سوسائٹی کے تزکیہ و تطہیر کا جو کام انجام دیا ہے، اس کے لحاظ سے وہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن شمار کیے جانے کے لائق ہیں'' اسی سلسلہ میں وہ لکھتا ہے کہ ''رسول اللہ کے اخلاق اور دینی مضبوطی میں جو ان کے افکار اور پورے وجود میں سرایت کیے ہوئی تھی، کوئی شک و شبہہ نہیں اور انہوں نے دلی جذبہ سے اس کی اصلاح کی دعوت دی''۔

Montet: Del'etat Prerent etde lavenirde,l Islam-(1)

Marfat.com

اٹلی کی ایک مصنفہ کا بیان (۱) ہے کہ "قدیم علمائے مشرقیات میں ولیم میور، اور اسپرنگر اور نئے زمانہ کے علما میں گولڈزیہر، نولدیکی اور کاتیانی وغیرہ نے ایسے تنقیدی طریقے اختیار کیے ہیں جو مسلمانوں کے طریقوں کے بالکل خلاف ہیں، اس کے باوجود محمد (ﷺ) کی امانت کا ان کو اعتراف کرنا پڑا اور انہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ بلاشبہہ وحی کے ذریعہ احکام دیتے تھے لیکن وحی کی جو انہوں نے تشریحیں کی ہیں اور شکلیں بیان کی ہیں ان کو کوئی غیر مسلم ناقد قبول نہیں کرسکتا"۔

ابن حزم کا بیان (۲) ہے کہ عرب تہذیب و تمدن سے بالکل ناآشنا اور کسی کے ماتحت نہیں تھے، مثلاً مضر ربیعہ، ایاد اور قضاعہ کے قبائل اپنے ملکوں کے حکمراں تھے جن میں پشتہا پشت سے حکومت چلی آتی تھی، اس لیے وہ ظہور حق کے ساتھ ہی اس کے تابع فرمان بن گئے اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے اور وہ لوگ جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی سب کے سب آپس میں سگے بھائی کی طرح بن گئے اور ان میں سے جو بھی اپنی حکومت چھوڑ سکا وہ کسی خوف یا مال و عزت کی طمع کے بغیر اپنی رضا و رغبت سے رسول اللہ کے قاصد کے پاس چلا آیا، حالاں کہ اس کی فوجی قوت رسول اللہ کی قوت سے زیادہ مضبوط تھی اور وہ آپ سے زیادہ مال و اسلحہ کے مالک تھے، ان کے شہر بھی آپ کے شہر کے مقابلہ میں زیادہ وسیع تھے۔

اسی طریقہ سے جب اسلام کی صداقت کی نشانیاں عربوں پر ظاہر ہوگئیں اور اس نے اپنے معجزات سے ان کو متحیر کردیا تو سارے عرب نے اسلام قبول کرلیا، ان میں اولیت کا شرف اوس اور خزرج کو حاصل ہوا پھر کل قبائل ایک ایک کرکے اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، اوس و خزرج نے جس شخص (رسول اللہ ﷺ) کی پیروی کی تھی وہ قوم سے نکالا ہوا تن تنہا تھا، اس کی قوم نے حسد کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا، وہ فقیر تھا، مال نہیں رکھتا تھا، بے باپ کا یتیم تھا، اس کے نہ بھائی

---

(۱) Laura Veccia Vaglieri: Apolodgie de Islam-

(۲) الملل والنحل۔

Marfat.com

تھا، نہ بھتیجا، نہ لڑکا، امی تھا، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا، جہل کے ملک میں اس کی نشو ونما ہوئی تھی، اجرت پر اپنی قوم کی بکریاں چرا کر معاش حاصل کرتا تھا، اس بے کس و بے نوا کو کسی معلم کے بغیر علم وحکمت عطا کیا گیا اور جان لینے والوں سے اس کو بچایا گیا۔

جرمن مستشرق میکس مولر لکھتا (۲) ہے ''کہ عنقریب حیرت و دہشت کے ساتھ دنیا کو اس حقیقت کا علم ہو جائے گا کہ محمد (ﷺ) مسیح کے انصار میں تھے اور دین محمدی نصرانیت کی ایک شاخ ہے، اس وقت مسلمان اور نصاریٰ دونوں اس مخاصمت، اختلاف اور دشمنی پر جو مذہب کے نام پر دونوں میں رہ چکی ہے متحیر اور نادم ہوں گے'' یورپ کے بہت سے علما نے اس رائے کی موافقت اور فلاڈیمیر، سولوفیف اور بیٹروف جیسے نامور عقلا اور بلند پایہ مفکرین نے اس کی تائید کی ہے، موجودہ زمانہ کے نامور صاحب قلم انگریز برنارڈ شا کا خیال ہے کہ ''ایک صدی بھی نہ گذرنے پائے گی کہ یورپ بالخصوص انگلینڈ کو اس کا یقین ہو جائے گا کہ اسلام تہذیب صحیح کے لیے کس قدر موزوں ہے'' سارے سچے مذاہب اپنے مغز و جوہر کے اعتبار سے ایک ہیں، سب نیکی، بھلائی اور محاسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور انسانی نظام اجتماعی کے قیام و بقا کے لیے انسانوں کو ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے روکتے ہیں کہ ان کے دلوں سے بغض و عداوت نکل جائے، دوسروں کے قتل، ان کے مال پر غاصبانہ قبضہ اور ان کی آبروریزی کا جذبہ دور ہو جائے، بے کسوں، ضعیفوں، یتیموں محتاجوں کے ساتھ لطف و کرم کا جذبہ اور ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے کنارہ کشی کا احساس پیدا ہو جائے اور ان کو اس کا دھیان رہے کہ ایک دن پھر ان کو لوٹنا ہے جس دن مومنوں اور نیکوکاروں کو ان کے نیک اعمال کا صلہ دیا جائے گا اور بدکاروں کو ان کی بدیوں کی سزا ملے گی، جس سے اجتماعی عمارت کے ستون گرتے ہیں۔

قرآن اور اسلام: متعصب شعوبیوں نے قرآن مجید کا درجہ گھٹانے میں بڑی کوشش کی ہے حالاں کہ وہ عرب نہیں ہیں اور ان میں سے اکثروں کے لیے قرآن کا فہم و تدبر بہت دشوار ہے، اس لیے

(۱) حقوق المراۃ فی الاسلام، احمد اجایف۔

Marfat.com

وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کوئی نظم وترتیب وبتویب نہیں ہے، وہ محض نقل وتقلید ہے، اس میں کھوٹ اور ملاوٹ ہے، وہ فصاحت وبلاغت سے خالی ہے، بعض تو یہاں تک کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ اس میں نحوی غلطیاں اور بیان کی رکاکت ہے، یہ رائیں اس قرآن کے بارہ میں جو عرب کی سب سے بلیغ کتاب ہے، اگر وہ نہ ہوتا تو نہ عربوں کا ادب ہوتا نہ ان کی شریعت ہوتی، قرآن خود کہتا ہے:

كِتَابٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ایسی کتاب جس کی آیات جدا جدا ہیں جو
(حم السجدة ۴۱: ۳) عربی قرآن ہے۔

اس کی معجز فصاحت کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ فصحائے عرب کو خاص طور سے اس کی مثل لانے کی تحدی کی گئی مگر وہ نہ لاسکے اور اگر چہ عربوں میں فصاحت کا بہت بلند مقام تھا، تاہم ان کو بڑے ردوکد کے بعد اس کا اعتراف کرنا پڑا کہ ''قرآن مجید کی عبارت اور اس کا اسلوب بیان، اس کے مسائل اور موضوعوں کے تنوع کے باوجود عربوں کے عام اور مالوف اسلوب تحریر سے بالکل علاحدہ اور ان کے طریق خطاب سے بالکل مختلف ہے، جس سے وہ آشنا تھے، قرآن کا اسلوب خاص ہے اور اس نے عربوں کے رائج اسلوب میں بڑے تصرفات کیے ہیں'' حضرت علیؓ بن ابی طالب کے قول کے مطابق'' اس کو اللہ تعالیٰ نے علما کی تشنگی کی سیرابی، فقہا کے دل کی بہار، صلحا کے چلنے کا راستہ اور جو شخص اس کے ذریعہ بحث کرے اس کی دلیل اور جو مناظرہ کرے اس کا شاہد اور جو اس سے حجت لائے اس کی کامیابی کا وسیلہ، جو اس کو یاد رکھے اس کے لیے علم، جو اس کی روایت کرے اس کے لیے حدیث اور جو اس کے ذریعہ فیصلہ کرے اس کے لیے حکم بنایا''۔

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے اور شدید اختلافی معاملات ومسائل میں اسی کی جانب رجوع کیا جاتا ہے، وہ ایسا بدیہی معجزہ ہے جس سے عقل قوت حاصل کرتی ہے اور مسلمان اس کے ذریعہ بلاخوف وخطر ساری دنیا کا مقابلہ کرسکتے ہیں، وہ اپنے دشمنوں کو بھی اپنے اوپر ایمان لانے اور اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کردیتا ہے، مگر ملحدین کے یہ خرافات صحیح مان لی جائیں جو قطعاً غلط ہیں کہ قرآن مجید محمد بن عبداللہ کی تصنیف ہے، تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ کائنات کے

Marfat.com

سب سے بڑے آدمی ہیں، قرآن نے خود اس کی تردید کی ہے کہ وہ رسول اللہ یا کسی انسان کی تصنیف ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ.

(العنکبوت ۲۹: ۴۸)

اور تم (رسول صلعم) اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اس کو اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہہ نکالتے بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ہماری آیتوں سے صرف ضدی لوگ انکار کرتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا، وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا.

(بنی اسرائیل ۱۷: ۸۸، ۸۹)

(اے محمد) تم کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنالیں تب بھی ایسا نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بن جائے اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اس قرآن میں ہر قسم کا مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیے ہوئے نہ رہے۔

Marfat.com

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَامِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا. اَوْتَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا، اَوْتُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَازَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْتَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا، اَوْیَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْتَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا.

(بنی اسرائیل ۱۷: ۹۰-۹۲)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کردو، یا خاص تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو، پھر تم اس باغ کے بیچ بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں نہ جاری کردو، یا جیسا تم کہا کرتے ہو آسمان سے کوئی ٹکڑا ہم پر نہ گرادو، یا تم اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے نہ لا کر کھڑا کردو، یا تمہارے پاس سونے کا گھر ہو یا ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے آسمان پر چڑھ جانے کو بھی کبھی باور نہ کریں گے جب تک کہ تم وہاں سے ہمارے پاس ایک نوشتہ نہ لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں (اے محمد اس کے جواب میں) تم کہہ دو کہ سبحان اللہ میں صرف ایک آدمی اور پیغمبر ہوں۔

ایک آیت میں ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ (العنکبوت ۲۹: ۵۰)

اور یہ لوگ (کفار) کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کے پاس سے نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں۔

Marfat.com

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ وَ اِنَّمَا اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ.

(العنکبوت ۲۹: ۵۰،۵۱)

ان سے کہہ دو کہ یہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں اور میں تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والا ہوں کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ان کو سنائی جاتی ہے بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے بڑی رحمت اور نصیحت ہے۔

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ قرآن اپنے اعجاز سے موجود لوگوں کے لیے ان لوگوں کے حالات وواقعات سے جن کا نام ونشان مٹ چکا ہے مثالیں بیان کرتا ہے، برائیوں سے روکتا ہے اور وہ مختلف قسم کے ان اعمال پر مشتمل ہے جن کا خدا نے بندوں کو مکلّف بنایا ہے، اس میں اسلام کی پرامن دعوت یعنی جہاد کے قوانین ہیں، شادی، طلاق، نسب اور میراث وغیرہ گھریلو زندگی کی تعمیر کے قواعد ہیں، لوگوں کے آپس کے معاملات کے ضابطے ہیں، حدود وقصاص وغیرہ جرائم کی تعزیرات ہیں، اس طرح اس کتاب میں انسانوں کی ہدایت اور ان کے تزکیہ وتطہیر کا سامان بھی ہے اور انسانی سوسائٹی کے قیام وبقا کے قوانین بھی ہیں اور آخرت کی دائمی یاددہانی بھی ہے، وہ کوئی علمی کتاب نہیں ہے جس میں کیمیا، فلکیات، طبعیات، جغرافیہ اور انسانی تاریخ پر بحث ہو اگر ضمناً ان کے کچھ اشارے پائے بھی جاتے ہیں تو بعض لوگوں کے خیال کے مطابق اس سے یہ دلیل لانا صحیح ہے نہیں کہ قرآن جملہ علوم وفنون پر حاوی ہے، قرآن مجید صرف ایک ایسا قانون ہے جو لوگوں کو تہذیب وتمدن کے لیے تیار کرتا ہے اور ان کو اس زندگی کی یاد دلاتا ہے جس میں اگر پہلی زندگی کے اعمال اچھے ہیں تو مسلمانوں سے جن بھلائیوں کا آخرت میں وعدہ کیا گیا ہے، ان کو پورا کیا جائے گا۔

جان جاک روسو نے اٹھارہویں صدی میں کہا تھا کہ ”بعض لوگ محض معمولی عربی سیکھ کر قرآن پڑھتے اور اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں، اگر وہ محمد (ﷺ) سے جب وہ مسلمانوں کو اس فصیح

Marfat.com

ولطیف زبان میں قرآن سکھاتے تھے،ان کی تسکین بخش،طرب انگیز اور دل میں اتر جانے والی آواز میں اس کو سنتے اور جس وقت وہ اپنی قوت بیان سے احکام کو دلوں میں بٹھاتے تھے،ان کو دیکھتے تو بے اختیار سجدہ میں گر جاتے اور پکار اٹھتے کہ اے خدا کے سچے رسول شرف وافتخار اور ہلاکت وخطرات کے موقع پر ہماری دست گیری کیجئے،ہم آپ کی خاطر موت اور کامیابی دونوں کو پسند کرتے ہیں''۔

انیسویں صدی میں کارلائل نے کہا تھا کہ''قرآن سے مسلمانوں کا انتہائی شغف اور اس کے اعجاز کا عقیدہ مختلف قوموں کے اختلاف ذوق کی سب سے بڑی دلیل ہے،ترجمہ سے اس کے آرٹ کا جمال اور بیان کا حسن وکمال بہت گھٹ جاتا ہے''بیسویں صدی میں کلوڈ فاریر نے کہا ہے کہ''قرآن کی آیتوں میں بڑا جمال ہے،اس کی تلاوت سے اور بھی اس میں حسن پیدا ہوجاتا ہے،اس میں عجیب لطیف وپاکیزہ خوشبو کی لپٹ ہے کیوں کہ وہ ،شجاعت سچائی اور امانت کا حکم اور کمزوری کی حمایت اور خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دیتی ہیں''۔

اسلام کی فضیلت کا اعتراف علمائے یورپ کی زبان سے: قرآن کے بارہ میں علمائے یورپ کی اس قسم کی اور بہت سی رائیں ہیں،جس کا انہوں نے بغیر کسی تدلیس وخیانت اور فریب کے بڑی جرأت سے اظہار کیا ہے،ہم ان حضرات میں سے صرف مذکورہ بالا حکماء کی رایوں کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں اور آئندہ سطور میں اسلام کی فضیلت کے بارہ میں بعض فرنگی علما کی رائیں نقل کریں گے۔

انگریز مؤرخ ایچ جی ویلز لکھتا ہے کہ''اسلام اپنے ابتدائی دور میں ان لاہوتی پیچیدگیوں سے بالکل خالی تھا،جس کے دلدل میں نصرانیت ایک مدت تک پھنسی رہی اور جنہوں نے نہایت سخت اختلاف پیدا کرکے نصرانی روح کا خاتمہ کردیا،اسلام میں کاہنوں کا طبقہ نہیں ہے،بلکہ صرف علما،معلم اور واعظ ہیں،جس طرح اسلام تہور وشجاعت کے جذبات پر جو صحرائی قوموں کا خاصہ ہیں مشتمل ہے،اسی طرح وہ رحمت ورافت،فیاضی وکشادہ دلی اور اخوت ومحبت سے معمور ہے،اسی

Marfat.com

لیے وہ عوام کی فطرت میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کیے بغیر ان کے دلوں میں اتر گیا۔

مونٹیوں کا بیان ہے(۱) کہ ''اسلام جو محض ایک دین تھا، ایک بڑی علمی وادبی قوت بن گیا جو بغیر کسی غرض ومقصد کے عزت واحترام کا مستحق ہے اور حالات کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس کے پیروؤں کے ساتھ محض اخوت ومحبت کی بنیاد پر تعلقات ورابطہ پیدا کریں اور ان سے خوشگوار تعلقات کی سب سے بڑی شرط بغیر کسی غرض اور مقصد کے اسلام کا مطلق احترام ہے اور اب یہ مذہب ان بے غرض علما کی تصانیف کی وجہ سے جنہوں نے بغیر کسی مقصد کے اسلام کے متعلق تحقیقات کی ہے اور بعض واقف کار سیاحوں کے بیانات کی بنا پر یورپ میں پوری طرح متعارف ہو چکا ہے اور کل اس کے مرتبہ کا اندازہ آج سے زیادہ ہوگا''۔

ان رایوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مغرب کے بڑے بڑے علماء اسلام کا تذکرہ کس عظمت سے کرتے ہیں اور ان کے بعض مشہور اور نامور مفکر مصنفین مثلاً اناطول فرانس نے اپنی تصانیف میں اسلام پر ادنیٰ تعریض بھی نہیں کی ہے، درآنحالیکہ خود اپنے مذہب پر بڑی آزادی سے بحث کرتا ہے، انہوں نے یہ احتیاط اس لیے برتی ہے کہ کسی انسان کو اہم مسائل کے بحر ذخار میں اس وقت تک نہ پھاندنا چاہیے جب تک کہ وہ اس کے مطالعہ وتحقیقات کا پورا سامان اور اس میں بحث ونظر کی پوری استعداد نہ رکھتا ہو، ایک عالم کے لیے تحقیق، یقین اور اعتماد کے بغیر محض اٹکل کی باتیں کہہ دینا بڑا عیب ہے، عاقل وہ ہے جو اپنے عیب کو ظاہر نہ ہونے دے اور جس چیز کو نہیں جانتا اس سے لاعلمی ظاہر کرنے میں شرم محسوس نہ کرے، مشہور مقولہ ہے کہ لاعلمی کا اظہار درحقیقت آدھا علم ہے۔

آرتھر جلیس یونارڈ لکھتا (۲)۔ ہے کہ ''یہ ضروری ہے کہ اسلام کے ساتھ یورپ کا طرز عمل اب ناپسندیدہ طریقوں سے مختلف ہونا چاہیے اور اس کو مکروہ، معیوب اور ذلیل احسان فراموشی

(۱) مونٹیو کی کتاب الاسلام۔

(۱) اسلام کے لیے مغرب کی بیداری آرتھر جلیس کا عربی ترجمہ۔

Marfat.com

کے بجائے ابدی شکر و سپاس کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، یورپ نے اب تک اخلاص اور صمیم قلب سے اس فرض کا جو اسلامی تربیت اور عربی تمدن کا ہے پورا اعتراف نہیں کیا ہے، صرف اپنے دور ظلمت میں جب اہل یورپ جہالت و وحشت کے سمندر میں غرق تھے، بے دلی کے ساتھ اور دبی زبان سے اس کا تھوڑا بہت اقرار کیا ہے، حالاں کہ اس زمانہ میں جب اسلامی تہذیب علم وعمران کے بلندترین درجہ پر تھی، اسی نے یورپین سوسائٹی کی آگ روشن رکھی اور اس کو زوال سے بچایا، اب بھی جبکہ ہم اپنے کو تہذیب وتمدن کی بلندترین چوٹی پر سمجھتے ہیں، اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ اگر عمرانی مسائل میں اسلامی تہذیب، عربی تمدن، اس کے علم کی عظمت کا جلوہ اوران کے اعلیٰ درجہ کے منظم مدارس نہ ہوتے تو آج تک یورپ جہالت کی تاریکی میں غرق رہتا'' یہی مصنف ایک موقع پر لکھتا ہے کہ'' کیا ہم اس کو بھول گئے کہ اسلامی رواداری اس سے بہت مختلف تھی، جس میں یورپ اس زمانہ میں مبتلا تھا، ہم نے اس کو فراموش کر دیا کہ ایران ورم کے زوال کے زمانہ میں اسلامی خلافت پورے شباب پر تھی اور یورپ کا سواد اعظم انتہائی وحشت کی تاریکی میں گھرا ہوا تھا، کیا یورپ محض بغض وعداوت اور احسان فراموشی کی بنا پر عربوں کے ان کارناموں کو جن کا ذکر اب صرف ان کی کتابوں میں رہ گیا ہے، نظرانداز کر دے گا، کیا ہم لوگ اسلام کے ابتدائی عہد زریں خصوصاً عباسی دور کی دنیاے اسلام کے نشاط وشباب سے محروم نہیں تھے، ہم اس عظیم الشان نقصان کو کیسے بھلا سکتے ہیں جو عربی لٹریچر پر ہمارے ظلم وزیادتی سے ہوا ہے، ہم نے اپنے تعصب، جہالت اور غرور سے عربوں کی ہزاروں کتابیں تلف کر کے عالم انسانیت کا گناہ کیا ہے، کیا یہ عام اور مشہور بات نہیں ہے کہ نصرانی یورپ اپنی ترقی میں عربوں کی امداد کو چھپانے کی صدیوں انتہائی کوشش کرتا رہا لیکن وہ دن دور نہیں کہ اس احسان کا اعتراف کرنا پڑے گا، یورپ بلکہ پوری عیسائی دنیا کو اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے کے لیے چھوڑ دو کہ وہ مسلمانوں کے احسان کے شکریہ میں اپنی تقصیر کا اعتراف کر کے ساری دنیا میں اپنی جہالت کا اعلان کرے اور وہ عنقریب اسلام کے ابدی فرض کے اعتراف پر مجبور ہوگی''۔

Marfat.com

ایڈمونڈ یورک لکھتا ہے کہ ”قانون محمدی بادشاہ سے لے کر ادنیٰ رعایا تک کے لیے قوانین کا جامع ضابطہ ہے، اس کی بنیاد نہایت مضبوط، نظام قانون، بڑے علمی ججمنٹ اور نہایت روشن قانون سازی پر ہے جس کی نظیر اس سے پہلے دنیا میں نہیں ملتی“۔

فرانسیسی عالم جان ملیا لکھتا(۱) ہے کہ ”اب یہ ضروری ہے کہ قرآن کے متعلق بعض فرانسیسی فلاسفہ کے غلط دعووں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، قرآن کی تلاوت، ذوق وشوق سے ضروری ہے، وہ تعصب کی تلقین سے جس کا اتہام اس کے دشمن اس پر لگاتے ہیں، بالکل خالی ہے، اسلام آسمانی مذہب ہے، لطف ومحبت اور شرف کا مذہب ہے اور اس میں تمام مذاہب سے زیادہ نرمی وسہولت ہے“۔

لیبان اس بحث میں کہ ”اسلام کی فطری وحدت اپنی بنیاد واساس کے اعتبار سے واحد ہے اس لیے اس کا مدار ایک کتاب پر ہے اور وہ قرآن ہے“ لکھتا(۲) ہے کہ ”یہ کتاب دینی، سیاسی اور اجتماعی اعتبار سے قانون ہے، اس کے احکام دس صدیوں سے جاری ونافذ ہیں“ اس کے بعد کہتا ہے کہ ”اسلام کا سیاسی اقتدار عربوں کے زمانہ سے لے کر ترکوں کی نئی حکومت تک بہ تدریج زائل ہوتا گیا لیکن جہاں جس قدر قائم ہوا اتنا وہ دلوں اور روحوں کو فتح کرتا رہا...... مذہب اسلام کی سادگی اور اس پر مومنوں کے ایمان نے اس میں بڑی قوت پیدا کر دی ہے، وہ صرف اللہ کو ایک اور محمد کو اس کا رسول ماننے کا مطالبہ کرتا ہے اور اسی حقیقت کی اس نے دعوت دی، سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں، کیوں کہ وہ ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، ان کی شریعت ایک ہے جس چیز کو ایک مسلمان پسند کرتا ہے، اسے سب پسند کرتے ہیں اور جس کو ایک مسلمان ناپسند کرتا ہے اسے سب ناپسند کرتے ہیں، حج ہر سال ہر ملک اور ہر زبان کے مومنوں کی جماعت کو مکہ میں جمع کرتا ہے اور اسلامی شریعت کی جو صلابت مشہور ہے، اس نے بھی نشو وارتقا کا راستہ اختیار کر لیا ہے،

---

(۱)-Jean Melia: Le Coranpourla France

(۲)-Grirtvede Bon: Premieres Conrequencer de Laguerrle

Marfat.com

دوسرے الفاظ میں یورپین طریقہ پر آتی جاتی ہے، اگرچہ علما نے اجتہاد کا دروازہ دوبارہ کھولنا پسند نہیں کیا لیکن وہ اہم مسائل میں قرآنی احکام سے عادلانہ فیصلہ کرتے ہیں اور اس حیثیت سے مصر میں پوری اصلاح ہو چکی ہے''۔

اسی مصنف کا یہ بیان بھی ہے کہ ''مسلمان تاجروں کے طفیل میں افریقہ میں ہزاروں بت پرست اسلام قبول کرتے ہیں اور یہ مذہب ان کو مہذب بنادے گا، مسلمان جہاں بھی جاتا ہے وہاں اپنے مذہب کا اثر چھوڑتا ہے، جن ملکوں میں مسلمان فاتحوں کے قدم نہیں پہنچے وہاں مسلمان تاجر پہنچ گئے، مثلاً چین کے بعض علاقوں، وسطی افریقہ اور روس کے جن خطوں میں مسلمان تاجر آباد ہو گئے وہاں مسلمانوں کی تعداد کئی ملین تک پہنچ گئی'' اس سلسلہ میں لیبان نے ڈوفل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ''اسلام کے طفیل میں فیٹسزم (۱) اور بت پرستی دنیا سے معدوم ہو جائے گی اور انسان جانوروں کی قربانی اور مردم خوری کا بھی خاتمہ ہو جائے گا، اسلام کے ذریعہ عورتوں کے حقوق کا احترام قائم ہو گیا، گو ان کے مطلق حقوق کے مقابلہ میں معمولی سہی ایک سے زیادہ شادی کی رسم کو بھی اس نے شائستہ اور اس سے پیدا ہونے والے خانگی انتشار کو کم کر کے گھر کا شیرازہ مضبوط کر دیا، غلام بھی خاندان کا رکن بن گیا، زکوٰۃ نے اخلاق عامہ کی تطہیر کی اور ان کو ترقی دی، دلوں میں عدل وانصاف کا احساس پیدا کیا اور حکمراں طبقہ پر بھی یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ جس طرح رعایا پر ان کے حقوق و فرائض ہیں اسی طرح ان پر بھی اس کے حقوق و فرائض ہیں، اس طرح انسانی سوسائٹی کی بنیاد مستحکم ہو گئی، اگر مسلمانوں نے عملی زندگی میں کچھ غلط طریقے بھی اختیار کیے تو دوسرے بھی اس سے خالی نہیں ہیں اور عدل خداوندی ان کو اس کی سزا دے گا، آخرت کی زندگی کی امیدیں بہت مبارک و مسعود ہیں، اس سے مظلوموں کو بڑی تسلی ہوتی ہے، یہ نیکیاں ان تمام مقاموں اور متمدن سوسائٹیوں میں پھیلیں گی جہاں جہاں اسلام پھیلے گا۔

اسی کا بیان ہے کہ ''بہت کم قومیں تہذیب و تمدن میں عربوں پر فوقیت حاصل کر سکیں

---

(۱) مخلوق پرستی۔

Marfat.com

تاریخ میں کسی جماعت نے بھی اتنی کم مدت میں عربوں کی جیسی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی، انہوں نے مذہبوں میں سب سے بڑا مذہب پیدا کیا(۱) جس نے ایک دنیا پر حکومت کی اور ہر زمانہ میں اس کے بڑے اثرات پڑے اور سیاست کے میدان میں انہوں نے ایک ایسی حکومت قائم کی جو تاریخ میں سب سے بڑی سلطنت تھی اور علمی واخلاقی حیثیت سے یورپ کو مہذب بنایا جس طرح بہت کم قوموں پر عربوں کے جیسا سخت زوال آیا، اسی طرح بہت کم قومیں عروج وترقی میں ان کے درجہ کو پہنچ سکیں''۔

فالیری لکھتا ہے کہ ''دوسرے مذہبوں نے اپنے پیرؤوں کو ایسے سخت عقائد کی تعلیم دی کہ ان کے بعید از عقل ہونے کی وجہ سے مشکل سے ان کا بار اٹھایا جا سکتا ہے، ان کے مقابلہ میں اسلام کی آسانیاں حیرت انگیز ہیں، اس کے فرائض بہت صاف و واضح ہیں، اس لیے وہ ان طبقوں میں جن کا اخلاق مذہبی عقائد میں ان کے شک وشبہہ کی بنا پر بگڑ گیا تھا بہت تیزی سے پھیل گیا، ایشیا اور افریقہ کی وحشی قوموں میں اس کی مسلسل اشاعت کا سبب بھی یہی تھا کہ اسلام کے آسان اور سادہ عقائد کسی طویل تشریح اور دعوت وتبلیغ میں لطف ومدارات کے بغیر آسانی کے ساتھ دلوں میں اتر جاتے تھے''۔

گبن لکھتا ہے کہ ''شریعت محمدی کے احکام عام ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے بادشاہوں سے لے کر ادنیٰ محتاج تک سب سر جھکاتے ہیں، وہ نہایت مضبوط قانونی اصولوں کے مطابق بنائی گئی ہے جن کی مثال سارے عالم میں نہیں ہے'' لیو دروش لکھتا ہے کہ ''اسلام انسانی، فطری، اقتصادی اور ادبی مذہب ہے، جب ہم اپنے بنائے ہوئے بعض قوانین پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کو پہلے سے اسلام میں موجود پاتے ہیں، بلکہ میں نے اس قانون کو بھی جس کو جال سیمول ''قانون فطرت'' کے نام سے موسوم کرتا ہے، اسلام سے ماخوذ پایا اور جب میں نے مسلمانوں کے دلوں میں اس مذہب کے اثرات کا اندازہ لگایا تو نظر آیا کہ اس نے ان کو شجاعت وشہامت،

(۱) یہ یورپین طریقہ تعبیر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں مذہب اسلام پیدا ہوا۔ م

Marfat.com

حلم ونرمی، خوبی و جمال اور لطف و کرم سے معمور کر دیا اور فلاسفہ جس دنیا کا خواب دیکھتے ہیں، یعنی ایسی دنیا جس میں نیکیوں، بھلائیوں اور لطف ومحبت کے علاوہ بدی، خرافات، جھوٹ اور فریب کا گذر نہ ہو، اس کا نمونہ میں نے مسلمانوں کو پایا، مسلمان سادہ مزاج ہوتا ہے کسی سے سوءِ ظن نہیں رکھتا، حصول معاش میں حرام کو حلال نہیں بناتا، اسی لیے وہ یہودیوں اور بعض عیسائیوں کے مقابلہ میں کم مایہ ہے، میں نے دو بڑے مسائل کا حل جن کا عقدہ حل کرنے میں ساری دنیا مشغول ہے، اسلام میں پایا، ان میں ایک قرآن کی تعلیم "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" ہے یعنی سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں جو اشتراکیت کی نہایت خوبصورت ابتدائی شکل ہے، دوسرے دولت مندوں پر زکوٰۃ کی فرضیت یعنی اگر سرمایہ دار خوشی اور رضامندی سے غریبوں کا غصب کردہ حق ان کو دینے کے لیے تیار نہ ہوں تو اس کو قانوناً دلایا جائے جو کمیونزم کا علاج ہے"۔

ماسینون لکھتا ہے کہ "اسلام کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ اس نے زندگی کے اجتماعی حقوق وفوائد میں قوم کے ہر فرد کو شریک بنا کر صحیح مساوات کے تصور کا عملی نمونہ پیش کیا ہے، اسلام لین دین میں غیر مشروط مبادلہ کو جائز نہیں سمجھتا، اسی طریقہ سے وہ بینک کے سودی مال اور زندگی کی ضروریات میں غیر ضروری ٹیکسوں کا دشمن ہے، اسی کے ساتھ وہ باپ، شوہر اور بیوی کے حقوق اور دوسروں کی ملکیت اور تجارتی راس المال کا محافظ ہے، اس میں اس نے بوژروا سرمایہ داری اور بالشویک، اشتراکیت کے درمیان ایک معتدل اور بیچ کی راہ اختیار کی ہے، مختلف رنگ ونسل رکھنے والی مسلمان قوموں اور طبقوں کے درمیان تعاون ومفاہمت میں اسلام کا ماضی ایک نادر مثال ہے، اس باب میں اسلام نے اپنے ابتدائی زمانہ میں جو کر دکھایا اس سے دوسری قومیں اپنے آخری دور میں بھی قاصر رہیں، اس نے مسلمان جیسی مختلف ومتضاد عناصر رکھنے والی قوم کو حقوق وفرائض میں مساوات دے کر آپس میں متحد کر دیا اور اس میں اس کو پوری کامیابی حاصل ہوئی، افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کی بڑی بڑی مسلمان قومیں اور چین اور جاپان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان جماعتیں اس کا ثبوت ہیں، جن عناصر میں اتحاد وموافقت کی کوئی سبیل نہ ہو، ان کو بھی اسلام متحد

Marfat.com

و متفق کر سکتا ہے''۔

ایک مصنف زکوٰۃ کے بارہ میں لکھتا ہے کہ ''یہ ٹیکس ایک مذہبی فرض ہے جس کا ادا کرنا ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے، اس مذہبی پہلو کے علاوہ زکوٰۃ ایک مضبوط، مستحکم اور مستقل اجتماعی نظام ہے اور وہ دولت محمد یہ کا خزانہ ہے، جس سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی جاتی ہے اس نادر نظام کو تاریخ میں سب سے پہلے اسلام نے قائم کیا، زکوٰۃ کا ٹیکس صاحب املاک لوگوں، تاجروں اور دولت مندوں سے جبری وصول کیا جاتا ہے اور حکومت اپاہج، ناکارہ اور مجبور لوگوں پر صرف کرتی ہے، اس سے وہ تمام حدیں گر جاتی ہیں جن سے ایک ہی حکومت کے مختلف طبقوں میں تفریق پیدا ہوتی ہے اور پوری قوم ایک عادلانہ اجتماعی دائرہ میں آجاتی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ کا اسلامی نظام (اشتراکیت کی طرح) کسی بغض وعداوت کی بنا پر قائم نہیں کیا گیا ہے''۔(۱)

ایک طرف اسلام کے متعلق یہ رائیں ہیں، دوسری طرف بعض سوفسطائی جن کا مقصد محض مغالطہ دینا ہے، دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام نے کوئی نئی بات نہیں پیش کی، بلکہ اپنی تعلیمات یہودیت اور نصرانیت سے اخذ کی ہیں، ایک ایسا دین فطرت جو انسانوں کی دنیاوی اور اخروی فلاح کے مسئلہ میں عقائد و تصورات کی پیچیدگیوں سے بالکل پاک ہے، وہ نئی بات کہاں سے پیدا کر سکتا ہے، مثلاً اسلام عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے جس کی دوسرے مذاہب نے بھی تعلیم دی ہے تو اس کو ان مذاہب سے اخذ و استفادہ نہیں کیا جا سکتا، کیا کوئی نیا مذہب ایسا عدل واحسان بھی پیدا کر سکتا ہے جو بالکل جدید ہو اور انسان اس سے بالکل ناواقف ہوں اور کیا کسی زمانہ میں بھی عدل کی دو تعبیریں نیا عدل اور پرانا عدل بھی ہو سکتی ہیں، بعض شعوبیوں کا دعویٰ ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب سے اور اس کی فقہ رومن مقنن یوستنیانوس کے قانون سے ماخوذ ہے، حالاں کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ اسلامی فقہ کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پر ہے جس کی تردید نہیں کی جا سکتی، یہ مہمل رائے گولڈزیہر (۲) کی ہے جس کی بنیاد تمام تر اس قیاس پر ہے کہ جیسا کہ عام طور پر مشہور

---

(۱) اخبار الجامعۃ الاسلامیہ مقالہ مارکس۔ (۲) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لفظ فقہ۔

Marfat.com

ہے کہ عرب اپنی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں ان پڑھ اور بالکل ابتدائی حالت میں تھے، اس لیے انہوں نے عراق وشام میں جو قوانین خصوصاً جو اجتماعی قواعد پائے اس سے اخذ واستفادہ کر کے انہوں نے اپنا قانون بنالیا لیکن گولڈزیہر نے اس قیاس کو اس کی کوئی اور دلیل نہیں دی ہے، سعید خوری شرتونی لبنانی نے جو فقہ ولغت کے بڑے عالم ہیں رومن قانون اور اسلامی فقہ کا موازنہ کر کے دکھایا ہے کہ فقہ اسلامی کے اصول وماخذ رومن قانون سے بالکل جدا ہیں اور اپنے فاضلانہ مقالات میں قانون شریعت کے متعلق غلط دعوؤں کو بالکل باطل اور دشمنان اسلام کے فریبوں کا پردہ (جس کا سلسلہ آغاز اسلام سے اب تک جاری ہے) پوری طرح چاک کیا ہے لیکن اس مسئلہ میں حق کے ثبوت کے بعد بھی اس کا یقین نہیں ہے کہ یہ بنے ہوئے مقننین اپنی دروغ بافیوں سے باز آئیں گے اور جھوٹے اور باطل دعووں کو زبان سے نہ نکالیں گے، یہ لوگ ان باتوں کو جن پر ان کو یقین ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا بغیر کسی دلیل کے کہتے رہتے ہیں اور محض اپنے حظ نفس کے لیے فتنہ پھیلاتے ہیں۔

قضاوقدر کا عقیدہ: قضاوقدر کا عقیدہ اسلام کے اصولی عقائد میں ہے، مسلمانوں کی ساری قوت اسی کے بدولت تھی، ان کے ابتدائی دور میں اسی عقیدہ نے ان میں ایسی جرأت وحوصلہ مندی پیدا کر دی تھی کہ انہوں نے دوسرے ملکوں میں گھس کر ان کو فتح کیا، یہ عقیدہ دلوں میں ثبات واستقلال، مشکلات کو برداشت اور خطرات کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا اور انسانوں کو جود وسخا کی صفت سے آراستہ کرتا ہے اور ان کو زندگی کی ان دل فریبیوں سے جن کا چھوڑنا بہت مشکل ہے، دست بردار ہونے، بلکہ جان تک دے دینے پر آمادہ کر دیتا ہے اس لیے کہ جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ ''موت کا ایک وقت مقرر ہے، رزق خدا کے ہاتھ اور ساری چیزیں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا ہے وہ اپنے حق کی حمایت اور اپنی قوم وملت کی سربلندی کے لیے اپنے فرض کی ادائیگی میں موت سے نہیں ڈر سکتا اور حق کی نصرت وحمایت اور عزت وشرف کے استحکام میں، مال صرف کرنے میں، فقر واحتیاج کا خوف نہیں کر سکتا، اسی عقیدہ نے مسلمانوں

Marfat.com

کو ٹڈی دل فوجوں کے مقابلہ میں جن سے ساری فضا معمور ہو جاتی تھی اور زمین ڈھک جاتی تھی، نہ صرف ثابت قدم رکھا بلکہ انہوں نے ان فوجوں کو شکست دے کر الٹے پاؤں واپس کر دیا، اسی عقیدہ کی بنا پر ان کی تلواریں مشرق میں چمکیں اور مغرب میں برق بلا بن کر خوف زدہ مغربی سورماؤں پر ٹوٹیں، اسی عقیدہ نے ان میں ایسا ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ فقر و فاقہ کے خطرات کی پروا کیے بغیر اپنی سربلندی کے لیے سارا خانماں لٹا دیتے تھے، اسی عقیدہ نے اپنی اولاد، بیویوں، بلکہ گود کے بچوں تک و دنیا کے دور دراز حصو کی رزمگاہوں میں لے جانا ان کے لیے آسان بنا دیا تھا، ان کی عورتیں فوجیوں کو پانی پلاتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں، جنگ کے کاموں میں عورت، مرد، بچے، بوڑھے سب حصہ لیتے تھے، ان میں اور جنگ آزما سپاہیوں میں صرف یہ فرق ہوتا تھا کہ یہ لوگ اسلحہ بند نہیں ہوتے تھے۔

اسلامی فرقوں میں کوئی فرقہ بھی جبر محض کا (یعنی انسان اپنے سارے اعمال و افعال میں مجبور محض اور مسلوب الاختیار ہے) قائل نہیں ہے، بلکہ سب کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں کو اپنے اعمال میں جزمی اختیار حاصل ہے جس کو وہ کسب کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسی پر ثواب و عذاب کا مدار ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جو جزی اختیار دیا ہے اس کی بنیاد پر احکام کی پابندی کا مطالبہ اور اس کا محاسبہ ہے، وہ جبری فرقہ جس کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کو اختیار کا کوئی شائبہ بھی حاصل نہیں ہے اور وہ اپنے تمام افعال میں مجبور محض ہے، چوتھی صدی ہی کے آخر میں مٹ گیا اور آج کوئی مسلمان اس عقیدہ کا قائل نہیں ہے۔

فرنگیوں کا خیال ہے کہ ''جس قوم میں بھی اس عقیدہ نے سرایت کیا، اس کی ہمت و قوت سلب کر کے اس میں ضعف و پستی پیدا کر دی'' البتہ اس عقیدہ کی مذمت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج وہی عقیدہ جس نے کبھی مسلمانوں میں شجاعت و شہامت اور جرأت و حوصلہ مندی پیدا کی تھی، ان کے فقر و فاقہ کا سبب بن گیا ہے اور جنگی و سیاسی قوت میں ترقی یافتہ قوموں سے پیچھے ہیں، ان کا اخلاق بگڑ گیا ہے، ان میں جھوٹ فریب، نفاق، خیانت، بغض و کینہ وغیرہ برائیاں

Marfat.com

عام ہوگئی ہیں، وہ کھانے پینے اور سو رہنے کی زندگی پر قانع ہیں اور حصول فضیلت میں دوسری قوموں کے مقابلہ کا جذبہ ان میں پیدا نہیں ہوتا''۔

اسی بنیاد پر مغربی شعوبی مدتوں سے اسلام پر حملہ کرتے چلے آرہے ہیں، حالاں کہ قرن اول میں مسلمانوں کی فلاح وسعادت کا سب سے بڑا سبب یہی عقیدہ تھا اور وہ اس وقت سے بگڑے جب چند صدیوں سے بنے ہوئے صوفیوں کے چکر میں مبتلا ہوئے جنھوں نے ان میں ایسے اوہام پھیلائے جن کو ان کے اصول دین سے کوئی نسبت نہیں اور وہ عقیدہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض وسوسہ کی حیثیت سے دلوں میں چپک گئے، جس سے مسلمانوں میں سستی اور کاہلی پیدا ہوگئی، ان کے حکمرانوں نے اس میں ڈھیل دے کر اور زیادہ مدد پہنچائی، اس قسم کے صوفی آرین تھے، یعنی ایران وہندوستان سے آئے تھے، قضاوقدر کا عقیدہ اہل یورپ کے مذاہب اور ان کی کتابوں میں اسلام سے بھی زیادہ سخت ہے، چنانچہ کتاب مقدس (توراۃ وانجیل) میں تقدیر کی آیتیں قرآن مجید سے زیادہ ہیں لیکن درحقیقت مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کو اسی وقت کامیابی ہوئی جب انہوں نے اس عقیدہ میں اعتدال پیدا کیا اور اسباب ووسائل میں اختیار کے قائل ہوئے، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح یورپ کے عوام کو ضعف عقل اور خرافات عقائد میں مبتلا اور جو چیزیں صریحاً عقل کے خلاف ہیں، ان میں بدیہیات سے ان کے انکار کو دیکھ کر ہم کو پورے یورپ کے بارے میں عام حکم نہ لگا دینا چاہیے، اسی طریقہ سے حسن مذاق کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی ہمارے عوام کے اعمال کو دیکھ کر ہماری پوری جماعت پر اعتراضات نہ کریں، عوام کسی زمانہ میں بھی معیار نہیں رہے ہیں کہ ان کے عمل سے پوری قوم کے بارے میں رائے قائم کرلی جائے، خواص کی روش ہر زمانہ میں ان مسائل میں افراط وتفریط سے پاک اور معتدل رہی ہے، اس لیے کہ وہ عقل کو رہنما بناتے اور نصوص کی صحیح تاویل کرتے ہیں اور دین ودنیا کے مسائل میں زمانہ کی روح کا بھی لحاظ رکھتے ہیں اور عقل ونقل دونوں کے دائرے سے باہر نہیں نکلتے، آج وہ عقیدہ جو کبھی محسنات اسلام میں تھا، مسلمانوں کی جہالت اور اسلام کے ضعف کا سبب بن گیا ہے، اس لیے کہ مسلمانوں

Marfat.com

نے نہ اپنے اسلاف کی طرح اس کے قالب اور روح دونوں پر عمل کیا اور نہ اس کو بالکل چھوڑ دیا کہ تنہا اپنے عمل ہی پر بھروسہ کرتے) جب بڑی سے بڑی انسانی جماعتوں میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اچھی چیزوں کو بھی بگاڑ دیتی ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے اس قسم کے عوارض برابر قوموں کو پیش آتے رہیں گے۔

جو شخص قرآن مجید کی ان کثیر آیتوں پر غور کرے گا جس میں عمل کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو رسول اکرم اور صحابہ کرام کی سیرت سے ذرا بھی لگاؤ ہوگا اس کو اس کا پورا علم ہوگا، کہ قضا و قدر کے عقیدہ نے کبھی مسلمانوں کو اسباب و وسائل کے اختیار کرنے سے نہیں منع کیا بلکہ اس کی ترغیب دی ہے، کلام مجید میں اس قسم کی بکثرت آیات ہیں، مثلاً۔

۱۔ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ (التوبہ ۹: ۱۰۵)	اے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دو کہ تم عمل کرو کیوں کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے عمل کو عنقریب دیکھے گا۔
۲۔ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ (یونس ۱۰: ۴۱)	اگر وہ لوگ (کفار) آپ کو جھٹلائیں تو ان سے کہہ دو کہ میرا عمل میرے لیے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لیے۔
۳۔ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ (التوبہ ۹: ۹۴)	اور عنقریب اللہ تمہارے عمل کو دیکھے گا۔
۴۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (الشوریٰ ۴۲: ۱۵)	اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارا اعمال۔
۵۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء ۴: ۵۹)	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔
۶۔ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ (محمد ۹: ۳۳)	اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

Marfat.com

۷۔ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (محمد۹: ۳۵)

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو نہیں گھٹائے گا۔

۸۔ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا (الحجرات ۴۹: ۱۴)

اور یہ کہ اللہ اس کے رسول کی اطاعت کرو تمہارے اعمال سے وہ کچھ بھی نہ گھٹائے گا۔

۹. نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ (ہود ۱۱: ۱۵)

اور ہم ان کو جنت میں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں کمی نہیں کریں گے۔

۱۰۔ اِنِّىْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ (آل عمران ۳: ۱۹۵)

میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

۱۱۔ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ (محمد۳۹: ۷۴)

عمل کرنے والوں کا بدلہ کیا ہی اچھا ہے۔

۱۲۔ بِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷: ۶۱)

اسی طرح عمل کرنے والے عمل کرتے ہیں۔

۱۳۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر ۳۵: ۱۰)

اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور اچھا کام اس کو پہنچاتا ہے۔

۱۴۔ وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (النحل ۱۶: ۱۱۱)

اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

۱۵۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل ۱۶: ۹۷)

مردوں اور عورتوں میں سے جو بھی ایمان کی حالت میں اچھے کام کرے گا تو اس کو ہم پاکیزہ زندگی دیں گے اور جو عمل انہوں نے کیا اس کا اس سے زیادہ بہتر اجر ان کو دیں گے۔

۱۶۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (آل عمران ۳: ۳۰)

جس دن ہر وہ شخص جس نے جو اچھے اعمال کیے ہیں اپنے سامنے ان کو موجود پائے گا

Marfat.com

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا (آل عمران ۳: ۳۰)

اور جس نے برائی کیے ہیں وہ چاہے گا کہ کاش ان اعمال اور اس کے درمیان بڑا فاصلہ حائل ہو جاتا۔

۱۷۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (الزمر ۳۹: ۷۰)

اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ اس کو جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

۱۸۔ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا (النحل ۱۶: ۳۴)

آخر ان کے عمل بد کی سزائیں ان کو ملیں۔

۱۹۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الکہف ۱۸: ۴۹)

اور جو کام انہوں نے کیے تھے ان کو اپنے سامنے موجود پایا۔

۲۰۔ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا (الروم ۳۰: ۴۱)

تاکہ وہ (اللہ) ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔

۲۱۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا (سبا ۳۴: ۳۷)

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان کو ان کے اعمال کا دونا صلہ ملے گا۔

۲۲۔ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الاحقاف ۴۶: ۱۹)

اور ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے مطابق درجات ہیں تاکہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ ہونے پائے۔

۲۳۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال ۹۹: ۷، ۸)

اور جو شخص ایک ذرہ برابر بھلائی کرے گا اس کا نتیجہ دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا اس کا نتیجہ دیکھے گا۔

۲۴۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۸۰)

عنقریب ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

Marfat.com

۲۵۔ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاحقاف۴۶: ۱۴) — (یہ) اس کا بدلہ ہے جو کام انہوں نے کیے۔

۲۶۔ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (العنکبوت۲۹:۵۵) — اور (فرشتہ جہنم) کہے گا کہ جو اعمال تم نے کیے ہیں ان کا مزہ چکھو۔

۲۷۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ (الشوریٰ۴۲: ۳۰) — اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوت کا نتیجہ ہے۔

۲۸۔ اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (آل عمران۳: ۱۶۵) — اور جب تمہاری ایسی ہار ہوئی جس کے دو حصے تم جیت چکے تھے تو ایسے وقت میں تم یہ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہوئی، ان سے کہہ دو کہ یہ ہار خاص تمہاری طرف سے ہوئی۔

عمل کے بارہ میں اتنی کثیر اور صریح آیات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ قضا و قدر کے معنی جبر محض اور تعطل کے ہیں۔

تعدد ازدواج اور طلاق: یورپ کے شعوبی اسلام کی بعض ایسی چیزوں پر صدیوں سے اعتراض کرتے چلے آتے ہیں جو اب خود یورپ میں بھی ناپسندیدہ نہیں سمجھی جاتی ہیں، مثلاً بعض مغربی مصنفین مسلمانوں کے زوال کے اسباب میں تعدد ازدواج اور طلاق کو بھی شمار کرتے ہیں لیکن اب اس زمانہ میں نئی تہذیب کے فرزندوں میں بھی طلاق کا رواج ہو گیا ہے اور عجب نہیں کہ تھوڑے ہی دنوں میں ان میں مسلمانوں سے زیادہ طلاق رائج ہو جائے، صرف ایک صوبہ جات متحدہ امریکہ میں دو لاکھ سے زیادہ سالانہ طلاقیں ہوتی ہیں اور سارے یورپ خصوصاً فرانس میں طلاق کے مقدمات کی تعداد ہزاروں سے زیادہ متجاوز ہو گئی ہے (۱) طلاق عبرانی، یونانی اور رومن

---

(۱) یہ کتاب اب سے بیس سال پہلے لکھی گئی تھی جب یورپ اور امریکہ میں طلاق کی غالباً اتنی کثرت نہیں تھی جتنی اب ہے، اب تو بات بات پر طلاق کی نوبت آ جاتی ہے اور ایسی ایسی چھوٹی بلکہ مضحکہ خیز باتوں پر جن کا مسلمان کبھی تصور نہیں کر سکتے، ان کی خبریں آئے دن اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ ''مترجم''

Marfat.com

تمام قوموں میں بھی رائج تھی، بلکہ رومن کو اپنی بیوی کو قتل تک کر دینے کا قانونی حق تھا اور جمہوریہ روما کے زمانہ میں طلاقوں کی بڑی کثرت تھی، اگر نصرانیت اپنے پیرؤوں میں طلاق کے بارہ میں انصاف نہ قائم کر دیتی تو طلاق کا شوق عورتوں کو تباہ کر دیتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ آج کل مسلمانوں میں طلاق کا رواج ان قوموں کے مقابلہ میں بہت کم ہے جو کل تک اس کی سب سے بڑی منکر تھیں اور اس کی رفتار سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ کے ساتھ ان میں اس کا رواج بڑھتا جائے گا، اسلام میں طلاق صرف ضرورت کے وقت جائز ہے ورنہ فی نفسہ حدیث نبوی میں اس کی ممانعت ہے کہ ''زنا کی تہمت کے علاوہ عورتوں کو طلاق نہ دو'' اللہ مزہ چکھنے والوں اور مزہ چکھنے والیوں کو دوست نہیں رکھتا'' ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ''جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے'' کلام مجید میں حتی الامکان مردوں کو طلاق دینے سے بچانے کے لیے عورتوں کے ساتھ نرمی و ملاطفت کے مختلف طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا...... وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا (النساء۴: ۱۹ و ۳۵)	پس اگر وہ (بیویاں) تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک چیز کو ناپسند کرو لیکن اللہ اس میں کوئی بڑی بھلائی رکھ دے اور اگر تم لوگوں کو دونوں (میاں بیوی) میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی عورت کے خاندان سے بھیجو، اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی میں اتفاق فرما دے گا۔

Marfat.com

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء۴: ۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بد دماغی یالا پرواہی کا خوف ہو تو دونوں پر اس میں گناہ نہیں ہے کہ آپس میں ایک خاص صلح کر لیں اور صلح بہتر چیز ہے۔

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (النساء۴: ۳۴)

پس اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈھو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا، فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

(الطلاق۶۵: ۱-۲)

اے پیغمبر جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت سے پہلے طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، ان عورتوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں اگر کھلی ہوئی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کے مقرر کیے ہوئے احکام ہیں، جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تم کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے پھر جب وہ عورتیں اپنی عدت گذارنے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو قاعدے کے موافق نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دے دو۔

Marfat.com

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ. (الطلاق ۶۵:۲)
اور آپس میں دو معتبر آدمیوں کو گواہ کرلو۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا (البقرۃ ۲: ۲۲۸)
اور مطلقہ عورتوں کے شوہر (دوران عدت میں بلا تجدید نکاح کے) ان عورتوں کو لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں بشرطیکہ اصلاح کا مقصد رکھتے ہوں۔

جیسا کہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن نے طلاق سے حتی الامکان بچانے کی کوشش کی ہے اور طلاق کی صورت میں بھی عورتوں کے ساتھ نرمی کا لحاظ رکھا ہے۔

اسلام نے ضرورت کے وقت چند قیود و شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی بھی اجازت دی ہے، جیسا کہ قرآنی حکم سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کا رواج اب مسلمانوں میں بہت کم ہوتا جاتا ہے اور زیادہ تر دیہاتوں میں شدید ضرورت کی حالت میں ایک سے زیادہ شادی کی جاتی ہے، ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی پہلی شرط عدل ہے، اس کے بغیر اجازت نہیں، قرآن کا حکم صریح ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء ۴: ۳)
اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ بیویوں میں عدل نہ قائم کرسکو گے تو صرف ایک بیوی پر اکتفا کرو۔

عدل سے مراد چیزوں کی تقسیم، شب باشی اور نان ونفقہ میں عدل ہے، دل کے میلان میں نہیں کہ وہ اختیار کی چیز نہیں، اسی لیے ارشاد ہوا

وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْآ اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ (النساء ۴: ۱۲۹)
تم کتنا ہی چاہو بیویوں میں عدل قائم نہیں رکھ سکتے، مگر یہ نہ ہو کہ تمام تر ایک ہی کی جانب مائل ہو جاؤ۔

Marfat.com

سریو اسلامی مسائل کے حل کرنے میں جس کی مہارت مسلم ہے لکھتا(۱) ہے کہ ''اسلام میں طلاق کی اجازت دی گئی ہے لیکن اس کے لیے ایسے قواعد بنا دیے گئے ہیں جو عجلت اور جلد بازی کی طلاق کو جس میں پورے غور و فکر سے کام نہ لیا گیا ہو باطل قرار دیتے ہیں اور ایسی طلاق کے لیے جس میں رجعت نہ ہو سکے یہ ضروری ہے کہ تین طلاقیں علاحدہ علاحدہ حیض کے تین دوروں میں دی جائیں''لیبان لوراپولیو(۲) کے اس خیال کی تردید میں کہ ''تعدد ازدواج کا نظام مسلمانوں کے جمود کا سبب ہے'' لکھتا ہے کہ ''مشرقیوں کا شرعی اور قانونی تعدد ازدواج اہل یورپ کے پرفریب اور خفیہ تعدد ازدواج سے بہتر ہے جو اپنے ساتھ ناجائز اولادوں کا سلسلہ بھی لاتا ہے...... اور گذشتہ زمانہ میں اتنی ہی مشہور عالمہ مسلمان عورتیں پیدا ہوئیں جتنی آج کے یورپ کی نسوانی درسگاہوں سے پیدا ہوتی ہیں''۔

شعوبیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اسلام میں تعدد ازدواج کی اجازت مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے، بلکہ شروع میں جب مسلمانوں کی کثرت تعداد کی اس لیے ضرورت تھی کہ مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے مردوں کی تعداد کم ہو گئی تھی جن پر ان کے ملک کی حفاظت کا مدار تھا، اس وقت تعدد ازدواج ہی نے ان کی تعداد بڑھائی، اگر اس کی اجازت نہ ہوتی تو بہت سے گھرانے نسل کی کمی کی وجہ سے مٹ جاتے، جب زمانہ ترقی کر گیا اور اس کی ضرورت نہیں رہی تو حالات کے مطابق خود سے تعدد ازدواج میں کمی ہو گئی اور اس کی ابتدا اسلام نے نہیں کی بلکہ اس کے بہت پہلے سے دوسری قوموں میں بھی اس کا رواج تھا، خود حضرت موسیٰؑ اور حضرت داوٗدؑ کے بہت سی بیویاں تھیں، لیبان کا بیان ہے کہ ''امریکہ کے مارمن تعدد ازدواج کے قائل ہیں اور ان میں سے بعض دس دس بیویاں رکھتے ہیں لیکن ان کا یہ رواج ان کو ترقی سے نہ روک سکا، پروٹسٹنٹ نے جب ان کو تباہ کن لڑائیوں کے ذریعہ مٹا دینا چاہا اور وہ دوسری ریاستوں میں بھاگ گئے، اس وقت انہوں نے پچاس سال کے اندر نہایت درخشاں تہذیب پیدا کر لی اور اپنی کوشش اور محنت سے

(۱) اسپرٹ آف اسلام سید امیر علی۔ (۲) روح السیاست لیبان۔

Marfat.com

اوسر اور بنجر علاقوں میں ترقی یافتہ صنعتیں، اعلیٰ درجہ کی زراعت، کارخانے، عمارتیں اور خوش نما شہر بنائے، ایک مرتبہ تعدد ازدواج کے بارہ میں ایک مارمن عورت کی رائے پوچھی گئی اس نے جواب دیا کہ میں ایک اوسط درجہ کے آدمی کی ایک بیوی بننے کے بجائے ایک بلند مرتبہ انسان کی دسویں بیوی ہونا زیادہ پسند کرتی ہوں"۔

لیبان کا یہ بھی بیان ہے(۱) کہ "تعدد ازدواج کی بدعت کچھ عربوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے بھی وہ عرب یہود اور مشرق کی دوسری قوموں میں رائج تھا اور اس کو انہوں نے زندگی کی ضروریات، آب وہوا کے اثرات اور دوسرے امور کی بنا پر جو اہل مشرق کی زندگی میں پائے جاتے ہیں اختیار کیا تھا، عورتوں کے جسم کی ترکیب، ولادت اور بیماری وغیرہ بہت سے مواقع بعض اوقات عورتوں کو اپنے شوہروں سے علاحدہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں، جس کی برداشت مشرق کی آب وہوا میں اہل مشرق کے گرم مزاج کے لیے بہت دشوار ہے، اس لیے دو بیویاں رکھنا ان کے لیے ناگزیر ہو گیا اور مغرب کی آب وہوا میں چوں کہ اس سے کم کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے ایک شادی کا قانون صرف یورپ میں ہے لیکن ایک شادی سے اخلاق بہت کم محفوظ رہتا ہے، ہم اہل یورپ ایک بیوی کرنے میں نفاق وریا سے کام لیتے ہیں، حالاں کہ میاں بیوی کے اندرونی جذبات سے پوری طرح واقف ہوتے ہیں؛ ایسی حالت میں مشرقیوں کا ایک سے زیادہ قانونی بیوی رکھنا اس سے زیادہ کیوں برا ہے، اس کے علاوہ اہل مشرق افزائش نسل اور گھریلو زندگی کی مسرتوں کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان میں عدل کا جو احساس ہے وہ ان کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ شرعی بیوی کو محض ناپسندیدگی کی بنا پر چھوڑ دیں، اس لیے ان میں اس قسم کے جو اخلاق پہلے سے رائج چلے آتے تھے شریعت نے بھی ان کی موافقت کی، کیا عجب ہے کہ اخلاق پر اثر پڑنے کی وجہ سے مشرق کی طرح ایک دن مغرب کے قوانین بھی ایک سے زیادہ بیوی کے رواج کو مان لیں، اس کے علاوہ مشرق میں جن گھرانوں کا مدار زراعت اور مویشی پر ہے ان میں بسا اوقات جب

(۱) تمدن عرب لیبان۔

Marfat.com

پہلی بیوی تنہا گھر اور کھیتی کا انتظام نہیں سنبھال سکتی تو وہ خود شوہر کو دوسری شادی کرنے پر مجبور کرتی ہے، افزائش نسل سے مشرقیوں کا شغف اس میں اور زیادہ مدد دیتا ہے، ان میں زیادہ اولاد کا نہ ہونا بڑی بدنصیبی سمجھا جاتا ہے، اس لیے بعض اس غرض سے بھی زیادہ شادیاں کرتے ہیں''۔

اس کے بعد لکھتا ہے کہ ''اس قسم کی شادیوں میں دو بیویوں کے درمیان رشک وحسد کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس قسم کے شکوک ہمارے یورپین اوہام نے پیدا کیے ہیں اور محض اس لیے کہ ہم دو شادیوں کو اچھا نہیں سمجھتے، رشک وحسد کا نہ ہونا محال سمجھتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ہمیشہ محض اپنے جذبات کے مطابق سوچتے ہیں، دوسروں کے جذبات اور نقطۂ نظر سے غور نہیں کرتے، چند نسلوں میں بہت سے پرانے اوہام ختم اور بعض نئے پیدا ہو جاتے ہیں، چنانچہ اگر ہم انسان کی اجتماعی زندگی کے اس دور پر نظر ڈالیں جب ایک خاندان کے متعدد مردوں میں ایک عورت مشترک ہوتی تھی، بلکہ اس کے بعد کے زمانہ سے لے کر اپنے زمانہ تک ان مقامات کو دیکھیں جہاں اب بھی یہ رواج موجود ہے، مثلاً ہندوستان کے بعض علاقے تو اس مسئلہ میں ہماری رائے بہت کچھ بدل جائے گی، اسلام نے صرف تعدد ازدواج میں عرب کی پرانی رسم کو قائم نہیں رکھا، بلکہ عورتوں کی حالت پر بہت اچھا اثر ڈالا، ان کا درجہ بلند کیا، ان کی اجتماعی حیثیت بلند کردی اور قرآن نے ہمارے بہت سے یورپین قوانین سے زیادہ عورتوں کا مرتبہ بڑھایا، اس نے عورتوں کی حالت سدھارنے میں جو کام انجام دیا ہے اس کا اندازہ کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ قرآن سے پہلے عورتوں کا جو حال تھا اس پر نگاہ ڈالیں''۔

اس کے بعد لیبان نے عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے بارہ میں قرآن مجید کی آیتیں نقل کی ہیں اور مسلمانوں کے اخلاق اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ تعدد ازدواج اور قضا وقدر کا عقیدہ مسلمانوں کے زوال کا سبب نہیں تھا، اس بحث میں وہ لکھتا ہے کہ ''کسی قوم کے اخلاق پر بحث کرنے کے لیے تنہا اس کے مذہب پر بحث کافی نہیں ہے، اس لیے کہ اخلاقی حیثیت سے دنیا کے تمام مذاہب کی تعلیمات پاکیزہ ہیں، اگر ان پر پورا عمل کیا جائے تو سارے روئے زمین پر عہد زریں

Marfat.com

سایہ فگن ہو جائے لیکن مختلف مذاہب کے مبادیات میں جن طریقوں کی پیروی کی جاتی ہے وہ ماحول، زمانہ اور قوم کے حالات اور دوسرے بہت سے اسباب کی بنا پر مختلف ہوتے ہیں، اسی لیے مختلف ومتضاد اخلاق رکھنے والی قومیں ایک ہی دین کی پیرو ہوتی ہیں، یہ اصول دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب پر جن میں اسلام بھی ہے، منطبق ہوتا ہے، پس قرآن کے اخلاقی قوانین تو مکمل ہیں لیکن قوموں کے طبائع، ماحول اور نسلوں کے اعتبار سے ان میں ان کی تاثیر مختلف ہو جاتی ہے، اسلام کے آغاز میں عرب اس زمانہ کی تمام قوموں خصوصاً نصرانیوں سے اخلاق میں زیادہ بلند تھے اور اپنی محکوم قوموں کے ساتھ عدل وانصاف، اعتدال ومیانہ روی، نرمی وملاطفت، رواداری، عہد کی پابندی اور دوسرے اخلاق عالیہ میں ممتاز تھے اور ان کے یہ اوصاف ان قوموں کے مقابلہ میں جن کی سیرت اس کے متضاد تھی، خصوصاً جنگ صلیبی کے زمانہ کے یورپینوں کے مقابلہ میں حیرت انگیز طریقہ سے روشن وتاباں تھے"۔

"اہل یورپ جن اثرات کو معمولاً اسلام کی جانب منسوب کرتے ہیں جب ہم ان کو مذہب کی جانب منسوب کرنا چاہیں تو یہ کہنا ہمارا فرض ہوگا کہ قرآن کا اخلاق انجیل کے اخلاق سے زیادہ بلند تھا، اس لیے کہ جو قومیں اسلام کی پیرو تھیں وہ اخلاق میں نصاریٰ سے زیادہ بلند تھیں اور مختلف اسباب وعوامل کی بنا پر جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں، مختلف مسلمانوں کا اخلاق نصاریٰ کے اخلاق کی طرح مختلف تھا جو بعض زمانوں میں انتہائی بلند تھا اور بعض میں انتہائی پست، مثلاً ترکوں کے عہد حکومت نے جس میں وہ اپنے محکوموں پر مختلف قسم کے سیاسی احکام مسلط کراتے رہے، ان کے مشرقی محکوموں کے اخلاق کو بہت پست کر دیا اور جن ملکوں میں ان کی حکومت رہی وہاں حکام اور رعایا کی خواہش نفس کا نام قانون تھا اور آدمی بہت سے چھوٹے ظالموں (۱) (حکام وارباب اقتدار) کے تیرستم کا نشانہ تھے، جن کا مقصد صرف دوسروں کی دولت چھین کر اپنا گھر بھرنا تھا اور

---

(۱) یعنی رعایا کے مختلف طبقے بھی اپنے زیردستوں پر ظلم کرتے تھے، لیبان نے ترکوں کے متعلق اس بیان میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ "م"

Marfat.com

اس کی کوئی شنوائی نہیں تھی، بغیر رشوت کے کوئی کام نہیں چلتا تھا اور مشرقیوں کے وہ اخلاق جن کی وجہ سے ترکوں کی محکومی ان کے مقدر میں لکھ گئی تھی، یقیناً بہت گرے ہوئے تھے لیکن قرآن کا دامن ان انحطاط سے اسی طرح پاک ہے، جس طرح ترکوں کی محکومی میں زندگی بسر کرنے والے نصرانیوں کے انحطاط سے انجیل بری ہے، اس بحث سے اہل یورپ کی اس عام رائے کی غلطی ظاہر ہوگئی کہ بعض مشرقی قوموں کی انتہائی اخلاقی گراوٹ کا سبب محمد کا دین ہے، یہ رائے بھی اس سلسلہ اوہام کا نتیجہ ہے جس کی ایک کڑی یہ ہے کہ تعدد ازدواج اور قضاوقدر کے عقیدہ کا قرآنی حکم لوگوں میں پستی اور بے حسی پیدا کرتا ہے اور محمد اپنا دین قبول کرنے والوں سے محض آسان فرائض کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ تمام باتیں بداہۃً غلط ہیں، تعدد ازدواج کی رسم محمدؐ سے صدیوں پہلی مشرقی قوموں میں رائج تھی اور قرآن دوسری مذہبی کتابوں سے زیادہ قضاوقدر کے عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا اور اس عقیدہ نے عربوں کے دلوں سے سعی وعمل کا جذبہ ختم نہیں کیا، انہوں نے اپنے عمل ہی کی بدولت ایک عظیم الشان حکومت قائم کی، اس لیے قرآن کے اخلاقی احکام بھی دوسری مذہبی کتابوں کے احکام کی طرح نہایت بلند ہیں''۔

اسی سلسلہ میں لیبان آگے چل کر لکھتا ہے کہ ''اگر مشرق میں مسلمانوں کی پستی کا سبب اسلام ہی تھا تو ہم کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ جو مشرقی تعدد ازدواج اور قضاوقدر کے عقیدہ کے قائل نہیں ہیں مثلاً شام کے عیسائی، وہ انحطاط سے کیوں نہیں محفوظ رہے، ہم کو کسی ایسے مصنف کا علم نہیں ہے جس نے مشرق کے حالات کا تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہو اور وہ اس کے اعتراف پر مجبور نہ ہوا ہو کہ شام کے عیسائیوں میں وہاں کے مسلمانوں سے زیادہ اخلاقی پستی ہے، اس لیے اب یہ وقت آگیا ہے کہ ہم اس کا اعتراف کریں کہ قرآن کا اخلاق بھی دوسرے مذاہب کے اخلاق کی طرح ہے اور اس کی پیرو قوموں کے اخلاق بھی شریعت مسیح کے پیرؤوں کے اخلاق کی طرح زمانہ اور قوموں کے اختلاف کی بنا پر بہت مختلف ہیں، ان دونوں مذہبوں کے ماننے والے مختلف اسباب وعوامل کا ہدف رہے ہیں، اس لیے ان میں دینی قوانین ہی سب سے بڑے عامل نہیں تھے، اس

Marfat.com

بحث سے سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کے ماننے والوں میں اس کا جتنا عظیم الشان اثر ظاہر ہوا اتنا کسی دوسرے مذہب نے اپنے پیروؤں میں کم پیدا کیا، قرآن کے ایسا دائمی اثر کسی مذہب میں بھی نہیں ہے، قرآن ہی وہ قطب ہے جس کے مدار پر مشرق کی زندگی گردش کر رہی ہے اور اس کا اثر زندگی کے تمام اعمال میں نمایاں ہے"۔

پردہ: سب سے بڑا مسئلہ جس پر اسلام کو ہدف ملامت بنایا جاتا ہے، وہ اسلامی ملکوں کی مسلمان عورتوں کا پردہ ہے، بعض شعوبیوں کا دعویٰ ہے کہ بعض اسلامی ملکوں کے انحطاط کا سبب عورتوں کا پردہ ہے، کیوں کہ وہ زندگی کے مادی اور عقلی میدان میں ان کو مردوں کے مقابلہ سے روکتا ہے اور پردہ نے کاہلی، سستی اور بہیمیت کی زندگی ان کے لیے مرغوب بنادی ہے، جس سے گھریلو زندگی کا نظام درہم برہم ہوگیا اور اولاد کی تربیت کی جانب توجہ باقی نہیں رہ گئی اور عورتوں کو محض مردوں کا آلہ تفریح اور ان کی دلچسپی کا کھلونا بنانے کی وجہ سے مسلمانوں پر مسلسل انحطاط طاری ہوگیا اور فطرت نے عورتوں کو جو حقوق عطا کیے ہیں ان سے فائدہ اٹھانے سے پردہ نے عورتوں کو روک دیا اور شریعت نے ان کا گلا گھونٹ کر قوم کے آدھے حصہ کو اجتماعی جدوجہد میں حصہ لینے سے محروم و معطل کر دیا"۔

یہ پردہ کے متعلق شعوبیوں کے دعوؤں کا خلاصہ ہے، درحقیقت قرآن مجید نے عورتوں کے اخلاق و آداب اور وقار کو محفوظ رکھنے، ان کو ابتذال اور غیر مردوں کے سامنے نمایش سے روکنے کے لیے جس پر خانگی زندگی کی مسرت کا مدار ہے اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو زمانہ جاہلیت کے برے عادات واطوار سے بچانے کے لیے ایک قانون بنایا ہے، خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو تکلیف سے محفوظ رکھنے کے لیے خاص قسم کا پردہ ان کے ساتھ اس لیے مخصوص رکھا کہ عام لوگ بغیر اجازت کے ان کے یا رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جائیں کیوں کہ عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق انتہائی دہقانیت کے ساتھ بے تکلف دوسروں کے گھروں میں چلے جاتے تھے، چنانچہ کلام مجید میں ارشاد ہے:

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ.

(نور۲۴: ۲۷-۲۹)

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت نہ حاصل کرلو اور ان کے مکینوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے بہتر ہے، (یہ بات تم کو اس لیے بتائی ہے) تاکہ تم اس کا خیال رکھو پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی نہ معلوم ہو تو ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے۔ اور اگر تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو یہی بات تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے، تم کو ایسے مکانوں میں جانے کا گناہ نہ ہوگا جن میں کوئی نہ رہتا ہو اور جن میں تمہارا کچھ سامان ہو اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو اور جو پوشیدہ طور پر کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب سے واقف ہے۔

دوسرے موقع پر ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو مگر جس وقت کھانے کے لیے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔

Marfat.com

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا (احزاب ۳۳: ۵۳)

لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ان کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور تم کو جائز نہیں کہ رسول اللہ کو کلفت پہنچاؤ اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح نہ کرو یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے۔

پہلی آیتوں کے معنی ظاہر ہیں، دوسری آیات میں مسلمانوں کو اس کی ممانعت کی گئی ہے کہ وہ بغیر اجازت کے جب تک ان کو دسترخوان پر نہ بلایا جائے وہ کھانے کے قصد سے یا باتیں کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اور آپ کی ازواج مطہرات کے پاس نہ جائیں تا کہ آپ کے پاس زیادہ دیر تک نہ ٹھہریں، یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد چلے جایا کریں اور جب کوئی بات پوچھنا ہو تو پردہ کی آڑ سے پوچھیں، اس لیے کہ جو لوگ کھانا کھانے کے بعد بھی نہیں ٹلتے تھے، ان سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی بیویوں سے نکاح نہ کریں، اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی ماں ہیں۔

ازواج مطہرات ضروریات کے لیے جب رات کو گھر سے نکلتی تھیں تو بعض منافقین

Marfat.com

ان کو چھیڑتے تھے جس سے ان کو تکلیف پہنچتی تھی، اس کی انہوں نے شکایت کی، منافقین سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ لونڈیوں کے دھوکے میں ایسا کرتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یَـآ اَیُّهَـا الـنَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَـاتِكَ نِسَـآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذَالِكَ اَدْنیٰ اَنْ یُّـعْـرَفْنَ فَلَا یُوْذِیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَحِیْمًا	اے نبی اپنی بیبیوں سے اور اپنی لڑکیوں سے اور دوسری مسلمان بیبیوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں تھوڑی نیچی کرلیا کریں، اس سے جلدی پہچان ہوجایا کرے گی تو تکلیف نہ دی جائے گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد ان کو حکم دیا گیا کہ وہ لونڈیوں کے لباس سے مختلف لباس استعمال کیا کریں، چادر سے اپنے کو چھپالیا کریں، عورت اپنے چہرہ پر بھی ڈوپٹہ ڈال لیا کرے اور دیکھنے کے لیے صرف ایک آنکھ کھلی رہے۔

قُـلْ لِّـلْـمُـؤْمِـنِیْـنَ یَـغُـضُّـوْا مِـنْ اَبْـصَـارِهِـمْ وَیَـحْـفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُـمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَـصْـنَـعُـوْنَ وَقُـلْ لِّـلْـمُـؤْمِـنَـاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا	اے پیغمبر تم مسلمانوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بیشک اللہ کو سب کی خبر ہے، جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر وہ جو اس میں عموماً کھلا رہتا ہے۔

Marfat.com

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ
بَنِيْٓ اَخَوَاتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ
اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرَاتِ
النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ
لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ
وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا
الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

اور اپنے ڈوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہیں اور اپنے پاؤں اس طرح زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اس آیت میں پردہ کا حکم ہے اور عورتوں کے جن گھر والوں کو ان کی زینت و آرائش دیکھنا جائز ہے ان کو بھی بتا دیا گیا ہے، مفسروں نے ''لیضربن بخمرھن علی جیوبھن" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ مقنع سے اپنی گردن اور سینہ چھپا لیا کریں لیکن اسی کے ساتھ شریعت نے عورتوں کو چہرہ، پورے ہاتھ بازو تک اور قدموں کو کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے، چہرہ کو کھلا رکھنے کی اجازت کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ پردہ کے وہی معنی لیے جائیں جو متاخرین نے لیے ہیں، ''لایضربین بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن" کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حرکات نہ کریں جس سے مردوں کو یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ عورت زیوارت اور پازیب وغیرہ پہنے ہے، پردہ کی دو آیتیں اور بھی ہیں۔

Marfat.com

يَانِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا، وَقَرْنَ فِیْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى.

(الاحزاب ۳۳:۳۱، ۳۲)

اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقوی اختیار کرو تو بولنے میں نزاکت مت اختیار کرو کہ اس سے ایسے شخص کو طمع پیدا ہو جاتی ہے جس کے دل میں خرابی ہوتی ہے اور قاعدہ کے موافق بات کہو اپنے گھر میں قرار سے بیٹھی رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق مت کرو۔

دوسری آیت یہ ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍۭ بِزِيْنَةٍ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ.

(النور ۲۴:۶۰)

اور بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت کا اظہار نہ کریں اور اس سے بھی احتیاط رکھیں جو ان کے لیے اور زیادہ بہتر ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

مذکورہ آیات میں جس حد تک پردہ کا حکم ہے، یہی دراصل اسلامی پردہ ہے۔

پرانی قوموں میں زمانہ قدیم سے بابل، اشوریہ، ایران، روم، ہندوستان اور بعض جاہلی عربوں میں پردہ کا عام رواج تھا، اسلام نے بھی اس کے مفید حصہ کو قائم رکھا، پھر اس کے بعد جب مسلمانوں میں تہذیب وتعیش پوری طرح پھیل گیا، اس وقت فتنہ کے خوف اور عورتوں کو آزاد منشوں سے بچانے کے لیے جس سے خانگی زندگی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، مسلمانوں نے عورتوں کو پردہ میں رکھنے کی ضرورت محسوس کی، اس کے بعد رفتہ رفتہ شام، عراق اور ایران

Marfat.com

میں جہاں قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا، اس کی شدت بڑھتی گئی اور پھر سارے اسلامی ملکوں میں پھیل گئی لیکن اس کا دائرہ زیادہ تر شہروں تک محدود رہا اور مختلف ملکوں کے حالات کے اعتبار سے ان میں پردہ کی شکلیں مختلف تھیں، جن ملکوں میں قدیم الایام سے پردہ چلا آتا تھا ان میں زیادہ سخت ہو گیا اور جن میں پہلے سے اس کا رواج نہیں تھا ان میں ہلکا رہا، مثلاً قوقاز میں آج بھی جب تک لڑکیوں کی شادی نہیں ہو جاتی وہ پردہ نہیں کرتیں، ابن بطوطہ نے شہر استرخان کے ذکر میں سلطان محمد اوزبک سے اپنی ملاقات کے حال میں لکھا ہے کہ محل کے اندر عورتیں کس آزادی سے چلتی پھرتی تھیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاتاریوں میں عربوں یا ان لوگوں سے جو اپنی تہذیب و تمدن میں عرب بن گئے تھے، کم پردہ تھا، اس لیے کہ تاتاریوں اور ترکوں میں متمدن عربوں کے مقابلہ میں بداوت تھی اور آج بھی تاتاریوں میں پردہ کی زیادہ اہمیت نہیں ہے، چنانچہ عثمانی ترکوں کی خواتین میں دوسری اسلامی سلطنتوں کی خواتین کے مقابلہ میں بہت کم پردہ تھا اسی لیے ان میں کمالی ترکوں کے انقلاب کو جو فرنگیوں سے بھی زیادہ سختی سے دفعۃً پردہ ختم کر دینا چاہتے تھے قبول کرنے کی صلاحیت پہلے سے موجود تھی۔

درحقیت رائج پردہ بھی مذہبی حیثیت سے زیادہ پرانے دستور اور عادتوں کا تابع ہے سخت قسم کا پردہ مسلمانوں کے انحطاط کے ابتدائی دور میں پیدا ہوا پھر اس وقت اور زیادہ سخت ہو گیا جب متوکل اور قادر باللہ عباسی عورتوں کو مسجدوں میں جانے اور عام جلسوں اور مجمعوں میں مردوں کے ساتھ ملنے جلنے سے حکماً روک دیا''۔

اسلامی تاریخ کے آخری دور میں یا اس سے بھی پہلے پردہ کی جو شکل ہو گئی اگر وہی اوائل اسلام میں بھی ہوتی تو صحابیات، تابعیات اور دوسری عرب خواتین اپنے شوہروں کے ساتھ لڑائیوں میں کس طرح جا سکتی تھیں، لڑائیوں میں مسلمان عورتیں نرس کے فرائض انجام دیتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور دوسرے مجاہدین کے ساتھ ان کو بھی مال غنیمت سے حصہ ملا، ان میں وہ عورتیں بھی تھیں جو لڑنے والوں کے جذبات شجاعت کو ابھارتی تھیں، ان کی

Marfat.com

پر محن زندگی کا بار ہلکا کرتی تھیں، ایسی بھی تھیں جو بے نقاب سفر کرتی تھیں، مثلاً سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ، ان کا حسن و جمال مشہور تھا، وہ بے تکلف مردوں سے ملتی تھیں، اگر اس زمانہ کی عورتیں شرعی حجاب سے زیادہ پردہ کی پابند ہوتیں اور چہرہ اور ہاتھ پاؤں چھپاتیں تو کیا حضرت عائشہ صدیقہ، دوسری ازواج مطہرات اور صحابہ عورتوں سے علمی استفادہ ممکن تھا۔

تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن سے بے پردگی کے حامی دلیل لاتے ہیں، اس لیے کہ ان کو یہ معلوم ہے کہ بعض عورتیں میدان جنگ میں جاتی تھیں اور فوج کے پیچھے بیٹھ کر مردوں کو ابھارتی تھیں اور جب کوئی شخص پیٹھ دکھاتا تھا تو اس کو مار مار کر واپس کرتی تھیں، پردہ کے حامی بھی اس سے واقف ہیں کہ قدیم زمانہ میں عورتوں میں ایسا پردہ تھا جس سے شریعت کے حکم کی بھی تعمیل ہو جاتی تھی اور سوسائٹی بھی اس کو ناپسند نہیں کرتی تھی، اس پردہ نے مسلمان عورتوں کو تحصیل علم، کسب معاش، سیاحت و سفر اور ان کاموں سے نہیں روکا جن پر ازدواجی زندگی کی مسرت اور خانہ داری کے انتظام کا مدار ہے اور نہ ان کو ان کی نسوانی فطرت سے خارج کر کے ایسی فطرت پر کر دیا جس کے فرائض وہ انجام نہیں دے سکتیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس زمانہ میں پردہ کی شکل اس سے مختلف تھی، جیسا آج کل دیہاتوں میں رائج ہے، حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے عورتوں کو اجنبی مردوں سے تنہائی میں ملنے جلنے اور غیر محرموں کے سامنے بناؤ سنگار کی نمایش سے منع کیا ہے اور کون عقل سلیم اس قسم کی آزادی کو پسند کر سکتی ہے، خلوت میں کسی اجنبی مرد سے عورت کی بے تکلفی کی ملاقات اور اپنے سنگار کی نمایش سے زیادہ جذبات کو برانگیختہ کرنے والی اور عقل اور شرم و حیا سے بعید اور کون سی بات ہو سکتی ہے لیکن اگر اسلام میں ایسا ہی سنگین رسمی پردہ ہوتا جس کی تصویر بعض لوگ کھینچتے ہیں کہ وہ عمل سے مانع ہوتا تو اس اسلامی تاریخ میں صحابیات کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک تعلیم یافتہ، محدثہ، واعظہ اور ادیبہ کی اتنی بڑی تعداد نظر آ سکتی تھی؟ بہت سی عورتوں نے ملکی انتظامات میں مردوں کی اور بیویوں نے بڑے بڑے کاموں میں اپنے شوہروں کی مدد کی ہے اور ان کے بہتیرے کارناموں

Marfat.com

میں ان کی تعلیم یافتہ بیویوں کا آدھا حصہ ہے۔

جاحظ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک جب تک ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم نہیں دیا گیا، عورتیں برابر مردوں سے باتیں کرتی تھیں، خود عہد نبوی میں خلفائے راشدین کی لڑکیاں اور ان کی مائیں گھروں میں چہرہ کھول کر گھومتی تھیں، حج کا فریضہ چہرہ کھولے بغیر پورا نہیں ہوتا، گفتگو کرنے میں مرد کی نظر عورت پر لازمی اور مسلسل پڑے گی، بشرطیکہ نظر سے مراد حرام نظر نہ لی جائے، مثلاً بالوں پر نظر ڈالنا، بدن سے ملے ہوئے کپڑے کو دیکھنا کپڑے یا چادر سے ڈھکے ہوئے حصہ پر نگاہ ڈالنا، جن کا دیکھنا شوہر اور ولی کے علاوہ دوسرے کے لیے حرام ہے، سلاطین اور اعیان واشراف کی لونڈیاں ضرورت کے لیے نکلتی بیٹھتی تھیں، دفاتر میں جاتی تھیں، مردوں کی صحبتوں میں شریک ہوتی تھیں......لوگوں کے سامنے بن سنور کر نکلتی تھیں لیکن کسی نے اس پر نکیر اور عیب چینی نہیں کی۔(۱)

اس میں شبہہ نہیں کہ پردہ نے فائدہ بھی پہنچایا لیکن اپنی اصل حقیقت سے دور ہو جانے کی وجہ سے بعض ملکوں میں آخر زمانہ میں اس سے نقصان بھی پہنچا اور پردہ کے نام پر بڑے مہلک اور افسوس ناک افعال کا ارتکاب کیا گیا، جس سے عورتیں ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئیں اور پردہ کی اصل حکمت ومصلحت ضائع ہوگئی، ورنہ اس کی حقیقی حکمت کا اعتراف بہت سے

---

(۱) گو مصنف بنیادی طور پر پردہ کے شرعی احکام کے قائل اور ان سے متفق ہیں لیکن بعض جزئیات میں ان کی رائے غلط ہے اور بعض مسلمان عورتوں کی بے حجابی کے واقعات سے ان کا استدلال صحیح نہیں ہے، نصوص کے مقابلہ میں کسی کا عمل بھی سند نہیں ہوسکتا، عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت حسن کی کوئی مذہبی حیثیت نہیں ہے، وہ صحابیہ بھی نہیں ہے، دوسرے ان کے متعلق جو واقعات اغانی وغیرہ میں ملتے ہیں وہ بہت مبالغہ آمیز ہیں، اسی سے جاحظ کی حیثیت کسی زمانہ میں بھی عالم دین کی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک آزاد مشرب ادیب تھے، اس لیے کسی مذہبی مسئلہ میں ان کا قول سند نہیں ہوسکتا ہے، خصوصاً ان کے رسالہ قیان سے جو انہوں ناچنے گانے والی عورتوں کے حالات میں لکھا ہے اور بھی استدلال غلط ہوگا۔''م''

Marfat.com

یورپین مؤرخین تک کو ہے۔

چنانچہ انگریز مصنف ہملٹن لکھتا ہے کہ ''اسلام کے احکام عورتوں کے بارہ میں نہایت واضح ہیں، انہوں نے عورتوں کو ہر اس چیز سے بچانے کی کوشش کی ہے جو ان کو تکلیف پہنچانے اور ان کی شہرت پر دھبہ لگانے والی ہو لیکن اسلام میں پردہ کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے جتنا بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ وہ عین حیا و غیرت اور وقار کے تقاضہ کے مطابق ہے''۔

یورپ کی اکثر عورتیں بے حجابی کے جس درجہ کو پہنچ گئی ہیں اور وہ جس طرح عام مجمعوں میں شارع عام پر اور راتوں کو جس بے تکلفی سے گھومتی ہیں، اس کو کسی طرح عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی اور باوجودے کہ یورپ اس کا صدیوں سے عادی ہے اور اس نے جس بے حیائی کو برضا و رغبت اختیار کیا ہے، پھر بھی اس میں فتنہ کا خوف ہے، مرد جتنا بھی مہذب ہو جائے پھر بھی مرد ہے اور عورت جتنی ترقی بھی کر جائے عورت ہی ہے، اس لیے اسلامی مشرق کو اس بارہ میں یورپ کے نقش قدم کی ہرگز نہ تقلید کرنا چاہیے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز مغرب کے لیے مناسب ہو وہ مشرق کے لیے بھی موزوں ہو اور نہ کسی قوم کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ دوسری قوموں کو اپنی قومی خصوصیات اور مخصوص عادات و اطوار کو بھی قبول کرنے پر مجبور کرے، خود یورپ میں تیرہویں صدی تک عورتوں میں ایک قسم کا پردہ تھا جو رفتہ رفتہ کمزور پڑ گیا اور آخر میں اس درجہ کو پہنچ گیا۔

یورپ کی بعض عورتیں بے حجابی میں ابتذال کے جس درجہ کو پہنچ گئی ہیں اس کو یورپ کے عقلا اور علمائے اخلاق بھی سخت ناپسند کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے ایسی اجتماعی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے ہٹ دھرمی کرنے والے بھی انکار نہیں کر سکتے، مثلاً اگر ذاتی جذبات و خواہشات کو الگ کر کے دیکھا جائے تو کون عقل سلیم مغربی رقص اور اس کے لوازم ہم آغوشی اور بوس و کنار وغیرہ کو پسند کر سکتی ہے، اگر اہل یورپ کے خیال کے مطابق رقص محض ایک فن ہے اور اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے تو مرد مرد کے ساتھ اور عورتیں عورتوں کے ساتھ کیوں رقص نہیں کرتیں، مرد کا عورت کے ساتھ ناچنا تو رقص کے بنیادی قواعد میں ہے اور شاذ و نادر ہی اس کے خلاف ہوتا

Marfat.com

ہے، اگر اس میں حجاب کی اتنی پردہ دری اور ناموس کی حفاظت سے اتنی آزادی نہ ہوتی تو فتنہ اس حد تک نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لیے بعض یورپین ملک اس بارہ میں اب تک سلامت روی پر قائم ہیں اور انہوں نے عورتوں کی بے حجابی کی بعض بے لگام آزادیوں کو روک دیا ہے، بعض قوموں میں عریانی کا رواج پھیل رہا ہے اور مرد عورتیں دونوں اس کے فوائد پر ایسے دلچسپ دلائل دیتے ہیں جن کو کوئی انسانی عقل قبول نہیں کر سکتی، عریانی تو انسانوں کو حیوانوں سے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔

مغرب میں آج بہت سے علما عورتوں کو گھر چھوڑ کر کارخانوں میں مردوں کے ساتھ اختلاط خصوصاً جنگ عظیم کے بعد کے حالات پر غم وافسوس کا اظہار کرتے ہیں، چنانچہ مشہور انگریز مصنف برٹرنڈ رسل لکھتا(۱) ہے کہ ''عورتوں کے پبلک ملازمتیں اختیار کر لینے کی وجہ سے خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر گیا، گذشتہ جنگ میں عورتیں بھی کسب معاش کرتی تھیں، جس سے ان کو اقتصادی آزادی حاصل ہوگئی اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اقتصادی آزادی ملنے کے بعد عورت تمام اخلاقی بندشوں سے بغاوت اور ایک مرد کی امینہ بن کر رہنے سے انکار کرتی ہے'' صموئیل سمیلز کا بیان ہے (۱) کہ ''کارخانوں میں کام کرنے والی لڑکیوں میں غور و فکر اور اصابت رائے کا مادہ بالکل باقی نہیں رہ گیا ہے، ان میں آزادی کا احساس بہت جلد ہو جاتا ہے، وہ اپنے والدین کا اخلاقی دباؤ ماننے سے بھی انکار کر دیتی ہیں اور گھروں کو چھوڑ کر اپنے ہم مشرب مردوں کی طرح رذائل میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور جس ماحول میں وہ زندگی بسر کرتی ہیں وہ حیوانی جذبات کی تحریک میں اور زیادہ مدد دیتا ہے، اس طرح وہ شر و فساد پھیلانے کا سبب بن جاتی ہے''۔

بلجیم کے ایک عالم کا بیان ہے(۳) کہ ''ہر زمانہ میں یہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں عورتوں کے لیے فطرت کے عطیہ سے فائدہ اٹھانے یا حصول شہرت کے مواقع پیدا ہوئے وہ آپے سے باہر ہو جاتی ہیں اور اس عفاف و پاکیزگی اور عزت و شرف کا جو ہر زمانہ میں عفت و عصمت کو عورتوں کا زیور سمجھتا رہا ہے استخفاف شروع کر دیتی ہیں، اسی لیے پرانے زمانے میں بھی بعض حکمراں خواتین

(۱) رسالہ الشباب المسلسون۔ (۲) کتاب اخلاق صموئیل سمیلز۔ (۳) رسالۃ الادب وعلوم الاخلاق والسیاست۔

Marfat.com

ایکٹرس، مصنفات اور دوسرے کام کرنے والی عورتوں نے عفت و پاکیزگی کو خیر باد کہہ دیا۔

غلامی: ہواپرستوں کی سب سے زیادہ توجہ اسلام میں غلامی کے جواز پر ہے، حالاں کہ اس کا رواج تمام پرانی قوموں بلکہ خود یورپین اقوام میں بھی مدتوں رہا ہے، غلامی تو انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی (۱) اور ہر زمانہ اور ہر قوم میں رہی بلکہ اب تک ہے، فالیری کا بیان ہے کہ ''اسلام کے غلامی کو قائم رکھنے کی بنا پر اس کے دشمنوں نے اس کا مرتبہ گھٹانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس پر یورپین سیاحوں کا اتفاق ہے کہ غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، اس سے کہیں بہتر رہا ہے، جیسا یورپ میں سمجھتا جاتا ہے، یہ انصاف نہیں ہے کہ مشرق میں جو غلامی رائج ہے، اس کا قیاس بھی امریکہ کی رائج غلامی پر کیا جائے جب ہم اس مسئلہ پر تاریخی نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بارے میں بھی عجیب وغریب امتیاز اور تفوق حاصل ہے، آپ کا یہاں تک حکم ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص بھی لونڈی غلام نہ کہے بلکہ میرا بیٹا اور میری بیٹی کہے'' اس سے بڑھ کر انسانیت اور کیا ہو سکتی ہے''۔

حضرت موسیٰ کی شریعت میں غلامی تھی اور سات برس تک غلام پابند رکھا جاتا تھا، اس کے بعد آزاد کیا جاتا تھا، اس وقت اس کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا تھا، رومن قانون میں آقا کو غلام پر اتنا اختیار حاصل تھا کہ وہ چاہے اس کو زندہ رکھے یا مار ڈالے، رومنوں کے بعض زمانوں میں غلاموں کی تعداد آزاد لوگوں کے مقابلہ میں تین چوتھائی تک پہنچ گئی تھی، اس کے مقابلہ میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ ''عرب کو سرے سے غلام ہی نہیں بنایا جاسکتا، غلام ہمیشہ غیر عرب ہوگا خواہ اس کو خریدا گیا ہو یا جنگ میں حاصل ہوا ہو، اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے بڑی سہولتیں پیدا کردی ہیں، چنانچہ غلام آزاد کرنے کو بہت پسند کیا ہے اور آزاد کرنے والوں کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا ہے، کتاب وسنت میں غلامی اور غلاموں کے ساتھ لطف ومدارات اور حسن سلوک کی اتنی آیتیں اور حدیثیں ہیں کہ غلام اپنے کو آقا کے گھر کا ایک فرد تصور کرسکتا ہے، مسلمان غلاموں کے

---

(۱) اڈورڈ وسٹر مارک کی کتاب ص ۹۳۔

Marfat.com

ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو خود اپنی ذات کے ساتھ کرتے ہیں، ان کو اچھی طرح کھلاتے پہناتے ہیں، تعلیم دیتے ہیں، تہذیب سکھاتے ہیں، مراتب بڑھاتے ہیں، ان کی آزادی میں عجلت کے لیے غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ شادی کرتے ہیں، قرآن مجید نے غلام آزاد کرنے کو بڑی عبادت قرار دیا ہے، اسلام کے پیشتر ساری دنیا کے لونڈی غلام بڑے مصائب میں مبتلا تھے، سب سے پہلے اسلام ہی نے ان بدبختوں کے لیے جو کسی کی غلامی میں اسیر ہو جاتے تھے، آزادی کی راہ نکالی، مشرق و مغرب دونوں خصوصاً روما میں بردہ فروشی کے بڑے بڑے بازار تھے اور روم کے بردہ فروش مفتوح قوموں کے لڑکوں کو غلام اور ان کی عورتوں کو فوجیوں کی ہوس کا نشانہ بنانے کی غرض سے رومن فوجوں کے ساتھ جاتے تھے۔

وسٹر مارک لکھتا ہے کہ ''یورپین مؤرخین نے اس مسئلہ میں بڑے مبالغہ سے کام لیا ہے کہ کلیسا نے غلاموں کے ساتھ بڑی نرمی کا سلوک کیا ہے، حالاں کہ تیرہویں صدی عیسوی تک یورپ میں آقا کو غلام کو مارنے اور زندہ رکھنے کا پورا قانونی حق حاصل تھا اور ساری عیسائی دنیا میں دوسری تجارتی چیزوں کی طرح غلاموں کی تجارت بھی ہوتی تھی......ان کو تعلیم حاصل کرنے کی ممانعت تھی جو غلام اس کے خلاف کرتا تھا اس کو بڑی سنگین سزا دی جاتی تھی، کیوں کہ لوگ ان کی جہالت سے جو فوائد اٹھاتے تھے اور وہ ان سے جو کام لیتے تھے وہ حصول تعلیم کے بعد نہیں لے سکتے تھے''۔

اسلام کے ابتدائی دور میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے لونڈی غلاموں کی بھی بڑی زیادتی ہوگئی تھی، لیکن لونڈیوں کو بڑے بلند مرتبہ عربوں نے بیوی بنا لیا اور ان کے بطن سے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں (۱) انہوں نے دو قوموں

---

(۱) جاحظ کا بیان ہے کہ شروع میں لونڈیوں کی جانب لوگوں کی رغبت نہیں تھی لیکن جب قاسم بن محمد بن ابی بکر، سالم بن عبداللہ بن عمر، علی بن حسین بن علی جیسے بڑے بڑے لوگ ان کے بطن سے پیدا ہوئے جن کی مثال نہ صرف حجاز و عراق بلکہ دنیا میں نہیں تھی تو لونڈیوں کی جانب لوگوں کا میلان ہو گیا، امیر معاویہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسلمان یزید کی بیعت نہ کر چکے ہوتے تو میں قاسم اور محمد کی بیعت خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کر دیتا، آل مروان میں (باقی آئندہ صفحہ)

Marfat.com

میں پیوند لگا کر عربوں کی رگوں میں نیا خون پیدا کردیا، غلاموں کو آزاد کرنے کے بعد بھی آقا پر ان کا حق باقی رہتا ہے، جس سے آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ولا کا تعلق نسبی خون کی طرح ہے، غلام عموماً روم، ایران، حبشہ اور سوڈان وغیرہ ان بڑی قوموں کے ہوا کرتے تھے جن سے عربوں کی معرکہ آرائیاں ہوتی تھیں، ان آزاد کردہ غلاموں میں بعض وہ ہوتے تھے جو اسلام قبول کر لیتے تھے، یا غلام ہونے کے بعد آزاد کردیے جاتے تھے، جنگی قیدیوں کے لڑکوں کی مسلمان پرورش کرتے تھے اور ان کو قرآن وحدیث کی ایسی اعلیٰ تعلیم دیتے تھے کہ ان کا علمی درجہ عرب صحابہ اور اکابر تابعین کے برابر ہو جاتا تھا جس کی صدہا مثالیں ہیں، کوئی ایسا شہر نہیں تھا جس میں آزاد کردہ غلام اساتذہ کی بڑی تعداد نہ رہی ہو، بعض شہروں میں تو عرب فقہا کے مقابلہ میں بھی ان کی تعداد زیادہ تھی۔

آزاد کردہ غلاموں کا درجہ عربوں میں خالص آزاد لوگوں سے کچھ کم اور خالص غلاموں سے اونچا تھا، آزاد کردہ غلاموں کی دو قسمیں تھیں، مولیٰ عتاقہ اور مولیٰ تباعہ، مولیٰ عتاقہ وہ کہلاتے تھے جو دراصل غلام یا قیدی ہوتے تھے اور آقا ان کو آزاد کردیتا تھا اور یہ آزاد کردہ غلام آزاد کرنے

(پچھلا صفحہ کا) عبدالملک جیسا مدبر، عمر بن عبدالعزیز جیسا عادل اور عابد و زاہد و سلامت رو، مسلمہ بن عبدالملک جیسا بہادر، شائستہ، حلیم اور کشور کشا دوسرا نہیں تھا اور یہ تینوں لونڈیوں کے بطن سے تھے، خود حضرت اسماعیلؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی ماں حضرت ہاجرہ لونڈی تھیں، شیعوں کے چار امام علی بن حسین، موسیٰ بن جعفر، علی بن موسیٰ اور محمد بن علی بن موسیٰ لونڈیوں کے بطن سے تھے، عباسی خلیفہ کی بڑی تعداد جو اہل سنت کے خلیفہ تھے لونڈیوں کے بطن سے تھی، بلکہ ثعالبی کے بیان کے مطابق ان میں صرف ایک سفاح آزاد خاتون کے بطن سے تھے، باقی سب کی مائیں لونڈیاں تھیں"۔

مصنف نے تو یہ صرف چند مثالیں دی ہیں ورنہ مسلمانوں کی تاریخ لونڈی زادوں بلکہ غلاموں کی عظمت سے بھری ہوئی ہے اور تخت سلطنت اور مسند علم سے لے کر فقر و درویشی کے بوریہ تک کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس میں غلاموں میں بڑے بڑے نامور نہ پیدا ہوئے ہوں۔ (م)

Marfat.com

والے آقا کا مولیٰ کہلاتا تھا اور مولیٰ تابعہ وہ غلام کہلاتے تھے جو آقا سے اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کر لیتے تھے، فقہ کی کتابوں میں اس زمانہ سے بہت پہلے جب انگلینڈ نے گذشتہ صدی میں ساڑھے سات لاکھ انسانوں کو آزاد کرانے کے لیے (جس میں نصف بڑی مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے تھے) بیس ملین پونڈ صرف کیے، غلامی کے مسئلہ پر مستقل ابواب موجود ہیں، جن کو آج کل لوگ بہت کم پڑھتے ہیں، یہ ہے اسلام کی غلامی کی حقیقت، جس کا ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، درحقیقت غلامی کا مسئلہ قدیم زمانہ میں ہر سوسائٹی کے لیے خواہ وہ وحشیوں کی رہی ہو یا مہذب لوگوں کی، بڑی اہمت رکھتا تھا، افریقہ اور ایشیا کے ان حصوں میں جن کی حیثیت آج یورپ کی نوآبادیات کی ہے، آج بھی دوسری شکل میں غلامی رائج ہے اور کالے اور سرخ چمڑے والے، گورے چمڑے والوں کی اسی طرح ملکیت ہیں جیسی ملکیت قدیم زمانہ میں آقا کی غلام پر ہوتی تھی۔

ان اوراق میں اس مسئلہ پر زیادہ تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے لیکن بحیثیت مؤرخ ہمارا فرض ہے کہ اس سلسلہ میں ہم انگریزوں، فرانسیسیوں، جرمنوں اور پرتگالیوں کے ان مظالم کی جانب اجمالی اشارہ کر دیں جو انہوں نے افریقہ کی سیاہ فام قوموں پر کیے ہیں اور جیسی جیسی سنگین سزائیں ان کو دی ہیں۔

انگریزوں نے ایک سادہ مزاج، صاف دل اور گلہ بان قوم سے جو باتیلیوں کہلاتی ہے بڑی چالاکی سے ایک معاہدہ پر دستخط لے کر اس کو اس کے سارے مادی وسائل سے محروم کر دیا، تمام سپید فام قومیں کسی ملک کی طبعی دولت پر قبضہ جمانے اور مختلف حیلوں سے ان پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے ان ملکوں میں زیادہ مداخلت کرتی ہیں جن کے باشندوں میں ان کے مقابلہ ومدافعت کی طاقت نہیں ہوتی، بلجیمی کانگو اور فرانسیسی کانگو کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں نے اس کی دولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے کیسے کیسے بدترین طریقے اختیار کیے، کن کن طریقوں سے ان کو غلام بنایا اور اہل ملک کی املاک پر قبضہ کرنے کے بعد پھر ان سے ٹیکس میں کاوشک (۱) حوالہ کرنے

(۱) ایک قیمتی عرق کا نام ہے۔

Marfat.com

کا مطالبہ کیا جس کا وہ لوگ یورپ کی مصنوعات اور دوسرے سامان تجارت سے تبادلہ کرتے تھے اوران سفید فاموں نے اس قیمتی عرق کو کثیر مقدار میں حاصل کرنے کے لیے ان ننگے، بھوکے زنگیوں پر طرح طرح کے مظالم کیے، ان کو مارتے تھے، طرح طرح کی سزائیں دیتے تھے، ان کا مال چھین لیتے تھے، ان کی عورتوں کو بے عزت کرتے تھے، ان کو بھوکا رکھتے، ان مظالم کی وجہ سے بہتوں نے گھر بار اور وطن تک چھوڑ دیا اور ملک اپنے اصلی باشندوں سے خالی ہو گیا۔(۱)

ایک عیسائی مبلغ کا بیان ہے کہ ''یورپینوں نے سیاہ فام نسلوں پر ایسی ایسی زیادتیاں کی ہیں جن کا وہ کوئی کفارہ بھی ادا نہیں کرسکتے، موگوی، چالوہ اور نکومی وغیرہ بہت سے سیاہ فام قبائل سپید فام بردہ فروشوں کے مظالم کی وجہ سے مٹ گئے، یہ لوگ مختلف حیلوں سے ان کے لڑکوں کو پکڑ کر غلام بنا کر بیچتے تھے، ان تاجروں کو سب سے زیادہ منافع، اسلحہ، بارود اور نشہ آور چیزوں کی تجارت سے ہوتا تھا اور ان کے ذریعہ ان قوموں میں جو فسق و فجور پھیلا اس نے ان کو بالکل مٹا دیا''۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس بیسویں صدی میں جو دردناک غلامی موجود ہے اس کے مقابلہ میں قدیم غلامی کی حالت کچھ زیادہ قابل رحم نہیں تھی۔

مسکرات: شارع نے شراب کی ممانعت میں تدریج سے کام لیا ہے، چنانچہ جب شراب اور جوئے کے بارہ میں سوال کیا گیا تو قرآن نے اس کا یہ جواب دیا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ (البقرۃ ۲: ۲۱۹)	تم سے شراب اور جوئے کے بارہ میں پوچھتے ہیں اس کے جواب میں کہہ دو کہ اس میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے بعض فوائد بھی ہیں لیکن ان فوائد کے مقابلہ میں ان کا گناہ بڑا ہے۔

(۱) جدید دنیائے اسلام، سٹروپ، اسٹووارڈ۔

Marfat.com

اس کے بعد نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ. (النساء۴: ۴۳)	اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ نماز میں تم جو پڑھتے ہو اس کو نہ سمجھنے لگو۔

اس کے بعد ممانعت کا تاکیدی حکم وارد ہوا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ. (المائدۃ۵:۹۰-۹۲)	اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو چاہتا ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں بغض وعداوت پیدا کردے اور اللہ کی یاد اور نماز سے باز رکھے، تو کیا تم ان سے باز نہ آؤ گے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت کا حکم نازل فرمایا اس وقت مدینہ میں صرف کھجور کی شراب استعمال کی جاتی تھی۔

شراب نوشی جاہلیت کی ان عادتوں میں سے تھی جس کو اسلام نے بالکل ختم کردیا، اس کے مقابلہ میں بعض پرانی عادتوں اور دستوروں کو برقرار رکھا اور کھانے پینے کی جن چیزوں میں مضرت ثابت ہوئی ان کو حرام قرار دیا، مثلاً۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ. (المائدۃ۵:۳)	تم پر حرام کیے گئے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو

Marfat.com

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ.
(مائدہ ۵:۳)

اور گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو کسی ضرب سے مرجائے اور جو اونچے سے گر کر مرجائے اور جو کسی ٹکر سے مرجائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن ان میں سے جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے۔

درحقیقت اب مسکرات کی اصلاح اور اس کو بالکل ختم کردینے کا مسئلہ مختلف فیہ نہیں رہ گیا ہے اور مغربی قوموں پر بھی اس کی مضرت ظاہر ہوگئی ہے، چنانچہ اس کی عقلی وجسمانی مضرتوں اور سوسائٹی کے حق میں اس کے نقصانات کی وجہ سے ہر ممکن طریقہ سے وہ اس کی مخالفت کر رہی ہیں، فرانس کا مشہور سیاست داں کلیمنصو کہتا ہے کہ ''الکحل کی جتنی مقدار ہمارے زمانہ کے لوگ استعمال کرتے ہیں وہ سم قاتل ہے اور انسان کے نشاط اور چستی اور مستعدی کو برباد اور سوسائٹی کو تباہ کردیتی ہے'' ہریوٹ لکھتا ہے(۱) کہ ''پاگل خانوں کے پاگلوں کی بڑی تعداد الکحل کے استعمال کا نتیجہ ہے یہ لوگ حکومت پر بڑا مالی بار ڈالتے ہیں، اگر وہ ان کے بجائے محتاجوں اور فقیروں پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، جو قوم بھی اس بے عقلی پر قائم رہے گی وہ اپنے آپ کو تباہ کردے گی''۔

سب سے عجیب وغریب ایک امریکن عالم کی یہ رائے ہے(۲) کہ ''مسلمانوں کی شراب نوشی کے زمانہ میں ان کی تہذیب عروج پر تھی اور اس نے بڑے فاتحانہ اور دماغی وفکری کارنامے انجام دیے، مسلمان ایک شراب نوش قوم کے فرزند ہیں، اسپین میں ان کے فاتحوں کی شرابیں ملقہ اور شریش مشہور تھیں لیکن جب سے مسلمانوں نے پندرہویں صدی سے شراب کے بجائے قہوہ کا استعمال شروع کیا تو اس کے تین ہی صدیوں کے بعد اسلامی تہذیب اوج وعظمت سے پستی کے غار میں گرگئی''۔

---

(۱)-Herriat Creer (۲) فلسفہ تمدن ٹوبیز۔

Marfat.com

ایسی رائے بلاشبہ ایک بلانوش ہی کی ہو سکتی ہے جس کا ذوق مے نوشی فریفتگی کی حد تک پہنچ گیا ہو اور اس پر یہ شاق گذرتا ہو کہ شراب کی مضرتوں کی وجہ سے اس کی قوم اس کی بندش کر رہی ہے، اس سے زیادہ احمقانہ خیال اور عقل کو گمراہ اور تاریخ کو مسخ کرنے والی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ روئے زمین کی تمام تہذیبیں شراب نوش قوموں کے ہاتھوں کمال کو پہنچیں، جن میں مسلمان بھی ہیں اور تہذیب و تمدن میں اس کا پایہ اس لیے اونچا تھا کہ وہ شراب کے رسیا تھے، حالاں کہ یہ مسلم ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں شاذ و نادر ہی کوئی شراب پیتا رہا ہو، بلکہ زمانۂ جاہلیت میں بھی کچھ لوگ اپنے وقار کے تحفظ کے لیے شراب سے پرہیز کرتے تھے، اس لیے اسلام کی حکومت قائم ہونے کے بعد شراب نوشوں پر حد جاری کرتے ہیں، عرب بڑے سخت تھے بعض کتابوں میں بعض امرا، خلفا اور بڑے لوگوں کے محلات میں شراب نوشی کی محفلوں کے جو حالات ملتے ہیں ان میں بڑا مبالغہ ہے، بلکہ ان میں سے بہتیرے افسانے مسلمہ طور پر گڑھے ہوئے ہیں (۱) ان کا مقصد لطیفہ گوئی یا ان خلفا و سلاطین کی تحقیر تھی، اس لیے کہ اُس زمانہ میں بھی عقلاً ہوشربا چیزوں کا استعمال معیوب سمجھا جاتا تھا، بلکہ اسلامی تاریخ کے واقعات سے اس امریکن کی رائے کے بالکل برعکس یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو سلاطین و امرا شراب نوشی میں زیادہ مبتلا ہوئے ان کی مدہوشی ہی ان کی حکومت کے زوال اور خاتمہ کا سبب بن گئی، ان کی مدہوشی کی وجہ سے ان کے قول و فعل میں کوئی وزن باقی نہ رہ گیا تھا، وہ خود تو شراب میں مست رہتے تھے اور حکومت کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کرتے تھے جو بعد میں خائن نکلتے تھے جس سے ان کے دشمنوں کو موقع مل جاتا تھا۔

یہ امریکن مصنف گری ہوئی قوموں کو ابھارنے کے لیے شراب کی معجز نمائی کی مدح و توصیف میں حد سے کس قدر آگے بڑھ گیا ہے، مصنف کی جلالت قدر کے باوجود جیسا کہ اس کی

---

(۱) ان واقعات میں ایک اور غلط فہمی بھی اکثر ہوتی ہے وہ یہ کہ تاریخوں میں زیادہ تر نبیذ نوشی کے واقعات ملتے ہیں جن کو شراب یعنی خمر سمجھنا صحیح نہیں ہے، عربی میں شرب و شراب ہر رقیق مشروب کے لیے آتا ہے، خواہ وہ شربت ہی کیوں نہ ہو، اس لیے شرب و شراب سے خمر سمجھنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ خمر کی تصریح نہ ہو۔ ''م''

Marfat.com

تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے، اس قسم کی عجیب و غریب رائے ظاہر کرنا حد درجہ حیرت انگیز ہے، گذشتہ صدی کا ایک انگریز مصنف بنتھم لکھتا (۱) ہے کہ ''شراب شمالی اقلیم کے باشندوں کو بے وقوف کے مانند اور جنوبی اقلیم کے آدمیوں کو پاگل کی طرح بنا دیتی ہے، اس لیے پہلی اقلیم میں اس کے استعمال پر معمولی سزا پر اکتفا کرنا چاہیے کہ اس کی حیثیت محض ایک برے کام کے ارتکاب کی ہے لیکن دوسری اقلیم میں وہ بغاوت کے مشابہ ہے، اس لیے نہایت سختی سے اس کا تدارک کرنا چاہیے، محمدؐ کے دین نے تمام نشہ آور مشروبات کو حرام قرار دیا ہے جو اس کے بڑے محاسن میں ہے''۔

انگریز پادری اسحٰق ٹیلر افریقہ میں اسلام کی اشاعت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اسلام جہاں بھی جاتا ہے اس کے ساتھ اس کے فضائل و محاسن بھی جاتے ہیں، جود و کرم، عفاف و پاک دامنی اور تہور اس کے نقش قدم اور شجاعت و بہادری اور حوصلہ مندی اس کی فوج اور اس کے اعوان و انصار ہیں'' اس سلسلہ میں وہ اس پر افسوس ظاہر کرتا ہے کہ عیسائی مبلغین کی دعوت کی اشاعت کے ساتھ ساتھ افریقہ کے باشندوں میں نشہ کا استعمال، جوا اور فحش بھی پھیلتا جاتا ہے'' پھر لکھتا ہے کہ وہ نصرانیت کے مقابلہ میں اسلام کو اس لیے اختیار کرتا ہے کہ نصرانیت میں نشہ کا استعمال ہے اور اسلام میں نہیں ہے، مونٹیو لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی شریعت نے مسکرات کے استعمال کو جو ممانعت کی ہے اس کو قائم رکھیں کہ اس سے ان کی قوت اور ان کا اتحاد و استحکام وابستہ ہے''۔

سود: مسلمانوں کے بعض ''خیر اندیشوں'' کا دعویٰ ہے کہ سود سے ان کی کنارہ کشی ان کے افلاس اور کمزوری کا سبب ہے، حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ جب سے انہوں نے سود کے مسائل میں اپنے نفس کو دھوکہ دے کر اس کے لینے کے بہانے تراشنا شروع کیے اور سود کی حرمت کی صریح آیتوں کو بھلا دیا اس وقت سے ان کی دولت گھٹنے لگی اور وہ پستی اور فقر و فاقے میں مبتلا ہو گئے، دولت کام سے حاصل ہوتی ہے، تنہا روپیہ سے نہیں، وہ صرف لین دین کا ایک ذریعہ اور محض ہاتھوں میں

---

(۱) روح الشرائع بنتھم، تعریب فتحی زغلول۔

Marfat.com

گردش کرنے کے لیے ہے، جمع کرنے اور خزانہ بنانے کے لیے نہیں ہے۔

اسلام نے سب سے زیادہ جنگ دو نے اور چو گنے سود کے مقابلہ میں کی ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ص وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران۳: ۱۳۰)

اے ایمان والو! دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ شاید تم پرہیزگاری حاصل کرسکو۔

دوسری آیت میں سود کی مطلق حرمت کا حکم ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. (البقرہ۲: ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن اپنی قبروں سے) اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دے (یعنی حیران ومدہوش) یہ سزا ہوگی ان لوگوں کی جنہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی سود کی طرح ہے، حالاں کہ اللہ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے، پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی جانب سے نصیحت پہنچی ہو اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اس کا رہے گا اور باطنی معاملہ اس کا خدا کے حوالہ ہے اور جو شخص پھر عود کرے گا تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

Marfat.com

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ. (البقرہ۲: ۲۷۶)

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اللہ کسی کفر کرنے والے اور گناہ کرنے والے کو معاف نہیں کرتا۔

ان ہی آیات میں آگے چل کر ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ، وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ. (البقرہ۲: ۲۷۷-۲۸۰)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر سود کا جو بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان لائے ہو، پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارا اصل مال مل جائے گا، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا اور اگر تم تنگدست ہو تو مہلت دینے کا حکم ہے۔

یہ آیات سود کی حرمت کے بارہ میں ایسی صریح ہیں جن کے لیے کسی تشریح کی ضرورت نہیں، مفسرین نے ''الذین یاکلون الربٰو لا یقومون الا کما یقوم الذین یتخبطه الشیطٰن من المس'' کی تفسیر میں لکھا ہے کہ سود خوار قیامت میں اپنی قبروں سے صرع کے مریض کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے اٹھیں گے اور اس جنون کی وجہ سے جو سود خواری کی وجہ سے ان میں پیدا ہو جائے گا، وہ سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے اور اٹھنے کی کوشش میں ان کا گر پڑنا بالکل صرع کے مریض کی طرح ہوگا، اس کی وجہ یہ بھی ہوگی کہ انہوں نے جو سود کھایا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو بھاری کر دے گا۔

دین داروں نے سود کے جو نقصانات بیان کیے ہیں، ان کے علاوہ ہم دنیا داروں کو بھی اس میں بڑی بلائیں اور مصیبتیں نظر آتی ہیں، ہم نے بہت سے سود خواروں اور ان کی اولاد کو جنون

Marfat.com

یا مراق میں مبتلا دیکھا ہے اور اس کی بہت سی مثالیں اس زمانہ میں موجود ہیں، اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ سود خوار کے جذبات میں توازن و اعتدال باقی نہیں رہ جاتا، وہ کبھی حد سے زیادہ خوش ہو جاتا ہے، کبھی بہت زیادہ رنجیدہ، اس کا مقصد محدود ہوتا ہے اور اس کا ذہن و دماغ ایک خاص دائرے سے باہر نہیں نکلتا اور وہ ہر وقت ننانوے کے پھیر میں مبتلا اور زمانہ کے حوادث و گردش سے ہر وقت خائف و ہراساں رہتا ہے، جس کی عقلی فکر کا میدان اس قدر تنگ ہو اس کی قوت فکر کمزور ہو جاتی ہے اور جس کی قوت فکر کمزور ہوتی ہے اس کے وسوسے اور خطرات بڑھ جاتے ہیں اور طبیعت میں بشاشت و شگفتگی باقی نہیں رہ جاتی اور ایک قسم کا حمق اور بلادت پیدا ہو جاتی ہے، ایسے شخص کی اولاد ہمیشہ کم عقل اور حواس باختہ ہوگی اور وہ اپنی موروثی دولت کے سہارے زندگی بسر کرنے پر قناعت کرے گی، بلکہ کبھی دولت جمع کرنے والے کی زندگی ہی میں ساری دولت تلف ہو جاتی ہے اور اس کو خسارے اور ناکامی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

شارع نے سود کو سات مہلک چیزوں میں شمار کیا ہے اور شرک، جادو، قتل ناحق، سود خواری، یتیم کے مال کھانے، میدان جنگ سے منہ موڑنے، پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور ''اللہ تعالیٰ نے سود کھانے اور کھلانے والے دونوں پر لعنت بھیجی ہے'' اور اب تو خود زمانہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سود خواری میں یورپ کا غلو دولت کی تباہی کا سبب ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سود کی مقدار کی زیادتی جس سے بہت کم سودی کاروبار خالی ہوتے ہیں، صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت سے زیادہ نفع دیتی ہے، اس لیے تنہا اسی پر اعتماد کر لینا سوسائٹی کے لیے بڑے نقصان اور دوسرے نفع بخش کاموں کے لیے سخت مہلک ہے، لوگ جب دیکھتے ہیں کہ سودی کاروبار میں بغیر کسی محنت و مشقت کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے اور مال کے ضائع جانے کا خطرہ بہت کم رہتا ہے اور اگر کبھی نقصان ہوا بھی تو دوسرے کاروبار کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے، اس سہولت کی وجہ سے وہ تجارت، زمین کی آبادکاری اور اس کی پیداوار سے فائدہ اٹھانے کے پُر مشقت کاموں کو چھوڑ کر سودی کاروبار میں لگ جاتے ہیں، سود فطرت کے بھی خلاف ہے

Marfat.com

اور جب انسان کو بغیر محنت کے نفع ہوتا ہے تو وہ اس کو اڑاتا بھی بے دریغ ہے، مثلاً جواریوں کو بہت آسانی سے دولت حاصل ہوتی ہے اس لیے وہ عموماً فیاض ہوتے ہیں لیکن جب کبھی نقصان ہوتا ہے تو اصلی سرمایہ بھی ختم ہو جاتا ہے، ہم نے خود شام کے بہت سے ایسے گھرانے کو دیکھا ہے جو بڑی خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر جب وہ سودی کاروبار میں غرق ہو گئے تو ان کی ساری دولت ڈوب گئی، اس میں مسلمان، یہودی اور عیسائی کسی کی تخصیص نہیں، سب برابر ہیں، بینکوں کا سودی کاروبار دولت کی تباہی میں جوئے کے مشابہ ہے۔

البتہ اسلام نے نقد مال سے فائدہ اٹھانے کی اس شرط پر اجازت دی ہے کہ پہلے سے نفع متعین نہ کیا جائے، مثلاً سیونگ بینک میں روپیہ جمع کرنا (۱) مگر ربا فاحش (یعنی سود کی زیادتی میں مطلق العنانی کو ممنوع قرار دیا ہے، اس لیے اسلام میں ربا نسیہ یعنی وہ زیادتی حرام ہے جو قرض خواہ قرض کی ادائیگی کی مدت کی توسیع کے معاوضہ میں لیتا ہے، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اتنی زیادہ (۲) ہو کہ گھروں کو تباہ اور آپس کے مہر و محبت اور امداد باہمی کی خوبیوں کو ختم کر دے لیکن ربا الفضل میں کوئی نقصان نہیں ہے، اس لیے فقہا یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کی تعبدی (۳) حرمت کے معنی سمجھ میں نہیں آتے، چنانچہ زجاج نے:

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (الروم ۳۰: ۳۹)	اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

---

(۱) مگر سیونگ بینک میں بھی سود کی شرح متعین ہوتی ہے، ممکن ہے شام میں یہ صورت نہ ہو، اس سے کم از کم ہندوستان میں تو سیونگ بینک کا منافع سود ہی میں داخل ہے۔ (مترجم) (۲) مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں، سود کی ہر قسم خواہ اس کی مقدار کتنی ہی ہو حرام ہے۔ (مترجم) (۳) تعبدی اس حکم کو کہتے ہیں جس کی حکمت و مصلحت نہ بیان کی جائے اور محض شرعی حکم ہونے کی وجہ سے اس کا ماننا ضروری ہو۔

Marfat.com

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس ربا سے مراد وہ ادھار ہے جو اس لیے دیا جائے کہ اس سے زیادہ وصول کیا جائے، اس لیے ربا الفضل اکثر تفسیروں میں حرام (۱) نہیں ہے لیکن جو شخص قرض دے کر اس سے زیادہ لے گا اس کو کوئی ثواب بھی نہ ملے گا، ربا کی دو قسمیں ہیں، حرام وہ ربا ہے کہ قرض دے کر اس سے زیادہ وصول کیا جائے یا اس سے کسی قسم کی منفعت حاصل کی جائے لیکن یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو بغیر کسی شرط کے اس امید پر روپیہ ہبہ کر دیتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ دے گا یا اس توقع پر ہدیہ کرتا ہے کہ ہدیہ لینے والا آئندہ اس سے زیادہ ہدیہ کرے گا، اس کے معاوضہ میں اگر ہبہ یا ہدیہ لینے والا کچھ دے تو وہ حرام نہیں ہے۔

اور ربا تینوں شریعتوں میں حرام ہے، چنانچہ توریت، قرآن اور انجیل سب نے اس کو حرام قرار دیا ہے، یہودی تو تقریباً اسلام ہی کی طرح سود کو حرام قطعی سمجھتے ہیں، صرف فرق یہ ہے کہ آپس میں یہودیوں کا ایک دوسرے سے سود لینا حرام ہے، دوسروں سے نہیں اور اسلام کا حکم عام ہے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں، عیسائی مذہب میں سود کے حکم میں تاویل کی گنجائش ہے اور موجودہ زمانہ کے عقلی قوانین میں بغیر نفع کے قرض دینے کی بھی اجازت ہے اور محدود نفع کے ساتھ بھی لیکن زیادہ سود لینے کی ممانعت ہے اور مخصوص تجارتی معاملات کے علاوہ سود در سود کی قطعی ممانعت ہے اور اس میں بھی حتی الامکان اس کا دائرہ محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور صرف اس صورت میں جب مدیون وقت مقررہ پر روپیہ نہ ادا کر سکے تو قرض خواہ اس تاخیر پر سود کا مطالبہ کر سکتا ہے، خواہ اس کی شرط نہ رہی ہو، اسلام میں اہل حاجت کو قرض دینا بھی اچھے اور نیک کاموں میں شمار کیا جاتا تھا جس طرح اس کی ادائیگی معاملت حسنہ میں تھی اور قرض دار بغیر کسی تقاضے اور مطالبہ کے خود قرض خواہ کے پاس جا کر اس سے بہتر طریقہ سے ادا کرتا تھا، جتنا اس کے ذمہ تھا یعنی اس سے کچھ زیادہ دیتا تھا لیکن نہ اس کی شرط پہلے سے ... ہوتی تھی اور نہ قرض خواہ اس کا طلب گار رہتا تھا، شارع

(۱) ربا کی ہر شکل خواہ وہ ربا نسیہ ہو یا ربا الفضل سب حرام ہے، قرض میں جو نفع لینا جائز ہے اس کی تفصیل آئندہ خود مصنف نے بیان کی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

نے اس طریقہ کے قرض کی ترغیب دلائی اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے اور اس کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ قرار دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''صدقہ کا ثواب دس گنا ملے گا اور قرض کا اٹھارہ گنا'' اس لیے کہ صدقہ حاجت منداور غیر اہل حاجت دونوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے اور قرض صرف حاجت مند لیتا ہے، اسی طرح اس نے بہتر طریقہ سے قرض ادا کرنے کی بھی تعریف کی ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے کہ ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنا قرض زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کرتا ہے'' اس لیے قدما جس طرح دوسرے نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، اسی طریقہ سے قرض لینے اور دینے میں بھی مسابقت کرتے تھے لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد یہ احسان وعمل خیر بدترین طریقوں سے دولت بڑھانے کی تجارت اور ناپسندیدہ طریقوں سے لوگوں کو نقصان پہنچانے، ان کے مال کے اتلاف اور بغیر کسی رورعایت کے ان کی دولت چھین لینے کا ذریعہ بن گیا، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ربا کہتے ہیں، یعنی قرض کی ادائے گی میں اصل پر مال کی وہ زیادتی جس کے معاوضہ میں کوئی ایسی چیز نہ دی گئی ہو جو وزن یا پیمانہ سے تولی اور ناپی جاسکے اور جس کی شرط داین یا مدیون میں سے کسی ایک نے بھی پہلے سے کرلی ہو سود لینے والوں میں یہ دستور تھا کہ جب قرض کی ادائیگی کا وقت آجاتا تو قرض خواہ اس کی مدت بڑھا کر تھوڑے قرض کے بدلہ میں بغیر کسی رورعایت اور تخفیف کے قرض دار کی پوری املاک ہضم کرلیتا تھا، یہی وہ اضعافا مضاعفا (۱) رہا ہے جس کو نص قرآنی نے حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (آل عمران ۳: ۱۳۰)	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو دگنا اور چوگنا سود نہ کھاؤ اور خدا سے ڈرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔

(۱) مصنف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وہی ربا حرام ہے، جو اضعافا مضاعفا ہو اور جو قرض دار کو تباہ کردے (آیندہ صفحہ پر)

Marfat.com

مغرب سود کی مضرتوں کا اندازہ نہ کر سکا اور اس کو آسان اور کثیر المنفعت دیکھ کر کہ وہ بہت جلد بڑھتا ہے، حصول دولت کا ذریعہ بنالیا اور تہذیب وشائستگی کا سبب قرار دے دیا اور اس کی حرمت پر اسلام کی تنقیص شروع کردی اور اس کو مسلمانوں کے انحطاط وزوال کا سبب قرار دے دیا اور یہ نہیں سمجھا کہ جس دولت کی بنیاد ظلم وجور پر ہوگی وہ جس طرح جلد حاصل ہوتی ہے اسی طرح جلد ختم بھی ہوجاتی ہے اور اس کو اصلی مٹانے والا دفعۃً مٹا بھی دیتا ہے۔

یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات اللہ ربا کو مٹادیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

جب سود کو تجارت بنانے والوں کے کثرت سے دیوالے نکلنے لگے اور اس کے اسباب کی تحقیقات شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس کا بڑا سبب سودی کاروبار ہے اور زمانہ کے تجربات اور مسلسل حوادث کے بعد بالآخر سود کی حرمت کی مصلحت وحکمت ظاہر ہوگئی، اس کی خرابی اور مضرت کی سب سے بڑی اور نمایاں دلیل یہ ہے کہ سود حصول منفعت کا ایسا طریقہ ہے جس سے گھرانے کے گھرانے تباہ ہوجاتے ہیں، اس لیے سود درحقیقت ایک قسم کا حیلہ یا فریب ہے جو سود خوار دوسرے کی دولت کو بغیر کسی معاوضہ کے شکار کرنے کا ذریعہ بناتا ہے، ہم نے خود بہت سے مواضعات کو سود کے چنگل میں پھنسنے کے بعد برباد ہوتے ہوئے اور ان کے اصلی مالکوں سے چھن کر دوسروں کے قبضہ میں جاتے ہوئے دیکھا ہے، ان محدود صفحات میں اس کے خلاف زیادہ عقلی ونظری دلائل دینے کی گنجائش نہیں ہے کہ تہذیب وتمدن کا ذریعہ ہے اور نہ دولت وثروت کا وسیلہ، یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ایک شخص کی بربادی سے دوسرے کی دولت مندی یا بہت سے لوگوں کا مال چھین کر ایک جماعت کی تونگری کوئی دانش مندی اور حقیقی ثروت نہیں ہے، سود دولت کی تخریب کا پھاوڑا اور تاجروں اور کاشت کاروں کو دھوکے سے مارنے کا آلہ ہے جس کے افلاس کا سبب اکثر سود ہی

(پچھلا صفحہ کا) بلکہ اس کی ہر مقدار خواہ وہ کتنی ہی کم ہو، مطلق حرام ہے، البتہ قرض کی ادائے گی میں کچھ زیادہ دے دینا بشرطیکہ پہلے سے اس کی شرط نہ کی گئی ہو اور قرض خواہ اس کا طلب گار بھی نہ ہو جائز ہے۔ (م)

Marfat.com

ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور سود لینے والے کے مقابلہ میں اتنی سختی برتی کہ اس سے اعلان جنگ تک کر دیا۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰو اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ كُنْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ (بقرۃ)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور لوگوں پر سود کا جو بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارا اصل مال مل جائے گا، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا۔

اس زمانہ میں انسانی سوسائٹی کے لیے سود سے زیادہ مضرت رساں کوئی اور چیز نہیں ہے، آج دنیا میں اقتصادی اضطراب و بے چینی کا بڑا سبب اتنے وسیع پیمانہ پر سودی لین دین کی گرم بازاری ہے، بعض کوتاہ بیں اس کو حقیقی دولت سمجھتے ہیں، حالاں کہ زمانہ نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ محض موہوم دولت ہے، وہ سراب ہے جس کو پیاسا دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے، گذشتہ عالمگیر جنگ میں بڑی بڑی متمدن قوموں کے بینکوں کا جس طرح دوالہ نکلا ہے وہ اس کا بین ثبوت ہے کہ حصول دولت کا یہ جھوٹا ذریعہ درحقیقت تہذیب کی بربادی کا سبب ہے۔

تصویر اور نقاشی: شعوبی یہ بھی کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں مجسموں کے استعمال کی ممانعت بھی مسلمانوں کی پستی کا سبب ہے اور اسلام پر یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ اس نے تصویر کو جو تہذیب کے اہم وسائل میں ہے حرام قرار دیا ہے، یہ مسئلہ اسلامی تمدن کے دقیق مسائل میں سے ہے، اس لیے اس پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے، مگر ان محدود صفحات میں اس کی گنجایش نہیں ہے۔

Marfat.com

درحقیقت اس مغالطہ کا اصل سبب یہ ہے کہ معترضین اس کے صرف ظاہری رخ کو دیکھتے ہیں اور اس کے اسرار و اصول پر غور وفکر کیے بغیر فوراً حکم صادر کر دیتے ہیں اور نہایت کمزور نتائج نکالتے ہیں، وہ اس اصول کو بھول جاتے ہیں کہ اسلام توحید کا داعی ہے اور سارے عرب میں بت پرستی چھائی ہوئی تھی جس کو روکنے کے لیے بت گری سے روکنا ضروری تھا، اس لیے اسلام نے اس خطرہ سے کہ مسلمان کہیں عرب جاہلی کی طرح اس کی نقل و تقلید میں پھر بت پرستی میں نہ مبتلا ہو جائیں، ابتدا ہی سے بتوں کا خاتمہ کر دیا، اس لیے شروع میں بتوں اور مجسموں کی مخالفت کا سبب خالص مذہبی تھا اور اس کی مخالفت میں اس لیے شدت برتی گئی کہ وہ پھر بت پرستی کا ذریعہ نہ بن جائے، اس لیے اسلام اس وقت ایک نیا اور نازک پودا تھا اور عرب بت پرستی کے دور سے بالکل قریب تھے۔

اس کے علاوہ سامی قوموں کی فطرۃً اور ان کے مذاہب کو نقش و تصویر سے کوئی لگاؤ نہ تھا، اس لیے انہوں نے اس کی جانب توجہ نہیں کی، چنانچہ موسوی مذہب میں توراۃ میں بھی تصویر کشی اور بت پرستی حرام ہے (۱) یہودیوں میں تصویر اور بت گری کے معنی ''پتھر کے بت تراشنا یا دھات کے ڈھنا یا لکڑی گڑھنا ہے'' چنانچہ سفر خروج کی بیسویں آیۃ میں ہے کہ تمہارے لیے ان میں سے کسی چیز کا بھی جو آسمان کے اوپر ہے یا زمین پر ہے یا زمین کے نیچے پانی میں ہے نہ بت تراشا جائے اور نہ تصویر بنائی جائے'' (۲)

توراۃ کا یہ حکم بھی تصویر اور نقش آرائی وغیرہ کی ترقی میں حائل ہوا، چنانچہ یہودیوں میں یہ چیزیں بہت ابتدائی شکل میں تھیں۔

نقش و تصویر سے عرب قوم کو طبعاً کوئی لگاؤ نہ تھا، اس لیے انہوں نے اس کی جانب زیادہ توجہ نہیں کی لیکن یمن کے سلاطین حمیر و تبابعہ کے دور کے عربوں کی بت تراشی کے بارے میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں اگر وہ صحیح ہیں یا کعبہ کے پرانے بتوں سے یا اس بیان سے کہ ''عربوں

Bertholet: Histocer de la civilisation d'Islam-(۱)

(۲) سفر خروج آیۃ ۲۰۔

Marfat.com

کے پتھر کے بت بڑے خوبصورت اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ تھے (۱) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو ایک زمانہ میں اس فن میں دخل تھا، تاریخ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ چند شرائط کے ساتھ تصویر کشی، بت تراشی اور نقش آرائی کا رواج مسلمان حکومتوں کے زمانوں میں بھی رہا ہے اور مشرق (شام) اور مغرب (اندلس) میں امویوں اور عراق وفارس میں عباسیوں، مصر میں فاطمیوں اور بعد کی بہت سی اسلامی حکومتوں میں یہ چیزیں رائج تھیں، معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر مسلمانوں کی بت پرستی میں مبتلا ہونے کا خطرہ گھٹتا گیا اور وہ زمانہ جاہلیت کے عادات واطوار سے دور ہوتے گئے، اس وقت انہوں نے قصور ومحلات، باغات اور مکانوں کی آرائش میں تصویروں اور مجسموں کے استعمال میں مسامحت سے کام لیا (۲) مگر اس کے باوجود یورپ کی جدید حکومتوں کی طرح تصویر کشی اور سنگ تراشی میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں رہا ہے۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے دمشق کی جامع اموی کی اندرونی مغربی دیوار میں جھاڑ کے جو نقش اور شہروں کے مناظر کی جو تصویریں ظاہر ہوئی ہیں وہ ابتدائی صدیوں میں نقش آرائی اور مصوری سے مسلمانوں کی دلچسپی کا اچھا نمونہ ہیں، اسی طریقہ سے معتصم باللہ عباسی کے آباد کردہ شہر سرمن رائی میں بعض ایسے کمرے اور دروازے برآمد ہوئے ہیں، جن کی دیواروں میں مشرقی طرز کی ابھری ہوئی اور گچ میں کھدی ہوئی انسانوں وغیرہ کی رنگین تصویریں ہیں (۳) متوکل نے سامرہ میں اپنے

(۱) کتاب الاصنام کلبی۔

(۲) ممکن ہے کسی حد تک یہ سبب بھی رہا ہو لیکن اصلی سبب یہ تھا کہ دوسرے تعیشات وتکلفات کی طرح مسلمانوں نے مصوری اور نقش آرائی بھی دوسری قوموں کے اثر سے اختیار کر لی تھی، اس کے علاوہ بہت سی نو مسلم قوموں مثلاً خود ایران وروم کے مسلمانوں میں مصوری کا ذوق موروثی تھا جو قبول اسلام کے بعد قائم رہا، چنانچہ مصوری اور نقش آرائی زیادہ تر ان ہی اقوام کے مسلمانوں میں پائی جاتی تھی جن میں پہلے سے موجود تھی لیکن مذہب نے کسی زمانہ میں بھی اس کی اجازت نہیں دی اور علماء ومحدثین نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ (مترجم)

(۳) رسالہ ہندسہ ج ۸ ص ۴۳، ۵۰، ۵۵ مباحث احمد تیمور پاشا۔

Marfat.com

ایک محل میں کلیسا کی مکمل تصویر بنوائی تھی جس میں راہب بھی تھے، ان میں کلیسا کے شہار (۱) کی تصویر سب سے بہتر تھی، اندلس کے مصور قصور و محلات کی تفصیل بہت طویل ہے، ان ہی میں عبدالرحمان الناصر کا تعمیر کردہ مشہور قصر الزہراء بھی ہے، جس کو اس نے اپنی محبوب لونڈی زہرا کے نام پر بنوایا تھا، اس کے دروازہ پر اس کی تصویر بھی تھی، بغداد اور دمشق کے حماموں کی دیواروں میں عام طور سے تصویریں ہوتی تھیں، خمارویہ (۲) نے تیسری صدی میں قاہرہ میں اپنے ایک محل کے ہال میں ایک نشست گاہ بنوائی تھی، جس کا نام بیت الذہب تھا، اس کی دیواریں اعلیٰ درجہ کے سنہرے اور لاجوردی نقش و نگار سے آراستہ تھیں اور دیواروں ہی میں خود اس کی، اس کی لونڈیوں اور مغنیہ عورتوں کی لکڑی کی ابھری ہوئی قد آدم اور نصف قد آدم نہایت خوبصورت نظر فریب اور آراستہ و پیراستہ شبیہیں تھیں، لونڈیوں کے سروں پر طلائی تاج، جسموں پر جواہرات سے مرصع بلبوس اور کانوں میں بہت وزنی، خوبصورت اور مضبوط ساخت کے گھنگرودار زیور تھے، یہ شبیہیں دیواروں میں جڑی ہوئی تھیں، ان کے جسم رنگین کپڑوں کے مشابہ عجیب وغریب رنگ وروغن سے اس طرح رنگے ہوئے تھے کہ وہ رنگین لباس پہنے ہوئے معلوم ہوتی تھیں۔ (۳)

اگر خود یورپ میں بھی مصوری کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی اس زمانہ میں جب تہذیب و تمدن کا ہر شعبہ ترقی کر گیا، مصوری درجۂ کمال کو پہنچی اگر آج مغربی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ تصویر اور مجسمہ کے بغیر کوئی تہذیب، تہذیب کس طرح کہلائی جاسکتی ہے تو وہ اس لیے اس خیال میں متعدد ہے کہ نصرانیت نے بت پرستوں کے بہت سے عادات واطوار اختیار کر لیے ہیں جن میں بت گری بھی ہے۔

اسلام نے بھی زمانۂ جاہلیت کی بعض چیزوں کے بارہ میں جو عربوں میں عرصہ سے

---

(۱) شہار کنیسہ کے اس خادم کو کہتے ہیں جو اس کے چراغ کو روشن رکھنے کے لیے رات بھر جاگتا ہے۔

(۲) مصر کی طولونی حکومت کا ایک فرماں روا۔

(۳) خطط مقریزی۔

Marfat.com

چلی آ رہی تھیں اور ان سے کوئی بڑا نقصان نہیں تھا، خاموشی اختیار کی لیکن توحید اسلام کی اولین شرط ہے اس لیے اس نے بتوں کو ختم کرنے میں جو توحید کے سراسر خلاف ہیں، سختی سے کام لیا، کیوں کہ توحید خالص بت اور بت گری کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔(۱)

(۱) مصنف کے ان فقروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلامی تاریخ اور مسلمانوں میں جو مصوری و نقش آرائی دکھائی ہے، اس کی حیثیت صرف تاریخی ہے، یعنی جس طرح مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں دوسری قوموں کی بہت سی تمدنی چیزوں اور علوم وفنون کو حاصل کیا، اسی طرح انہوں نے مصوری اور نقش آرائی بھی سیکھی اور بحیثیت فن کے وہ اس میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے، اس کو مذہبی حیثیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

Marfat.com

پانچواں باب

عرب زمانۂ اسلام میں

اسلام کے ظہور کے وقت دنیا کی حالت اور قرن اول کے مسلمانوں کا حال: جس زمانہ میں رسول عربی ﷺ نے دنیا کو جہالت و گمراہی سے نکالنے کا آغاز کیا، اس وقت حضرت علیؓ کے قول کے مطابق دنیا کی حالت یہ تھی۔

''مذاہب میں تفریق، خواہشات میں انتشار اور انسانی گروہوں میں پراگندگی تھی ان میں سے کچھ لوگ خدا کو مخلوق سے مشابہت دیتے تھے، کچھ اس کے منکر تھے، کچھ غیر اللہ کی جانب مائل، گمراہی میں حیران و سرگرداں اور فتنہ و فساد میں بھٹک رہے تھے، خواہشات نفس میں مبتلا اور اپنی بڑائی کے تصور میں سرگرداں تھے، جاہلیت اور جاہلوں نے ان کو ذلیل و پست کر دیا تھا، ان کو کسی ایک حال میں قرار نہ تھا اور جہالت کی وادی میں حیران و سراسیمہ تھے، پرانے پیغمبروں کی آمد کے ایک مدت دراز کے بعد قوموں کی طویل گراں خوابی، فتنوں کے تسلط، معاملات کی پراگندگی اور لڑائیوں کے تسلسل سے جب دنیا بے نور اور مکر و فریب سے معمور ہو رہی تھی، باغ عالم کے پتے خزاں رسیدہ، درخت بے پھل اور چشمے خشک ہو رہے تھے، ہدایت کا مینارہ منہدم اور فساد اور بگاڑ کے جھنڈے بلند ہو رہے تھے اور دنیا اپنے چاہنے والوں کے لیے بھی ترش رو اور ناپسندیدہ ہو رہی تھی، اس کا پھل فتنہ و فساد، اس کی غذا مردار اور اس کا شعار خوف اور اس کا اوڑھنا بچھونا تلوار تھی''۔

ان حالات میں اسلام کا ظہور ہوا اور اس نے عربوں کا منتشر شیرازہ پھر مجتمع کیا، ان

Marfat.com

میں ایسی مواخات پیدا کردی جس سے وہ بالکل نا آشنا تھے، ان کو ایسا مہذب بنادیا کہ ان کی سرکشی اطاعت سے بدل گئی اور ان میں ایسی شائستگی پیدا کردی جس سے ان کو بڑا فائدہ پہنچا اور انہوں نے اپنے مذہب کی نصرت وحمایت میں آل واولاد اور جان ومال سب نثار کردیا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو، ڈرنے کا حق اور بجز اسلام کے اور کسی حال پر مت مرو اور مضبوط پکڑے رہو اللہ کے سلسلہ کو (اس طور پر کہ باہم سب متفق ہو جاؤ) اور باہم نااتفاقی مت کرو اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر یہ انعام یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی اور تم اللہ کے انعام سے بھائی بھائی بن گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڈھے کے کنارے پر تھے، سو اس سے خدا نے تمہاری جان بچائی، اس طرح اللہ تم کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے ہیں تا کہ تم سیدھی راہ پر رہو۔

وہ لوگ جن کا یہ حال ہو ان کے لیے چند برسوں میں شام، عراق، ایران، مصر، جزیرہ، روم، سندھ، بخارا، مغرب، اندلس اور بحر متوسط کے جزیرے فتح کر لینا اور خاقان چین سے جزیہ وصول کر لینا کوئی بڑی بات نہیں تھیں، ان کا علم جہاں نصب ہو جاتا تھا، توفیق الٰہی ان کی معاون

Marfat.com

ومددگار ہوتی تھی، وہ ملکوں کو زیرنگیں کرنے کے بعد خواہ وہ صلح سے فتح ہوئے ہوں یا بزور شمشیر، ان کے باشندوں کے دلوں کو اپنے عدل وانصاف سے فتح کرتے تھے اور جہاں تک ممکن ہوتا خونریزی سے بچتے، بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور راہب وراہبہ کے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے اور حکمت ودانشمندی اور موعظہ حسنہ سے توحید کی تبلیغ کرتے اور اپنی زیرنگیں قوموں کو اپنی زبان اور اپنے طور طریقے سکھاتے اور وہ جس حال میں بھی رہتے دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے، ان کے تمام اعمال واقوال میں ان کا یہی حال تھا۔

یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ جو قوم کل تک اخلاقی گمراہیوں میں مبتلا اور ملکی مدافعت میں کمزور تھی جس کا سارا ڈھانچہ ہی بگڑا ہوا تھا، اس سے ایسے عظیم الشان کارنامے سرزد ہوئے، اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تربیت کے سانچہ میں ایسے انسان ڈھالے جو ساری دنیا میں حق وصداقت کا بے نظیر نمونہ تھے اور جو اپنی حرارت ایمانی سے خالص کندن بن کر نکلے، ان میں اکثر وہ تھے جن کی اسلام سے پہلے کوئی قدر وقیمت نہ تھی، یہ قرآن مجید کے بعد رسول ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ آپ نے ایسے سرکش لوگوں کی فطرت میں جو کسی نظام کے پابند نہ تھے اور ہر پابندی کو توڑنے کے عادی تھے، انقیاد واطاعت سرایت کردی، ایسی حالت میں ایک ہزار آدمیوں کا دوچار ہزار آدمیوں پر غالب آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، قوموں کی قدر وقیمت ان کے افراد کی کمیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ کیفیت کے اعتبار سے ہوتی ہے جس کے لیے اپنے مذہب کی اشاعت اور اپنی حکومت کی راہ میں جان دے دینا معمولی بات ہو، وہ ایسے ایسے کام انجام دے سکتا ہے جو ضعیف العقیدہ اور مذبذب لوگوں کے لیے ناممکن ہیں، آغاز اسلام میں مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر بعض ایسے لوگ ایمان لائے تھے جن کا کوئی حامی ومددگار نہ تھا، قریش ان کو اسلام سے مرتد کرنے کے لیے دوپہر کی دھوپ میں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، لوہا گرم کر کے ان کو داغتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آتی تھی، یہ لوگ مستضعفین کہلاتے تھے وہ ان تمام صبر آزما مصائب اور زندگی کی تلخیوں کو محض اس

Marfat.com

لیے برداشت کرتے تھے کہ ان سے ان کے مذہب کو تقویت حاصل ہوتی تھی، اسلام نے عربوں کے اخلاق میں ایسی خاصیت اور تاثیر پیدا کردی تھی کہ وہ عمل صالح کا نمونہ بن گئے اور اپنے مقصد اور نصب العین میں متحد ہو گئے، یہ فطرت کا قانون ہے کہ جو جان کی پروانہ کرے گا اس کو زندگی ملے گی۔

ع: جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

اسی کے ساتھ قرآن مجید نے اپنے ساحرانہ اسلوب اور اپنی فصاحت و بلاغت سے ان کے دلوں کو مسحور کر کے اپنا غلام بنا لیا، وہ قرآن اور اس کے حامل رسولؐ پر ایمان لے آئے اور چند ہی دنوں میں محمد بن عبداللہ ﷺ کی درسگاہ نے ان کو ایسا مہذب و شائستہ بنا دیا کہ ان میں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کی عقل و دانش اور عدل و انصاف پر زمانہ قرنہا قرن گذرنے کے بعد متحیر ہے جو شخص بھی خواہ وہ ایمان دار ہو یا مخالف جب غیر جانب داری کی نظر سے عربوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالے گا وہ ان کے دور جدید (ظہور اسلام کا زمانہ) میں ان کے کارناموں اور آزمائشوں میں ان کے اثبات و استقلال پر متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اسلام نے عربوں کے اخلاق میں جو انقلاب پیدا کیا تھا اس کی معمولی مثال یہ ہے کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء نے زمانۂ جاہلیت میں اپنے سگے بھائی معاویہ اور سوتیلے بھائی صخر کی موت پر بڑے درد انگیز مرثیے کہے تھے، صخر زمانہ جاہلیت میں بڑے حلیم و بردبار، فیاض و سیر چشم اور اپنے قبیلہ میں بہت محبوب و مقبول تھے، خنساء کو بھی ان سے بڑی محبت تھی، خنساء نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوئی اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک زندہ رہی، چنانچہ جنگ قادسیہ میں اپنے چار لڑکوں کو لے کر شریک ہوئی اور ان کے سامنے کفار سے جنگ کے اجر و ثواب، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے دوام و بقا اور اس کی بھلائیوں پر پرجوش تقریر کر کے ان کو میدان جنگ میں بھیجا، اتفاق سے چاروں شہید ہو گئے، مگر وہی خنساء جس نے اپنے سوتیلے بھائی کی موت پر بڑے بڑے شور انگیز مرثیے کہے تھے، ایک ساتھ چار جگر گوشوں کی موت سے مطلق آزردہ نہ ہوئی اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھ کو ان کی شہادت سے سرفراز و سرخرو کیا، مجھ کو امید ہے کہ انشاء اللہ خدا مجھ کو اور

Marfat.com

میرے بچوں کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔

مسلمان عربوں کی امتیازی خصوصیات: عربوں نے اپنی اس مختصر کتاب (قرآن مجید) کو جس میں ان کی اور دوسروں کی ضرریات اور فلاح و بہبود کی باتیں تھیں، جزیرۃ العرب کے باہر کی دنیا کے سامنے پیش کیا ان کے اس نئے اور اچھوتے قانون نے ان کو دنیا کے اور دوسرے تمام قانونوں سے بے نیاز کر دیا، اس میں صرف یہ راز تھا کہ وہ اس پر بغیر کسی کمی اور زیادتی کے عمل کرتے تھے، اسی کے ساتھ ان امور کا بھی لحاظ رکھتے تھے جو ان کی سادہ اور برتر زندگی کے لیے مفید اور موزوں ہوں، مثلاً جنگ کے قواعد پر عمل، یا جن ملکوں میں وہ قیام کریں ان کے باشندوں کے حالات اور طبائع سے حصول واقفیت وغیرہ، انہوں نے اس قانون سے مصائب و مشکلات میں صبر واستقامت، شجاعت وشہامت، جودوکرم، جرأت وحوصلہ مندی اور پابندی عہد کا سبق حاصل کیا، ایسے شفاف وپاکیزہ اور سلیم الطبع نفوس کوکسی نئی تہذیب کے نئے نقش کو جلد اور آسانی سے قبول نہیں کر سکتے ....لیکن ان کی فطرت سلیم ایسی بھلائی اور خوبی کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتی ہے جو لغویات اور خرافات سے پاک ہو اور انہوں نے اپنے ملک کی گرم آب وہوا کے باوجود نہایت حیرت انگیز کارنامے انجام دے کر اس دعویٰ کو باطل کر دیا کہ تہذیب وتمدن صرف ٹھنڈے ملکوں کی پیداوار ہے۔

عرب قدیم زمانہ سے اپنے پڑوسی ملکوں پر حملے کرتے چلے آرہے تھے، خواہ ان ملکوں میں انہوں نے صرف کچھ دنوں قیام کیا ہو یا حکومت یا نیم حکومت قائم کی ہو، اس طریقہ سے وہ ان اجنبیوں سے اپنی مدافعت میں بھی لڑے جو ان کو غلام بنانا چاہتے تھے، ان کے علاوہ بہت سے غسانی، تغلبی، تنوخی، آیادی اور لخمی، عرب وایران وروم کی حکومتوں کے فوجی اور انتظامی شعبوں میں بھی رہ چکے تھے، جس سے ان کو ملکی انتظام کا علمی وعملی تجربہ بھی ہو گیا تھا اور ضرورت خود سب سے بڑی معلم ہے، ان کو اپنی توسیع مملکت میں سب سے زیادہ فائدہ اس سے پہنچا کہ ان کے دشمن جتنی ان سے واقفیت رکھتے اس سے زیادہ وہ دشمن سے واقفیت رکھتے تھے، دشمن ان کو حقیر سمجھ کر نا قابل

Marfat.com

اعتنا شمار کرتے تھے لیکن عرب ان کو قابل توجہ سمجھتے تھے، وہ عربوں کو اس لیے حقیر سمجھتے (۱) تھے کہ وہ پانی اور چراگاہ کی تلاش میں ان کے ملکوں کا رخ کرتے تھے، خصوصاً قحط اور خشک سالی کے زمانہ میں لیکن عرب کبھی اپنے دشمنوں کی تحقیر نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے ساتھ انصاف کرتے اور ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتے تھے، مستورد قریشی سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت کے وقت سب سے زیادہ تعداد رومیوں کی ہوگی (روم سے مراد وہ قومیں ہیں جن کو ہم آج یورپین کہتے ہیں) اس پر عمرو بنؓ العاص نے کہا جو کچھ کہہ رہے ہو اس پر خوب غور کرلو، مستورد نے جواب دیا، ہاں میں نے سمجھ بوجھ کر کہا ہے اور اس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غلط نہیں ہے، اس لیے کہ رومیوں میں چار نمایاں خصوصیات ہیں، وہ جنگ میں بڑے حلیم و صابر ہوجاتے ہیں، مشکلات و مصائب کے وقت گھبراتے نہیں، پسپائی کے بعد سنبھل کر پھر حملے کردیتے ہیں اور مسکینوں اور یتیموں اور ضعیفوں کے ساتھ لطف و مہربانی کا برتاؤ

---

(۱) اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ حضرت سعد بنؓ ابی وقاص فاتح ایران نے قادسیہ کی جنگ سے پہلے مغیرہ بن شعبہ کو ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کے پاس گفتگو کرنے کے لیے بھیجا، ان دونوں میں یہ گفتگو ہوئی، رستم نے کہا:

''خدا نے بہت بڑی حکومت ہم کو عطا کی ہے، ہم کو دوسری قوموں پر غالب، دوسرے ملکوں کو ہمارا محکوم اور روئے زمین کو ہمارا اطاعت گذار بنایا ہے، ہماری نگاہ میں دنیا میں تم سے زیادہ پست کوئی قوم نہیں، تمہاری تعداد بہت کم ہے، تم خشک اور بے آب و گیاہ زمین کے رہنے والے اور نہایت تنگ حال ہو، اس لیے تم نے ہمارے ملک کا رخ کرنے کی جرأت کس طرح کی، اگر تم قحط اور خشک سالی کی وجہ سے نکلنے پر مجبور ہوئے ہو تو ہم تمہاری مدد اور تمہارے ساتھ احسان و سلوک کرنے کو تیار ہیں، تم اپنے ملک کو لوٹ جاؤ''۔ مغیرہ نے اس کے جواب میں کہا:

''تم نے اپنی عظمت و شان، حاکمانہ اقتدار، دولت و ثروت اور عیش و تنعم کے بارہ میں جو کچھ کہا ہے ہم اس سے واقف ہیں لیکن اب ہمارا حال بھی سن لو' بلاشبہ خدا نے ہم کو ایسی خشک سرزمین میں آباد کیا ہے جس میں پانی بہت کم ہے اور زندگی بھی بڑی تنگی کی ہے، ہمارا حال یہ تھا کہ ہم میں طاقت ور ہمارے (باقی آیندہ صفحہ پر

Marfat.com

کرتے ہیں اور پانچویں بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بادشاہوں کا ظلم برداشت نہیں کرتے"(۱) کیا یہ اقوال دشمن کے ساتھ انتہائی انصاف کا نمونہ نہیں ہیں اور یہ اسی شخص کا قول ہو سکتا ہے جو اپنے دشمن اور اس کے اوصاف وخصوصیات سے پوری طرح واقف ہو۔

عرب قوم کا مجموعہ اور اس کے خلفا اور قائدوں کے اخلاق: پورے جزیرۃ العرب کی زبان قریب قریب یکساں تھی اور اسلام نے ان میں سے فصیح ترین یعنی قریش کی زبان کو اختیار کیا، مگر عرب کا علاقہ تمدن کے درجۂ ارتقا میں یکساں نہ تھا لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ جب عربوں نے جزیرۃ العرب سے باہر قدم نکالا تو وہ نصف متمدن اور نصف وحشی تھے، ان میں وہ خانہ بدوش بھی تھے جن کی زندگانی کا مدار کھیتی اور مویشی پر تھا اور بستیوں میں مستقل سکونت رکھنے والے بھی یہ لوگ تجارت وصنعت وحرفت کے پیشے کرتے تھے اور تجارتی شہروں کے باشندوں میں تجارتی لین دین کرنے والوں سے میل جول اور زندگی کے داخلی وخارجی معاملات کو سمجھنے کی فطری صلاحیت ہوتی ہے، جغرافی اعتبار سے جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں کے باشندوں سے اپنے اوصاف وخصوصیات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ یمنی، حجازی، نجدی، حضرمی، عمانی، ساحلی اور غیر ساحلی اور پہاڑی اور نشیبی علاقوں کے عربوں کی خصوصیات جدا جدا ہیں اور ان سب کا مجموعہ عرب قوم ہے۔

(پچھلا صفحہ کا) کمزور آدمی کو کھا جاتا تھا، ہم قطع رحم کرتے تھے، تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالتے تھے، بتوں کو پوجتے تھے، عین اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ہی قوم سے ہم میں ایک نبی بھیجا جو ہم میں سب سے زیادہ شریف النسب تھا اور اس کو حکم دیا کہ وہ انسانوں کو اس کی توحید کی دعوت دے اور ہم اس کتاب پر جو ہمارے لیے نازل کی گئی ہی عمل کریں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی، اس کے بعد اس نے ہم کو حکم دیا کہ جس چیز کا خدا نے اس کو حکم دیا ہے ہم دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، جو اس کو قبول کرلے وہ حقوق وفرائض میں ہمارے برابر ہو جائے گا اور جو انکار کرے اس سے جزیہ طلب کریں، اگر اس کے دینے سے بھی وہ انکار کرے تو اس سے جہاد کریں گے، اس لیے میں تم کو بھی اس کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم اس سے انکار کرو گے تو اس کا فیصلہ تلوار کرے گی"۔

(۱) صحیح مسلم۔

Marfat.com

رومیوں کے مقابلہ میں شام پر فوج کشی کے وقت خلیفہ اسلام (حضرت ابوبکرؓ) اسلامی فوج کے سپہ سالار کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ "تم کو عنقریب ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا ہے، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا (اس سے مراد گرجوں کے راہب ہیں) دشمنوں کے ساتھ فریب نہ کرنا، ان کا مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، کسی بکری اور اونٹ تک کو کھانے کی ضرورت کے علاوہ بے وجہ زخمی نہ کرنا، کسی ہرے بھرے درخت کو نہ جلانا، کسی آبادی کو ویران نہ کرنا اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا"۔

جنگ کے بارہ میں اس سے زیادہ عدل وانصاف کی نصیحتیں اور کیا ہو سکتی ہیں، راہنس کہتا ہے کہ "محمد کے ساتھیوں کی تنہا مثال ہے جن میں دوسروں کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے مذہب کی تبلیغ دونوں باتیں جمع تھیں، اسی جذبہ نے ان کو فتوحات کی جانب متوجہ کر دیا، جس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور اسلام اپنی فاتح اور ظفر مند فوجوں پر جب انہوں نے شام پر یلغار کی اور بجلی کی طرح بحر احمر سے لے کر بحر اطلانٹک تک شمالی افریقہ پر ٹوٹیں، برابر سایہ افگن رہا، چنانچہ ان تمام معرکوں میں ان معمولی واقعات کے علاوہ جو لڑائیوں میں ناگزیر ہیں، ظلم وزیادتی کا نام ونشان نہیں ملتا، انہوں نے کسی قوم کو بھی جس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا ہو، کبھی مٹانے کی کوشش نہیں کی"۔

عرب اپنی فتوحات میں اس سیاست سے بالشت بھر بھی باہر نہیں نکلے، ان کے مقابلہ میں رومن ہیں، جن کی عظمت کا تخیل ان کے شیدائیوں کو مبہوت کیے رہتا ہے لیکن اس پر وہ نگاہ نہیں ڈالتے کہ رومنوں نے اپنی فتوحات میں ملکوں کو اس طرح پامال اور قوموں کو اس طرح محکوم بنایا کہ ہر مفتوح آبادی کو ویران کر ڈالتے تھے، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں تک کو قتل کر دیتے جو لوگ تلوار سے بچ رہتے ان کو اس طرح غلام بناتے کہ جس میں مہر ومروت کا کوئی شائبہ نہ ہوتا تھا۔

رومن سخت بت پرست تھے اور پتھر کے بت یا اس قسم کے چھوٹے چھوٹے معبودان کے لیے بڑی نادر اور قیمتی چیز تھے اور ان کی کثرت پر وہ بڑا فخر کرتے تھے، اس لیے جس شہر پر وہ

Marfat.com

قبضہ کرتے تو اپنے بتوں میں اضافہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اس شہر کے بتوں اور قابل پرستش چیزوں پر قبضہ کرتے، ان کے مقابلہ میں عرب جن شہروں کو فتح کرتے تھے تو وہ خدائے واحد کی توحید اور رسول پر صلوٰۃ وسلام کے ساتھ اپنے دین کا اعلان کرتے، رعایا میں عدل وانصاف قائم کرتے، ان کی شریعت میں کوئی انسان درجہ میں دوسرے انسان سے بڑا نہیں تھا، اس نے بڑے چھوٹے، دولت مند ومحتاج سب کو برابر کر دیا، مسلمانوں کا اقتدار خواہ کتنا ہی زیادہ ہوتا مگر وہ اپنا مذہب قبول کرنے کے لیے کسی پر جبر نہیں کرتے تھے اور محض خراج یا جزیہ لینے پر اکتفا کرتے تھے جس کی مقدار اس محصول کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ ہوتی تھی، جس کو وہ لوگ پہلے ادا کرتے تھے، اس لیے اگر مفتوح قوموں نے گروہ درگروہ غالب قوم کا مذہب (اسلام) قبول کر لیا اور اس سے مشابہت پیدا کرنے کے لیے اس کی زبان اختیار کر لی تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس سے ان کے لیے غالب قوم کے اوضاع واطوار اختیار کر لینا جس سے وہ بالکل ناآشنا تھے، بہت آسان ہو گیا اور اس کو انہوں نے بڑی نعمت سمجھا اور حقیقت یہ ہے کہ امن وسلامتی اور سکون وطمانیت اور عدل وانصاف سے بڑھ کر نعمت کیا ہو سکتی ہے۔

عمر بن خطابؓ جیسا جلیل القدر خلیفہ بیت المقدس کی فتح کے زمانہ میں جب قیامہ کے کنیسہ میں جاتا ہے اور وہاں نماز کا وقت آ جاتا ہے تو بطریق صفرونیوس سے کہتا ہے کہ ''میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں'' وہ عرض کرتا ہے امیر المؤمنین اسی جگہ پڑھ لیں، آپ انکار کرتے ہیں تو بطریق قسطنطین کے گرجے میں نماز پڑھنے کے لیے لے جاتا ہے یہاں بھی آپ انکار کرتے ہیں اور گرجے کے باہر دروازے پر نماز ادا کرتے ہیں اور بطریق سے فرماتے ہیں کہ ''میں نے گرجے میں اس لیے نماز نہیں پڑھی کہ مسلمان آئندہ اس دلیل پر کہ عمر نے اس گرجے میں نماز پڑھی تھی اس پر قبضہ نہ کر لیں'' اور ایک تحریر لکھ کر بطریق کے حوالہ کرتے ہیں کہ ''کوئی مسلمان گرجے کی سیڑھیوں پر اذان اور جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا، البتہ تنہا ادا کر سکتا ہے''(۱) اسلام کے

(۱) تاریخ سعید بن بطریق۔

Marfat.com

اوج شباب کے زمانہ میں عمر بن الخطابؓ کا یہ طرز عمل دوست و دشمن دونوں کے لیے حیرت انگیز ہے جوان کی دور بینی، رواداری، ملکی انتظام میں گہری بصیرت اور دلوں کے مسخر کرنے کا ثبوت ہے۔

خالد بن ولیدؓ جیسا فاتح اور سپہ سالار قادسیہ کے معرکہ سے پہلے ایران کے فرماں رواؤں کو اس خیال سے خط لکھتا ہے کہ ''اگر وہ اطاعت قبول کرلیں تو ان کا ملک ان کے قبضہ میں رہنے دیا جائے گا'' تو اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ''ورنہ تم ایسی قوم کے ہاتھوں مغلوب اور مجبور ہو گے جو موت سے اس طرح محبت کرتی ہے جیسی محبت تم زندگی سے کرتے ہو'' اسی طرح ایران کے ایک بڑے جاگیردار کو لکھتے ہیں ''امــا بعد، اسلام قبول کرلو تو امن و سلامتی میں رہو گے، ورنہ جزیہ ادا کرو، ہم تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے، اگر یہ بھی نہیں کرتے تو یاد رکھو میرے ساتھ ایسی قوم ہے جس کو موت ایسی ہی محبوب ہے جیسی تم کو شراب محبوب ہے''۔(۱)

درحقیقت اس سپہ سالار اعظم نے ان الفاظ میں اپنے اس بلند و رفیع مقصد کی راہ میں موت کی بے وقعتی کے بارہ میں اپنی اس پوری قوم کے عقیدہ کی ترجمانی کی ہے جو میدان جنگ میں اپنے سے چوگنے دشمنوں پر غالب آجانے کو کوئی بڑی بات نہیں سمجھتی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ جس مقصد کے لیے لڑتی تھی اس سے پوری طرح واقف تھی جب اس کو جنگ میں مسلسل تین مرتبہ تکبیر کا نعرہ لگاتے سن لو تو سمجھ لو کہ وہ اس وقت تک نہ لوٹے گی جب تک کامیاب نہ ہوگی، یا شہید نہ ہو جائے گی ان کے دشمنوں کا بیان ہے کہ ''وہ دن میں شہسوار اور رات میں شب زندہ دار اور رات کی تاریکی میں تلاوت قرآن میں ان کی آوازیں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح گونجتی رہتی ہیں، وہ انسانوں میں شیر ہیں اور ایسے شیر جن سے اصل شیر بھی مشابہت نہیں رکھتے''۔

ایسی قوم جو اپنی خودسری کی وجہ سے کسی نظام کے آگے نہ جھکتی تھی، اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی ایسی کایا پلٹ گئی کہ وہ کسی معاملہ میں اپنے سردار کی مخالفت نہیں کرتی تھی اور ملت

(۱) طبری حالات جنگ قادسیہ۔

Marfat.com

کی راہ میں موت تک کی بیعت کر لیتی تھی۔

عمر بنؓ الخطاب جیسے خلیفہ کہتے تھے کہ میں تم کو اپنے عمل سے تعلیم دوں گا، خدا کی قسم میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بناؤں، بلکہ صرف خدا کا ایک بندہ ہوں جس پر یہ بار امانت (خلافت کا بار) ڈالا گیا ہے، اگر میں اس کے اٹھانے سے انکار کر دوں اور تم کو تمہاری امانت واپس کر دوں مگر تم اپنے گھروں میں آسودہ حالی کی زندگی بسر کرو تو میں اپنے کو خوش قسمت سمجھوں گا اور اگر میں اس کو اٹھائے رہوں اور تم کو اپنے گھر اپنے پیچھے لے چلوں تو میں اپنے کو بدبخت سمجھوں گا، اس وقت مجھ کو خوشی کم اور رنج زیادہ ہوگا"۔

یہ خلیفہ عرب کے مشہور قحط عام الرمادہ کے زمانہ میں کہتا تھا کہ "جو تکلیف تم لوگ اٹھاتے ہو اگر وہی میں بھی نہ اٹھاؤں تو مجھ کو رعایا کی تکلیفوں کا اندازہ کیسے ہوگا" اور قسم کھالی تھی کہ قحط کے زمانہ تک جب تک عام لوگ آسودہ حال نہ ہو جائیں، چربی، دودھ اور گوشت کو زبان پر نہ رکھوں گا، چنانچہ قحط کے زمانہ بھر روغن زیتون میں روٹی چور کر کے کھاتے رہے، اس کو کھاتے کھاتے جلد کا رنگ بدل گیا تھا لیکن رعایا کو اونٹ ذبح کر کے گوشت کھلاتے تھے، ایک مرتبہ لوگ ان کے واسطے اونٹ کے کوہان کا گوشت اور کلیجی لے آئے، پوچھا یہ کہاں سے آیا، معلوم ہوا عام لوگوں کے لیے جو اونٹنیاں آج ذبح کی گئی ہیں، ان کا گوشت اور کلیجی ہے، فرمایا "بخ بخ اگر میں ان کا اچھا حصہ خود کھاؤں اور لوگوں کو ان کے گوڑے پائے کھلاؤں تو کس قدر برا والی ہوں" یہ کہہ کر گوشت اور کلیجی کا برتن اٹھوا کر قحط زدہ لوگوں کو بھجوا دیا اور روٹی اور زیتون کا تیل منگا کر کھایا، قحط کی سختی اور ارزانی کی فراغت دونوں زمانوں میں خلیفہ کا یہ حال تھا جن لوگوں کو اونٹ کا گوشت کھلاتے تھے ان سے فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو ان صحنوں کو صلائق، سبائک اور صناب (۱) سے بھر دوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جن کی تمام خواہشیں دنیا ہی میں پوری ہو جاتی ہیں، افسوس کا اظہار کیا ہے کہ:

---

(۱) یہ تینوں عمدہ کھانے کی قسمیں ہیں۔

Marfat.com

اَذۡهَبۡتُمۡ طَيِّبٰتِكُمۡ فِىۡ حَيَاتِكُمُ الدُّنۡيَا۔	تم اپنی اچھی چیزوں کو دنیاوی زندگی ہی میں حاصل کر چکے۔

ایسا خلیفہ جو بغیر کسی بناوٹ، تصنع اور تردد کے ایسا کہتا ہے وہ اس لائق ہے کہ اس کی قوم اس کی محبت اور اس کے تمام احکام کی اطاعت کرے۔

عتبہ بن فرقد صحابیؓ نے جب آذربیجان فتح کیا تو دو بڑی دیگوں میں خبیص (۱) پکوا کر اور اس کو نمدے سے ڈھکوا کر حضرت عمرؓ کے پاس تحفہ بھیجا، جب آپ کے سامنے پیش ہوا تو چکھ کر فرمایا بہت لذیذ ہے، کیا تمام مہاجرین شکم سیر ہو کر اس کو کھاتے ہیں؟ لانے والے نے کہا نہیں، یہ مخصوص آپؐ کے لیے پکوایا گیا تھا یہ سن کر اسی وقت عتبہ کو خط لکھا کہ ''خدا کے بندہ امیر المؤمنین عمر کی جانب سے عتبہ بن فرقد کو معلوم ہو کہ مسلمانوں کا مال تمہاری اور تمہارے ماں باپ کی کمائی نہیں ہے، خبردار آیندہ سے کوئی چیز ایسی نہ کھایا کرو جس کو عام مسلمان پیٹ بھر کر اپنی فرودگاہوں میں نہ کھا سکیں''۔

ایک مرتبہ بعض ایرانیوں نے ابوعبیدہ بن مسعود کو ایک خوان میں انواع واقسا کے کھانے بھیجے، اس میں خبیص بھی تھا اور کہا یہ ہماری جانب سے آپ کی ضیافت اور بزرگداشت ہے، آپ نے پوچھا، کیا تم نے پوری فوج کی ایسے ہی میزبانی کی ہے، انہوں نے کہا ہم لوگ مزدور ہیں یہ ہمارے امکان میں نہیں تھا، یہ سن کر ابوعبیدہ نے واپس کر دیا اور کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے، ابوعبیدہ کے جو ہم قوم اس کے ساتھ ہیں، خواہ انہوں نے اس کے لیے اپنا خون بہایا ہو یا نہ بہایا ہو، اگر وہ کسی چیز میں بھی ان پر اپنی ذات کو ترجیح دیتا ہے تو وہ بہت برا انسان ہے، خدا کی قسم میں کوئی ایسی چیز نہیں کھا سکتا جس کو اوسط درجہ کے مسلمان نہ کھاتے ہوں''۔

غرض خلیفہ سے لے کر فوجی افسروں تک جن لوگوں کی یہ سیرت ہو وہ مشرق ومغرب کیوں نہ فتح کر لیتے، ایسی ہی پاک سیرتیں دلوں کو تسخیر کر لیتی ہیں، جن سے مفتوح قومیں مسلمانوں

---

(۱) ایک لذیذ ایرانی کھانا۔

Marfat.com

سے پہلے نا آشنا تھیں۔

لیبان اور ڈوزی کی رائے: لیبان کہتا ہے کہ ”جاہلیت کے زمانہ سے عربوں کی جنگ وجدال کی جو عادت چلی آ رہی تھی، اس سے اسلام کے زمانہ میں ان کا بڑا کام نکلا اور جو شجاعت آپس کی خانہ جنگی میں صرف ہوتی تھی اس کا رخ دوسری قوموں کی طرف پھر گیا، اس سے ان کو بڑی قوت حاصل ہوگئی، اس کے بعد جب مقابلہ کے لیے کوئی دشمن ان کے سامنے نہ رہ گیا تو پھر انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا اور اسی دن سے ان کا زوال شروع ہو گیا، ان کی مدت حکومت کی درازی کا سبب یہ ہے کہ مختلف قبائل ایک علم کے نیچے جمع اور ایک مقصد پر متفق ہو گئے تھے اور وہ اسلام تھا، اس اتحاد نے ان کی پوری توجہ ایک نصب العین کی جانب موڑ دی، اس سے ان میں بڑی شجاعت پیدا ہوگئی اور وہ اس مقصد کے لیے ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے، یہ نصب العین خالص دینی تھا، عربی حکومت اسی بنیاد پر قائم ہوئی، دنیا میں وہ تنہا بڑی حکومت ہے جو مذہب کے نام پر قائم ہوئی اور اسی سر چشمہ سے ان کی ساری سیاست اور اجتماعی حالت نکلی اور پرانی دنیا کی بوسیدگی نے جو گرنے کے قریب پہنچ گئی تھی، عربوں کی فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچایا کہ درحقیقت ایک ایسی ہی قوم جو مقصد وخیالات وتصورات میں متحد ہو، ملکوں کو فتح کر کے ان کی زندگی قائم اور برقرار رکھنے کی اہل تھی اور اس راہ میں عربوں کی مستعدی اور جوش وولولہ میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہوئی، انہوں نے اپنی مفتوح قوموں کے مکتب درس سے بھی فائدہ اٹھایا اور ان کو فوج میں برابر کا شریک بنایا جس سے ان کو بڑی کامیابی ہوئی، اس زمانہ میں جب یونانیوں کے دلوں سے اخلاص، بہادری اور عقیدہ کی پختگی مدت ہوئی کمزور پڑ چکی تھی، عربی فوج کا ہر سپاہی اپنے مقصد کے لیے ہر وقت جان دینے کے لیے تیار رہتا تھا۔

عربوں کی فتوحات اور کامیابیوں نے شروع میں ان کو اندھا نہیں کر دیا تھا، چنانچہ فاتح مفتوحوں کے ساتھ عموماً جو زیادتیاں کرتے ہیں، وہ انہوں نے نہیں کیں اور نہ اپنی چیزیں منوانے کے لیے ان پر سختی کی اور نہ اپنے دین کو جسے وہ ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے، جبر وقوت سے

Marfat.com

منوایا، اگر وہ ایسا کرتے تو وہ تمام قومیں جو ابھی ان کی مطیع نہیں ہوئی تھیں، ان سے بھڑک جاتیں اور ان کی مخالف ہو جاتیں، اس لیے انہوں نے اس مہلک کام سے اپنا دامن بچائے رکھا، جس میں شام کی فتح کے زمانہ میں صلیبی مبتلا ہو چکے تھے، دور اول کے خلفا اپنی بے مثل سیاسی ذکاوت سے اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ کسی قوم کے اوضاع واطوار و مذہب دوسری قوموں سے زبردستی نہیں منوائے جاسکتے، اس لیے جب وہ شام، مصر اور اسپین میں داخل ہوئے تو یہاں کے باشندوں کے ساتھ انتہائی نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کے پرانے نظام، ان کے اوضاع واطوار اور ان کے عقائد کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا اور اسلام کی خاطر ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور جزیہ کی خفیف مقدار لینے کے علاوہ جو ان ٹیکسوں کے مقابلہ میں جن کو وہ دوسری حکومتوں کو ادا کیا کرتے تھے، بہت کم تھی، باقی امور میں قرآن خود ان کی حفاظت کا ضامن تھا، اس رواداری کو کوئی فاتح قوم آج تک نہیں پہنچ سکی اور نہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں اتنی نرمی و ملاطفت پائی جاتی ہے، افسوس ہے کہ مؤرخین نے اسی نرمی و مساحت کو بھلا دیا جو اتنی سرعت کے ساتھ عربوں کی فتوحات کا سبب اور مفتوحہ قوموں اور ان کے مذہب کے اوضاع واطوار اور ان کی زبان کو قبول کر لینے کا سب سے بڑا سبب تھی، یہ تینوں عوامل ان تمام قوموں میں جنہوں نے عربوں کی پذیرائی کی تھی، اس طرح سرایت کر گئے کہ انہوں نے خود ان حملوں کا جو عرب اور اسلام پر ہوئے مقابلہ کیا اور عربوں کو ضعف و کمزوری کی تباہی سے بچالیا، اس سلسلہ میں مصر کی مثال خاص طور سے لائق غور ہے، وادی نیل پر ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں نے بھی حکومت کی تھی لیکن وہ یہاں قدیم فرعونی تہذیب کے بجائے اپنا تمدن رائج نہ کر سکے لیکن عربوں نے مصر کو عرب اور مسلمان بنا دیا، مسلمانوں کے مذہب اور اس سے پیدا شدہ اخلاق واطوار کے غیر معمولی طور سے پھیلنے کے، ان کی رواداری اور حاکمانہ لطف و مدارات کے علاوہ اور بھی اسباب تھے، مثلاً ان کے اخلاق و عادات اس قدر سادہ تھے کہ وہ بہت آسانی سے مفتوح قوموں کے متوسط طبقوں کی سادہ ضروریات کے ساتھ میل کھا گئے اس کے علاوہ مسلمان ان میں تھوڑی بہت ترمیم کر کے ان کو نئی ضروریات کے مطابق بنا لیتے تھے، اسی لیے ہندوستان،

Marfat.com

ایران وعرب، بربری افریقہ اور مصر وغیرہ میں اسلامی آداب واخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالاں کہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہے، یعنی قرآن۔

جن تمدنی اصولوں کی بنیاد عربوں نے رکھی، ان میں سب سے بڑا فعال عامل وہ نیا دائرہ تھا جو انہوں نے بنایا اور ان کی غیر معمولی ذہانت تھی، اس لیے وہ صحرائے عرب سے نکلتے ہی وہ لاتینی یونان کے تمدن تک جس کو وہ بہت عجیب وغریب سمجھتے تھے، پہنچ گئے اور جس طرح انہیں یونانیوں کی فوجی برتری کا اندازہ ہو گیا تھا، اسی طرح وہ ان کی ادبی وعلمی برتری سے بھی جلد واقف ہو گئے اور انہوں نے فوراً اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی اور اس قدیم تمدن سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا، بربر نے پچھلی چند صدیوں میں قدیم لاتینی تمدن کے باقیات سے فائدہ اٹھانے کی جو انتھک کوششیں کی ہیں، اس سے اس راہ کی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے، خوش قسمتی سے جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، عرب کبھی خالص وحشی نہیں تھے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ تمدن کے جس درجہ پر تھے، اس کو ہم بالکل بھلا دیتے ہیں، ساری دنیا سے ان کے تجارتی تعلقات تھے، آپ کی بعثت کے وقت ان کا ایک خاص کلچر اور نہایت بلند ادب تھا، یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ جب کوئی ادیب قضا وقدر سے بعض چیزوں سے ناواقف رہ جاتا ہے تو اس میں ان چیزوں کو جلد حاصل کر لینے کی استعداد موجود ہوتی ہے، اس لیے عرب جب نئی دنیا میں نکلے تو اس کے درس ومطالعہ میں انہوں نے ویسے ہی جوش ومستعدی دکھائی جیسی اس کو فتح کرنے میں دکھا چکے تھے اور اس تمدن کے مطالعہ میں جس سے ان کو دفعۃً سابقہ پڑا تھا وہ ان برے اوضاع واطوار کے اثر سے متاثر نہیں ہوئے جو بیز نطیوں میں مدت دراز سے چھائے ہوئے تھے۔

ان کے خیالات کی یہ آزادی ان کی اتنی جلد ترقی کا ایک بڑا سبب تھی، اس میں شبہ نہیں کہ قوموں کا ماضی ان کی زندگی میں نہایت مفید نتائج پیدا کرتا ہے لیکن کبھی ان کو قدامت کے آثار کا غلام بنا کر ان کی ترقی میں حائل بھی ہو جاتا ہے، عربوں نے جو چیزیں ایجاد کیں ان میں ان کے فکر وتصور کی مستقل حیثیت اور ان کی قوت اختراع برابر نمایاں رہی، چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں

Marfat.com

انہوں نے ہندسہ اور دوسرے فنون کو اپنے مذاق کے مطابق بنالیا جو ان کے تمام آثار میں پہلی نظر میں پہچان لیے جاتے ہیں، یونان کا فلسفہ چوں کہ نظری تھا اور عربوں کی عملی فطرت سے میل نہیں کھاتا تھا، اس لیے انہوں نے اس کی جانب پوری توجہ نہیں کی اور تعمیرات اور دوسرے علوم و اخلاق کو اپنا مرکز توجہ بنایا اور اس میں ان کو اتنا انہماک ہوا کہ یہ چیزیں ان کے دلوں میں سرایت کر گئیں''۔

ڈوزی لکھتا ہے کہ ''عرب محض فلسفیانہ تعلیمات ہی کے نہیں، بلکہ فطری اور جبلی تقاضوں کے بھی ماہر تھے، چنانچہ انقلاب فرانس کے مبادیات یعنی حریت، مساوات اور اخوت کی بنیاد ان ہی نے ڈالی اور ایک بدوی کو وہ آزادی حاصل ہے جس کی مثال روئے زمین پر نہیں، اس کا قول ہے کہ وہ خالق کائنات کے علاوہ اور کسی کو اپنا آقا نہیں جانتا، وہ حریت کے اس درجہ پر فائز ہے کہ اگر اس کا موازنہ ہمارے انتہائی ترقی یافتہ اصول آزادی سے کیا جائے تو وہ عربوں کی آزادی کے مقابلہ میں ایک قسم کا استبداد معلوم ہوگی، حکومت کے لیے نیکی اور بھلائی شرط ہے لیکن ہمارے عقیدہ میں شرط ایک ناگزیر چیز ہے، جس سے کسی حال میں بھی مفر نہیں، بدوی حکومت سے بے نیاز ہوتا ہے، ان میں ہر قبیلہ کا سردار ہوتا ہے، جس کو وہ خود منتخب کرتے ہیں، اگر چہ وہ اس کی عزت وعظمت کرتے ہیں اس کا حکم بھی مانتے ہیں، خصوصاً اگر خطیب اور زبان آور بھی ہو لیکن قبیلہ پر اس کا اقتدار بہت معمولی ہوتا ہے، اس کو اہل قبیلہ پر احکام نافذ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا اس سے کہا جاتا ہے کہ وہ رائے عامہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے خدمات کا کوئی معاوضہ نہ لے، بلکہ اس کو ناپسند کرے، یہی نہیں بلکہ وہ خود اپنے پاس سے فقرا اور محتاجوں کو کھلاتا ہے اس کے پاس جو ہدیے بھیجے جاتے ہیں ان کو وہ اپنے دوستوں میں تقسیم کرتا ہے، وہ مسافروں کی میزبانی اس پیمانہ پر کرتا ہے کہ قبیلہ کا کوئی دوسرا فرد ایسی میزبانی نہ کر سکے، سردار قبیلہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں قبیلہ کی مجلس شوریٰ کی جو قبیلہ کی مختلف شاخوں کے امرا و عمائد پر مشتمل ہوتی ہے، رائے لیا کرے اس کی اجازت کے بغیر نہ وہ کسی سے اعلان جنگ کر سکتا ہے نہ صلح اور نہ فوجوں کو واپس بلا سکتا ہے، جب کوئی قبیلہ اپنے کسی فرد کو سردار کا لقب دیتا ہے تو اس کا مقصد عموماً اس شخص کا

Marfat.com

احترام ہوتا ہے، اس سے اس کو کوئی مادی فائدہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ اہل قبیلہ کی جانب سے محض اس کے اعزاز و اکرام کی ایک عام شہادت اور اس شخص کی عظمت کا اعتراف ہوتا ہے کہ وہ اپنے اثر واقتدار، جرأت و حوصلہ مندی، فیاضی اور اخلاص سے قبیلہ کی خدمت اور اس کے کاموں کو انجام دیتا ہے اور اس کی ضروریات پوری کرنے میں ممتاز ہوتا ہے، کسی قدیم اور آزاد بدوی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''یہ بلند مرتبہ ہم اس وقت تک کسی کو نہیں دیتے جب تک وہ اپنی پوری املاک ہمارے حوالہ نہ کر دے اور ہم کو اس پر اختیار نہ دے دے کہ ہم اس کی ہر عزیز چیز کو اپنے پیروں سے مسل نہ ڈالیں اور وہ عزت و جاہ کے ہر وسیلہ اور ہر چیز سے دست بردار ہو کر غلاموں اور خادموں کی طرح ہماری خدمت نہ کرے''۔

عربوں میں حریت، مساوات اور اخوت کا جو مفہوم ہے، اس ہالینڈی مصنف نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کی ہے اور تاریخ سے اس کی بہت سی مثالیں اور شہادتیں پیش کی ہیں اور ان اصطلاحوں کے بارہ میں یورپ اور عربوں کے نقطۂ نظر کا موازنہ کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ''یہ چیزیں عربوں میں زیادہ بہتر شکل میں تھیں اور ان چیزوں نے عربوں کو لامحدود حرص وطمع اور موہوم امیدوں سے جن میں ہم اہل یورپ مبتلا ہیں، نجات دلا کر امن و سکون کی دولت عطا کی، ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیشہ موجودہ حالت سے بہتر شکل کے حصول کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں، جس سے انسانی سوسائٹی کے ستون منہدم ہو جاتے ہیں، مگر فائدہ بہت کم حاصل ہوتا ہے'' اسی کے ساتھ اس مصنف نے فرنگیوں کی اس رفعت فکر کی بھی تعریف کی ہے جس نے ان کو ترقی کے اس درجہ تک پہنچا دیا اور ایسی نمایاں کامیابی عطا کی جس کا مشاہدہ ہر شخص کر سکتا ہے، اس بحث کا خاتمہ اس نے ان الفاظ پر کیا ہے کہ ''عربوں نے جن بڑے بڑے ملکوں کو بزور شمشیر فتح کیا تھا، ان میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد علم و فن کی خدمت و تحصیل میں لگ گئے اور قدیم مصنفین کی کتابوں کے ترجمے کیے، ان کی شرحیں لکھیں جس سے وہ علوم مکمل ہو گئے اور ان کی جانب عربوں کی دائمی توجہ اور انتہائی دقت نظر کے ساتھ ان کی تحقیق اور وضاحت و تشریح سے ان

Marfat.com

علوم کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا لیکن انہوں نے کوئی نئی چیز ایجاد نہیں کی اور ہم کسی بلند اور وسیع تخیل کے لیے ان کے زیر بار احسان نہیں ہیں اور گو ہمارے اور ان کے درمیان بڑے بنیادی اختلافات ہیں لیکن ان کے اخلاق ہمارے اخلاق سے زیادہ بلند اور ان کے دل ہمارے دلوں سے زیادہ وسیع ہیں اور ان میں انسانیت کی عظمت کا میلان زیادہ ہے اور اگرچہ ان کو شخصی آزادی سے زیادہ شغف ہے لیکن ان میں ترقی اور کامیابی کی زیادہ استعداد نہیں ہے اور سیاسی افکار کی بھی کمی ہے اس لیے وہ سوسائٹی کے قوانین کی پابندی پر قادر نہیں ہیں''۔

ڈوزی کی اس رائے کا بڑا حصہ صحیح ہے لیکن یہ غلط ہے کہ عربوں نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی اور کسی بلند تخیل میں یورپ ان کا زیر بار احسان نہیں ہے، ہم اوپر عربوں کے علوم کی بحث میں تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ عربوں نے جتنی کم مدت میں علم وفن اور ایجاد واختراع کے جو کارنامے انجام دیے وہ اس مدت کے مقابلہ بہت کم ہے جس میں دوسری قومیں اپنی سیاست کے زور سے آگے بڑھ گئیں اور اس کے ثبوت میں ہم نے ڈریپر، جوتیہ، سیدیلیو اور گبن جیسے مؤرخین کی رائے پیش کی ہے۔

عربوں کی نئی تہذیب کا میدان اور ان کا ماخذ: دوسری قوموں کی طرح عربوں نے بھی ایک تہذیب پیدا کی اور اس کے طور طریقوں میں انہوں نے دوسری قدیم حکومتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جس زمانہ میں انہوں نے فارس اور روم پر قبضہ کیا اور ان کے لڑکوں اور لڑکیوں کو خادم بنایا اس وقت ابن خلدون کے بیان کے مطابق تہذیب وتمدن میں ان کا کوئی درجہ نہ تھا، چنانچہ ایران کی فتح کے زمانہ میں جب ان کے سامنے بڑی بڑی چپاتیاں پیش کی گئیں تو اس کو انہوں نے کاغذ سمجھا، اسی طرح کسریٰ کے خزانہ میں جب کافور ملا تو اس کو نمک سمجھ کر آٹا گوندھنے میں ملا دیا، مگر اسی کے ساتھ جب انہوں نے دوسری حکومتوں کے لوگوں کو لونڈی غلام بنایا تو ان کو اپنے گھریلو کاموں اور ضروریات میں لگایا اور مختلف کاموں کے لیے ان کے ماہر خدام منتخب کیے جنہوں نے بڑی خوبی اور سلیقہ سے ان کاموں کو انجام دیا اور ان میں بڑا تفنن پیدا کیا، عربوں کو چوں کہ سامان معیشت میں

Marfat.com

بڑی وسعت اور اس میں تفنن اور تنوع پیدا کرنے کے تمام وسائل حاصل تھے، اس لیے ان خدام کی مہارت اور سلیقہ مندی سے ان کو بڑا فائدہ پہنچا اور جس قدر عیش و تنعم کی زندگی میں تغیر پیدا ہوتا گیا وہ بھی اس کے ساتھ بدلتے گئے اور ان کو انتہا تک پہنچا دیا اور کھانے، لباس، عمارتوں، اسلحہ، فرش وفروش، ظروف اور دوسرے گھریلو سامان اور اثاث البیت وغیرہ اور شادیوں، دعوتوں اور دوسری تقریبوں وغیرہ کے تکلفات میں وہ حد اعتدال سے بہت آگے بڑھ گئے۔

پہلی صدی کا نصف اول بھی ختم نہیں ہوا تھا کہ عربوں نے جن شہروں میں سکونت اختیار کی تھی ان کو عیش وعشرت کے سامانوں سے معمور کر دیا، ان میں سے کچھ لوگ تو سر سے پاؤں تک ان تعیّشات میں ڈوب گئے اور کچھ لوگوں نے اس سے اپنا دامن بچائے رکھا، چنانچہ صحابۂ کرام کی زندگی نہایت سادہ اور خشک تھی پھر جب بنی امیہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے پہلی صدی کے آخر تک تعیش وتکلفات کے ساتھ عرب کے پرانے اخلاق اور ان کی فطری سادگی کو بھی قائم رکھا، چنانچہ بعض اموی خلفا اس مصلحت سے کہ تعیش کی زندگی ان کے اور ان کی قوم کے اخلاق کو بگاڑ کر عربوں کے تمام عزم وعمل کی قوت کو برباد نہ کر دے، شام کے شہروں میں بہت کم رہتے تھے اور اپنے قیام کے لیے بادیہ اور دیہاتی علاقوں میں محلات وقصور بنوائے تھے (۱) لیکن اس کے باوجود نئی تہذیب

(۱) امیر معاویہؓ کبھی کبھی غوطہ دمشق میں آکر رہتے تھے اور بدوی فضا پیدا کرنے کے لیے خیمے اور چھولداریاں نصب کراتے تھے، گرمی کا موسم صنبرہ میں جو طبریہ سے تین فرسخ کی مسافت پر ہے، بسر کرتے تھے، غوطہ دمشق میں بہت سے امویوں کے محلات تھے، خشکی کے علاقہ میں عبدالملک کے کئی محل تھے، عمان کے قریب قصر موقر کے گرد بہت سی عمارتیں بنوائی تھیں، یزید بن عبدالملک بھی حصن موقر میں رہا کرتا تھا، ولید بن یزید اور عباس بن ولید قسطل (بلقاء) میں مستقل رہتے تھے اور ولید زیزاء اور قصر ازرق میں رہتا تھا، تدمر کے قریب نعمان بن شبیر کا محل قصر الخمراء تھا، ایک روایت یہ ہے کہ ولید بن یزید بن عبدالملک اسی میں قتل کیا گیا تھا، ہشام بن عبدالملک بادیہ شام میں زیتونہ میں رہتا تھا، پھر رصافہ کی تعمیر کے بعد اس میں منتقل ہوگیا، یزید حواریں اور تدمرین میں رہتا تھا اور اس کا لڑکا خالد فدین اور بلقاء میں، سلیمان بن عبدالملک دابق اور بطنان جیب میں گرمی کا موسم بسر کرتا تھا، ولید ایایر (اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے اثر سے حجاز بھی محفوظ نہیں رہ سکا اور یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ جیسے مقدس مقامات تک میں گانے اور موسیقی کی تعلیم ہوتی تھی اور حجاز میں تعلیم پائی ہوئی لونڈیوں کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی، اس لیے کہ ایران و روم کے بعد عرب کھیل تماشوں کے بڑے دلدادہ تھے، پہلی صدی کے نصف اول میں عبدالحکیم بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان جمحی نے مکہ کے ایک گھر میں شطرنج، نرد اور گوٹی کے کھیل کا سامان کیا تھا، اس میں عام معلومات کی بعض کتابیں بھی تھیں، آنے جانے والوں کے کپڑے ٹانگنے کے لیے دیواروں میں کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں، آنے والوں میں سے جس کا دل چاہتا کتاب پڑھتا، جس کا دل چاہتا کھیل سے تفریح حاصل کرتا، گویا اس نے اس زمانہ میں ایک طرح کا کلب قائم کیا تھا، جس میں مطالعہ و کتب بینی اور کھیل اور تفریح دونوں کا سامان موجود تھا۔(۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل اسلام میں عربوں میں ہر جہت سے کس قدر تمدن پھیلنے لگا تھا، عرب کے ایک مقرر عبداللہ بن تحمر نے عربوں کو عمدہ لباس میں دیکھ کر ایک مرتبہ یہ تقریر کی تھی ''کیا اچھا حال اور کیا بہتر حالت ہے، افلاس و تنگ دستی کے بعد یہ خوشحالی، یہ قورمے عمامے اور یہ ردائیں، آج تم لوگ روشن و تاباں اور دوسرے غبار آلود ہو گئے، دوسرے لوگ تم کو دیتے ہیں اور تم لیتے ہو، وہ سواری کے لیے بچے پیدا کرتے ہیں اور تم ان پر سواری کرتے ہو، وہ بنتے ہیں اور تم پہنتے ہو، وہ بوتے ہیں اور تم کھاتے ہو''۔

عربوں کی زمانۂ جاہلیت اور اسلام کی زندگی میں جو فرق ہو گیا تھا اس کو مشہور تابعی

(پچھلا صفحہ پر) (حوران) میں آکر ٹھہرا کرتا تھا، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز معرۃ النعمان کے قریب دیر سمعان میں ٹھہرتے تھے، یہیں ان کی وفات بھی ہوئی تھی، آپ کبھی خناصرہ میں بھی آکر ٹھہرتے تھے، غرض بیشتر اموی خلفا اور امرا طاعون اور گرمی سے بچنے اور کھلی فضا میں رہنے کے لیے شہروں میں بہت کم قیام کرتے تھے، حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ برکہ (حجاز) میں ایک گھر ہونا مجھ کو شام میں بیس گھر ہونے سے زیادہ پسند ہے۔

(۱) اس میں شبہ نہیں کہ خلفاے راشدینؓ کے بعد مکہ و مدینہ تک کی زندگی بدل گئی تھی اور وہاں (اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

قتادہ بن دعامہ سدوسی نے قرآن مجید کی اس آیت:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ	اور تم لوگ دوزخ کے کنارے پہنچ گئے، پس
فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ	تم کو اس سے نکالا، اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں
لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔	تم پر ظاہر کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔

کی تفسیر میں بڑی خوبی سے .... ظاہر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ”عرب سب سے زیادہ ذلیل، سب سے زیادہ تنگ حال، سب سے زیادہ گمراہ اور سب سے زیادہ ننگے بھوکے تھے اور دو شیروں روم اور ایران کے کچھار کے درمیان کھڑے ہوئے تھے، ان کے ملک میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی تھی، جس پر رشک کیا جائے، جب تک زندہ رہتے تھے برے حال میں جیتے تھے، جب مرتے تھے تو جہنم میں جاتے تھے، دوسرے ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اور وہ خود کسی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی قوم ان سے زیادہ بے مایہ اور بدحال نہ تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام بھیجا اور اس کے ذریعہ تم کو ایک کتاب کا وارث بنایا اور اس کتاب کے ذریعہ تم کو عیش و مسرت کے گھر میں اتارا، تمہارے رزق میں وسعت پیدا کی، تم کو دوسروں کا حاکم بنایا، تم کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دیا ہے وہ اسلام ہی کے طفیل میں ہے، اس لیے تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، کیوں کہ تمہارا منعم رب شکر گذاروں کو پسند کرتا ہے۔

(پچھلا صفحہ پر) بہت سے غیر اسلامی طور طریقے رائج ہو گئے تھے لیکن مصنف نے جو واقعات نقل کیے ہیں وہ اغانی کی روایات ہیں، گو اغانی کے بہت سے واقعات صحیح بھی ہیں لیکن وہ ادب و محاضرات کی کتاب ہے، اس سے اہم تاریخی واقعات میں .... استناد نہیں کیا جا سکتا، اس کے علاوہ علما و محدثین نے ہمیشہ غیر اسلامی طور طریقوں کی مخالفت کی ہے۔ (م)

Marfat.com

چھٹا باب

عربوں کی ثروت اور ان کے علوم

جیسا کہ عام خیال ہے عرب کل کے کل بدوی نہیں تھے، جو زندگی کی لذتوں سے ناواقف رہے ہوں، یا خوشگوار زندگی بسر کرنے کا سلیقہ نہ رکھتے ہوں، بلکہ بعضوں میں تھوڑی بہت ثروت بھی تھی جو خوشحالی اور دنیاوی لذتوں کی بنیاد ہے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں عمرو بن لحی بڑا دولت مند تھا، عربوں میں دستور تھا کہ جو شخص ایک ہزار اونٹوں کا مالک ہو جاتا وہ ان کو نظر بد سے بچانے کے لیے ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتا تھا اور عمرو بن لحی نے بیس اونٹوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں، یعنی وہ بیس ہزار اونٹوں کا مالک تھا، سہیلی (۱) نے لکھا ہے کہ عمرو بن لحی بعض مرتبہ حج کے موقع پر دس دس ہزار قربانیاں کرتا تھا اور اس نے اپنی زندگی میں دس ہزار حلے استعمال کیے، وہ ہر سال عربوں کی دعوت کرتا تھا اور اس دعوت میں چربی اور شہد (۲) پکواتا تھا اور ستو بنواتا تھا۔

مخضرمی عرب یعنی وہ لوگ جن کی عمر کا نصف حصہ جاہلیت میں گذرا اور نصف اسلام میں، خصوصاً سرداران قبائل اور بڑے گھرانوں کے اشراف خاصے خوش حال تھے، وہ خود بھی اپنی دولت سے لطف اٹھاتے تھے اور دوسروں کے ساتھ فیاضی کرتے تھے جس کی مثال دوسری قوموں میں نہیں مل سکتی، اسلامی دور میں اسلام کی راہ میں بعضوں نے بطیب خاطر اپنی دولت صرف کی، بعثت نبوی کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے، جس کو وہ اپنی اور

(۱) روض الانف۔ (۲) حبس عربوں کا ایک مرغوب کھانا تھا۔

Marfat.com

مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے، چنانچہ ۹ھ میں جیش عسرت کی تیاری کے لیے دس ہزار دینار دیے، اسی غزوہ میں حضرت عثمانؓ نے بھی بڑی قیمتی مدد کی تھی، وہ زمانہ جاہلیت میں دولت مندوں میں شمار کیے جاتے تھے، جیش عسرت کی امداد میں انہوں نے ۹۵۰ اونٹ اور پچاس گھوڑے مع ساز وسامان کے اور ایک ہزار دینار نقد دیے، آپ کے عہد خلافت میں مدینہ میں مال ودولت کی بڑی فراوانی ہوگئی تھی، خود آپ کے پاس ایک ہزار لونڈی غلام تھے اور اس مال میں مسلمانوں کے بیت المال اور مال غنیمت کے خمس کا ایک حبہ بھی شامل نہ تھا، حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں اہل حجاز کی منڈی غرہ ہاشم کے دولت مند تاجروں میں تھے، رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم حضرت خدیجۃؓ صدیقہ بڑی دولت مند خاتون تھیں، ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، وہ اپنا تجارتی مال شام بھیجتی تھیں، تنہا ان کا تجارتی قافلہ پورے قبیلہ قریش کے کاروان تجارت کے برابر ہوتا تھا، وہ مردوں کے ذریعہ تجارت کراتی تھیں اور منافع کی شرکت پر لوگوں کو تجارت کے لیے روپیہ دیتی تھیں، ابوسفیان تجار مکہ کے شیخ تھے اور زمانہ اسلام سے پہلے دولت مندوں میں ان کا شمار تھا، وہ دوسرے تاجروں کو اپنا اور قریش کا مال دے کر شام اور دوسرے عجمی ملکوں میں بھیجتے تھے، کبھی کبھی خود مال لے کر جاتے تھے، رومی اور عجمی ملکوں میں ان کے تعلقات تھے، ان کے پاس بڑی دولت اور بڑا تجارتی سامان تھا، شام میں بلقاء کے مقام میں نقنس نامی ان کا اپنا مملوکہ گاؤں تھا، غزوۂ بدر کے دن وہ قریش کے ایک بڑے تجارتی کارواں کے ساتھ جس میں بڑی دولت اور بہت سا تجارتی سامان تھا، شام سے واپس ہوئے تھے اور اس کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے بڑی بہادری دکھائی تھی، اس قافلہ میں بنی امیہ کا چار خمس مال تھا اور کل سامان کی قیمت کا تخمینہ پچاس ہزار دینار تھا۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی قریش کے بڑے صاحب ثروت لوگوں میں تھے، ان کی بیوی ایک مرتبہ ازواج مطہرات کے پاس گئیں، ان کو خستہ حال دیکھ کر انہوں نے کہا تمہارے شوہر تو قریش کے سب سے بڑے دولت مند آدمی ہیں، پھر تم کیوں اس حال میں ہو انہوں نے کہا ان

Marfat.com

کی ذات سے میرے مقدر میں کچھ نہیں ہے، ان کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں بسر ہوتے ہیں (یعنی پھر بناؤ سنگار کس کے لیے کروں) یہ واقعہ ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا، آپ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا، کیا تمہارے لیے میری ذات نمونہ عمل نہیں ہے، انہوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، واقعہ کیا ہے؟ فرمایا: تم سارے دن روزے رکھتے ہو اور ساری راتیں نمازیں پڑھتے ہو؟ عرض کی ایسا تو ہے فرمایا' ایسا نہ کیا کرو، اس لیے کہ تم پر تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، جسم کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اس لیے نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، رسول اللہ ﷺ کی اس فہمائش کے بعد جب دوبار عثمان بن مظعون کی بیوی ازاوج مطہرات سے ملنے کے لیے گئیں تو دلہن کی طرح عطر میں بسی ہوئی تھیں، ازواج مطہرات نے پوچھا، اب یہ تغیر کیسا؟ انہوں نے کہا، اب میں بھی دوسری عورتوں کی طرح ہو گئی۔

صحابہ کرام پر دنیا اتنی وسیع ہو گئی تھی کہ ان میں سے بعض لوگ ایک ایک لاکھ میں ایک ایک گھوڑا خریدتے تھے، مدینہ میں ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ تک پہنچ گئی تھی، مدینہ نہایت آباد ہو گیا تھا، آبادی، مال و دولت اور ہر قسم کے ساز و سامان کی کثرت تھی، سارے ملک کا خراج مدینہ آتا تھا، وہ حکومت کا پایہ تخت تھا، اس لیے یہاں کے باشندے مال و دولت، گھوڑوں اور ہر طرح کی نعمتوں کی بہتات سے پھول گئے تھے، حکیم بن حزام نے اپنا ایک گھر امیر معاویہ کے ہاتھ ساٹھ ہزار دینار میں بیچا تھا، لوگوں نے ان سے کہا کہ معاویہ نے بڑا سستا لے لیا، انہوں نے کہا میں نے اس کو زمانہ جاہلیت میں ایک مشکیزہ شراب میں خریدا تھا، تم لوگ گواہ ہو اب میں اس کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں، (جیسا کہ آگے کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اس مکان کی قیمت خیرات کی تھی) اب دیکھو ون خسارہ میں رہا، اسی گھر کے فروخت پر حضرت زبیرؓ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے قریش کی عزت و شرف کو بیچ دیا، حکیم نے کہا اسلام نے ہماری مفروضہ عزتیں اور شرف ختم کر دیے صرف تقویٰ باقی ہے اور اس کی قیمت خیرات

Marfat.com

کردی، حکیم، حضرت خدیجہؓ اور حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں قریش کے اشراف اور اصحاب وجاہت میں ان کا شمار تھا، ایک مرتبہ انہوں نے حج کیا تو ایک سو قربانی کے جانور ساتھ لے گئے اور ان پر بیش قیمت حبرہ(۱) کی جھولیں تھیں اور عرفہ میں ایک سو غلام خدا کی راہ میں آزاد کیے جن کی گردنوں میں چاندی کی تختیاں تھیں اور ان میں ''حکیم بن حزام کی جانب سے خدا کی راہ میں آزاد'' نقش تھا اور ایک ہزار بکریاں خانہ کعبہ پر چڑھائیں، وہ اپنے زمانہ کے بڑے فیاض اور سیر چشم تاجر تھے، تجارت کے لیے یمن اور سال میں دو مرتبہ جاڑے اور گرمی میں شام جایا کرتے تھے، انہوں نے تجارت سے بڑی دولت پیدا کی۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے زمانہ خلافت میں صحابہؓ کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا، سب نے اس کی تائید کی، اس کے بعد فتح مکہ کے مسلمانوں کی رائے لی، انہوں نے بھی حمایت کی، صرف ایک حکیم بن حزامؓ نے اختلاف کیا انہوں نے کہا ''امیر المومنین! قریش کا پیشہ تجارت ہے، جب ان کے وظیفے مقرر ہو جائیں گے تو وہ تجارت چھوڑ دیں گے، اس کے بعد جب ان کا وظیفہ کسی سبب سے بند ہو جائے گا اور وہ آپ کے پاس آئیں گے، اس وقت ان کی تجارت ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوگی'' حکیم کی رائے نہایت مناسب اور حکیمانہ تھی، اس لیے کہ وظیفوں کے عام تقرر کے معنی یہ تھے کہ ایک ترقی یافتہ جماعت کو جو عمل اور جدوجہد کی عادی ہو سست اور کاہل بنا دیا جائے (۲) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کے عربوں کو وہی صورت حال پیش آئی جو اسپینیوں کو اس زمانہ میں پیش آئی تھی جس زمانہ میں جنوبی امریکہ فتح ہوا تھا، اس وقت اس نئی دنیا سے ہزاروں کی تعداد میں سونے کی ڈھلی ہوئی اشیا اور نادر معدنیات اسپین آتے تھے، اس سے وہاں مال ودولت کی بڑی فراوانی ہوگئی اور لوگ تن آسانی اور تعیش کے عادی

(۱) ایک قیمتی کپڑا۔ (۲) لیکن حضرت عمر بھی وظائف مقرر کرنے پر مجبور تھے، اس لیے کہ جن صحابہ نے اسلام کی راہ میں قربانیاں کی تھیں اور جن مجاہدین نے اس کے لیے اپنا خون بہایا تھا ان کا اس مال پر حق تھا۔ (مترجم)

Marfat.com

ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسپین یورپ کا سب سے غریب ملک ہو گیا، ایسے ہی وظائف نے بھی مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے مسلمانوں میں بھی کچھ دنوں کے لیے تھوڑی سی فراغت پیدا کر دی تھی اور چوں کہ حجاز میں سارے اسلامی ملکوں سے مال غنیمت، خراج، عشور، صدقات اور جزیہ کی آمدنیاں آتی تھیں، اس لیے عربوں کا بڑا حصہ قوم کے خزانہ پر زندگی بسر کرنے کا عادی ہو گیا اور جب فتوحات کا دور ختم ہو گیا اور اس کی آمدنیاں جاتی رہیں، اس وقت قریش کے ہاتھوں سے تجارت نکل چکی تھی، اس لیے حجاز فقر وفاقہ میں مبتلا ہو گیا۔

حضرت سعد بنؓ ابی وقاص بھی مدینہ کے بڑے دولت مندوں میں تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے نقد سرمایہ کی زکوٰۃ مروان کے پاس پانچ ہزار درہم بھیجی تھی اور اپنی وفات کے وقت ڈھائی لاکھ درہم چھوڑے، حضرت عبداللہ بنؓ عباس بھی صاحب ثروت اور فیاض تھے، حضرت عباسؓ زمانہ جاہلیت میں ہاشمی خاندان کے سب سے بڑے دولت مند آدمی تھے اور جنگ بدر کے بیشتر قیدیوں کو ان ہی نے کفار کی جانب سے فدیہ دے کر چھڑایا تھا اور خود اپنے فدیہ میں ایک سو اوقیہ سونا دیا تھا یعلی بنؓ منبہ بھی بڑے دولت مند تھے، عمر بن ربیعہ شاعر کے والد عبداللہ بن ربیعہ اتنے دولت مند تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک مرتبہ چالیس ہزار قرض لیا تھا اور اس کو ادا کرتے وقت ان کے اہل وعیال اور مال ودولت میں برکت کی دعا کی تھی اور فرمایا تھا کہ ''قرض کا بدلہ اس کی ادائی اور حمد وتشکر ہے'' زمانہ جاہلیت میں معمول تھا کہ ایک سال پورا خاندان قریش چندہ کر کے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاتا تھا اور ایک سال عبداللہ تنہا اپنے صرف سے یہ خدمت انجام دیتے تھے، اس سے ان کا لقب ''عدل'' ہو گیا تھا، کیوں کہ وہ تنہا قریش کی برابری کرتے تھے، وہ بڑے تاجر تھے ان کی تجارت یمن میں ہوتی تھی، اسی طریقہ سے حویطب بن عبدالعزیٰ بھی دولت مند تھے، انہوں نے بھی ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس ہزار قرض دیا تھا اور امیر معاویہ سے پینتالیس ہزار دینار میں ایک مکان خرید ا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بنؓ عوف جو آٹھویں مسلمان تھے، بڑے دولت مند اور خوش نصیب

Marfat.com

تاجر تھے، ان کے پاس اتنی دولت تھی کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اماں! مجھے خوف ہے کہ دولت کی کثرت مجھے ہلاک نہ کر دے، انہوں نے فرمایا بیٹا! اس کو صرف کر دو، اس پر انہوں نے اس طرح عمل کیا کہ ایک زمین چالیس ہزار دینار میں فروخت کر کے اس کی قیمت خیرات کی، ایک مرتبہ ایک پورا تجارتی کارواں جس میں سات سو اونٹوں پر سامان تھا، مع اونٹوں کے صدقہ کر دیا، اپنی پوری عمر میں تیس ہزار غلام آزاد کیے اور وفات کے وقت امہات المومنین کے اخراجات کے لیے ایک باغ کی وصیت کر گئے جو چار لاکھ میں فروخت کیا گیا، پچاس ہزار دینار خدا کی راہ میں خیرات کیے اور ہر بدری صحابیؓ کے لیے چار چار لاکھ دینار کی وصیت کی، اس وقت جتنے اصحاب بدر زندہ تھے، ان سب کو وصیت کے مطابق پوری رقم دی گئی، اتنی دولت صرف کرنے کے بعد بھی بہت بڑا سرمایہ چھوڑ گئے، سونے کی اتنی بڑی بڑی سلیں تھیں کہ ان کو ہتھوڑوں سے کاٹا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھوں میں آبلے پڑ پڑ گئے، ان کے اصطبل اور مویشی خانہ میں ایک ہزار اونٹ، اسی قدر گھوڑے اور دس ہزار بکریاں تھیں، وفات کے وقت چار بیویاں تھیں، ان چاروں کو ترکہ میں آٹھویں حصہ اسی اسی ہزار ملا، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی انہوں نے کار خیر میں بہت کچھ صرف کیا تھا اور ان کی دولت جس قدر بڑھتی جاتی تھی اسی قدر صدقات وخیرات میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ چار ہزار، دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چار کروڑ درہم خیرات کیے اور پانچ سو اونٹ مجاہدین کی سواری کے لیے دیے، پندرہ ہزار قیدیوں پر صرف کیے، حضرت سعد بن ربیع انصاری بھی مدینہ کے دولت مند لوگوں میں تھے، آنحضرت ﷺ نے جب ان میں اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ میں مواخاۃ کرائی تو سعد نے حضرت عبدالرحمنؓ سے کہا کہ میں مدینہ کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہوں میرے مال کا آدھا حصہ تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں ان میں سے جس کو تم پسند کرو اس کو میں طلاق دے دوں، لیکن عبدالرحمن نے شکریہ کے ساتھ اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت دے اور خود تجارت شروع کر دی، اس میں اللہ تعالیٰ نے جتنی برکت

Marfat.com

عطا کی اس کا اندازہ اوپر کے واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ عرب کے گیارہ مشہور فیاض دولت مندوں میں سے تھے، ان کی فیاضی کی وجہ سے ان کو طلحۃ الفیاض، طلحۃ الجود، طلحۃ الخیر اور طلحۃ الطلحات کے القاب سے پکارا جاتا تھا، ان کی ثروت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنا ایک باغ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچا اور یہ پوری رقم ایک رات میں اہل مدینہ میں تقسیم کردی، روایتوں میں ہے کہ اپنے بعد انہوں نے بیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو نقد و جنس چھوڑا تھا اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ تھی، ایک روایت میں ہے کہ تین کروڑ اور بائیس لاکھ دینار نقد چھوڑے تھے اور ساز و سامان کی قیمت اس کے علاوہ تھی، ان میں سے جو روایت بھی صحیح مان لی جائے وہ ان کی ثروت کے اندازہ کے لیے کافی ہے، ان کی عراق کی جائداد کی آمدنی چار لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ سالانہ تک تھی اور شراۃ کی جائداد کی آمدنی پندرہ ہزار دینار سالانہ تھی، صرف غلہ کی پیداوار کی قیمت ایک ہزار دانی (۱) سالانہ تھی، اپنے قبیلہ بنی تیم کے تمام غربا اور اہل حاجت کی پرورش کرتے تھے، ان کی بیواؤں کی شادیاں، غریبوں کی کفالت اور مقروضوں کو قرض ادا کرتے، جب ان کی جائداد کی سالانہ آمدنی آتی تو اس میں سے دس ہزار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کرتے، یعلی بن امیہؓ نے جن کی دولت مندی کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ایک مرتبہ چار لاکھ روپیے سے حضرت زبیر بن عوام کی مدد کی، خاندان قریش کے ستر آدمیوں کو سواریاں دیں، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ جس اونٹ پر سوار تھیں وہ ان ہی کا تھا۔

حضرت خباب بنؓ ارت بھی اغنیا میں تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حال میں تھا کہ میرے پاس ایک دینار بھی نہ تھا اور آج میرے گھر کے ایک گوشہ میں ایک تابوت میں چالیس ہزار دانی موجود ہیں، مجھ کو ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ہماری نعمتوں کا حصہ دنیا ہی میں نہ دے دیا گیا ہو، حضرت زید بنؓ ثابت نے اپنے بعد سونے اور

(۱) ایک طلائی سکہ۔

Marfat.com

چاندی کی سلیں چھوڑی تھیں جو ہتھوڑے سے کاٹی جاتی تھیں، نقد دولت اور جائداد اس کے علاوہ تھی جس کی مجموعی قیمت ایک لاکھ دینار تھی، یعلی بن امیہ نے اپنے بعد پندرہ ہزار دینار اور تین لاکھ قیمت کی جائداد اور دوسری چیزیں چھوڑیں، ان سب سے زیادہ دولت مند رسول اللہ ﷺ کے حواری اور آپ کے پھوپھیرے بھائی حضرت زبیر بن عوام تھے جو عشرہ مبشرہ میں تھے، یہ بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت تھے، ان کے ایک ہزار غلام ان کو خراج دیتے تھے جس کو وہ اکثر ایک ہی نشست میں خیرات کر دیتے تھے، اس فیاضی اور صدقات و خیرات کی وجہ سے انہوں نے اپنے بعد نقد رقم نہیں چھوڑی لیکن ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار لونڈیاں، دو جائدادیں جن میں ایک مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل تھا اور گیارہ گھر مدینہ میں، دو بصرہ میں اور ایک کوفہ میں چھوڑے، وفات کے وقت مقروض تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی دولت مندی اور امانت کی وجہ سے لوگ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھواتے تھے، یہ احتیاط کی بنا پر امانت کی شکل میں نہیں رکھتے تھے، بلکہ قرض کے طور پر لے لیتے تھے، اس کی وجہ سے وہ بہت مقروض ہو گئے تھے، آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں غزوات میں شرکت کے علاوہ تحصیل خراج یا امارت وغیرہ کا کوئی عہدہ قبول نہیں کیا، وفات کے وقت بائیس لاکھ کے مقروض تھے، حکیم بن حزام نے ان کے صاحبزادے عبداللہ سے پوچھا کہ بھتیجے بھائی نے کتنا قرض چھوڑا، انہوں نے پہلے چھپایا اور ایک لاکھ بتایا، حکیم نے کہا تمہارے مال میں تو اس کے ادا کرنے کی گنجایش نہیں ہے، اس وقت عبداللہ نے کہا اگر بائیس لاکھ ہو تو آپ کا کیا خیال ہے، انہوں نے کہا اتنی بڑی رقم کا دینا تمہارے بس سے باہر ہے، اگر تم سے ادا نہ ہو سکے تو مجھ سے مدد لینا، حضرت زبیرؓ نے کسی زمانہ میں مدینہ کے قریب ایک بڑا جنگل ستر ہزار میں خریدا تھا، عبداللہ نے اس کا ایک چھوٹا حصہ سولہ لاکھ میں بیچ کر اعلان عام کر دیا کہ والد کے ذمہ جس کا قرض ہو وہ اس کے معاوضہ میں جنگل لے لے، عبداللہ بن جعفر کا چار لاکھ قرض تھا، انہوں نے عبداللہ سے کہا، اگر تم چاہو تو میں یہ قرض چھوڑ دوں اور اگر مہلت لینا چاہو تو مہلت دے دوں، انہوں نے ان میں سے کوئی صورت منظور

Marfat.com

نہیں کی اور قرض کے بدلہ میں جنگل کا ایک ٹکڑا عبداللہ بن جعفر کو دے دیا، اس کو الگ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس ۴ ½ جنگل باقی رہ گیا، جس کا ایک حصہ منذر نے ایک لاکھ میں خریدا اور ½ ۱ حصہ امیر معاویہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا اور عبداللہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن جعفر کے قرض کے معاوضہ میں ان کو جنگل کا جو ٹکڑا دیا تھا اس کو انہوں نے چھ لاکھ میں فروخت کیا، اس طریقے سے ابن زبیرؓ نے اپنے والد کا کل قرض ادا کر دیا، اس کے بعد ورثہ نے باقی ماندہ ترکہ کی تقسیم کا مطالبہ کیا، انہوں نے کہا، میں چار سال تک برابر حج کے موقع پر اعلان کروں گا کہ جو قرض خواہ باقی رہ گیا ہو وہ آکر اپنا قرضہ لے لے اور جب کوئی قرض خواہ باقی نہ رہ جائے گا اس وقت ترکہ تقسیم کروں گا، چنانچہ چار سال اعلان کرنے کے بعد جب کوئی قرض خواہ باقی نہیں رہ گیا اس وقت ترکہ تقسیم کیا، اس وقت بھی اتنی دولت باقی رہ گئی تھی کہ حضرت زبیرؓ کی چار بیبیوں کو آٹھویں حصہ میں گیارہ گیارہ لاکھ ملا، اس حساب سے ان کی متروکہ جائداد کی قیمت کا اندازہ تین کروڑ باون لاکھ کیا جاتا ہے (۱) بعض روایتوں میں پانچ کروڑ تک ہے۔ (۲)

ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت مقداد بنؓ اسود، عروہ بن جعفر، انس بن مالک اور عمرو بن حریث مخزومی دولت مند اور سعید بن عائذ، ابو معلق انصاری، حضرت عمرؓ کے صاحبزادگان عبداللہ اور عبیداللہ، حاطب بن ابی بلتعہ اور سوید بن قیس عبدی بڑے تاجروں میں تھے۔

بعض صحابہ کرام کی صنعت وحرفت اور ان کا اور رسول اللہ کا زہد: اوپر کی مثالوں سے عربوں کی ثروت کا اندازہ ہو سکتا ہے، اس دولت کے ساتھ ان میں امانت، ایثار، صدقات و خیرات اور زہد بھی اسی درجہ کا تھا۔

ان میں سے اکثر اسلام سے پہلے بھی دولت مند تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کے بعد اس میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا اور اس دولت کو انہوں نے بہت سے قومی و ملی کاموں میں صرف کیا، اس سے فوجیں تیار کیں، مجاہدین پر صرف کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے

(۱) تہذیب الاسماء نووی۔ (۲) بخاری۔

Marfat.com

ابتدائی غزوات میں بڑی مدد ملی، صحابہ کی دولت مسلمانوں کے مفاد و مصالح اور فقرا و مساکین دونوں پر یکساں صرف ہوتی تھی، اس دولت کا بڑا حصہ انہوں نے تجارت سے پیدا کیا تھا اور زراعت اور صنعت و حرفت کا حصہ اس میں بہت کم تھا، ابو طالب عطریات اور کپڑے کی تجارت کرتے تھے (۱) حضرت ابو بکرؓ، عمر، طلحہ اور عبدالرحمانؓ وغیرہ کپڑوں کے تاجر تھے (۲) سعد بن ابی وقاصؓ ایک زمانہ میں تیر بناتے تھے اور ایک روایت کے مطابق کھجور کے درختوں کی اصلاح کرتے تھے، عتبہ نجاری کرتے تھے، حضرت زبیرؓ کے والد عوام خیاطی کرتے تھے، عمر بن العاص جانور ذبح کرتے تھے اور چمڑا اور خوشبویات بیچتے تھے، ابو سفیان زیتون کے تیل اور چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، عبداللہ بن جدعان لونڈی غلاموں کی تجارت کرتے تھے، عثمان بن طلحہ خیاطی کرتے تھے۔

لیکن صحابۂ کرام میں اسوہ نبوی کی پیروی میں تقشف اور سادگی غالب تھی، آنحضرت صلعم کے مرض الموت میں آپ کے پاس کل سات یا نو دینار تھے، اس کو بھی وفات سے پہلے انصار میں تقسیم کرا دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر ان دیناروں کے ساتھ محمد خدا سے ملے گا تو کیا خیال کیا جائے گا، اپنے بعد ایک سپید خچر اور اسلحہ کے علاوہ درہم و دینار اور لونڈی غلام میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی، ایک زمین تھی اس کو صدقہ کر دیا تھا اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو میں رہن تھی، آپ قرآن مجید کے اس حکم

يَسْـئَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَـالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔	یہ لوگ آپ سے خاص غنیموں کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ ان سے فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی۔

کے مطابق مال غنیمت کا پانچواں حصہ لیتے تھے، پھر دوسرے حکم

(۱) معارف ابن قتیبہ۔ (۲) المحاسن والاضداد، جاحظ۔

Marfat.com

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

اوراس بات کو جان لو کہ جو شے بطور مال غنیمت تم کو حاصل ہوتو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ اوراس کے رسول کا ہے اورایک حصہ آپ کے قرابت داروں کا، ایک حصہ یتیموں کا ہے اورایک حصہ غریبوں کا ہے اورایک حصہ مسافروں کا ہے۔

کے مطابق اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی دستور تھا کہ مال غنیمت میں جو کچھ حاصل ہوتا تھا، اس کو تمام لڑنے والوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور فوج کے سپہ سالار کو زیادہ حصہ ملتا تھا، ایک جاہلی شاعر نے ایک شعر میں اسی کی جانب اشارہ کیا ہے۔

لك المرباع منها والصفايا وحكمها والنشيطة والفضول

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ”میں جب سے مسلمانوں کے کاموں کا والی ہوا، ان کا کوئی درہم و دینار نہیں لیا، البتہ ان کے مال سے روکھا سوکھا کھا لیا اور موٹا جھوٹا پہن لیا اور مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس اس حبشی غلام اور کھجور کے درختوں کو سینچنے والے ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، میرے بعد ان چیزوں کو عمر کے پاس بھیج کر مجھ کو ان کے بارے سبکدوش کر دینا“ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ نے اس کی تعمیل کی، حضرت عمر کی سادگی کے واقعات بہت مشہور و مسلم ہیں، جب آپ بیت المقدس کی فتح کے سلسلہ میں شام تشریف لے گئے اور آپ سے اسلامی فوجیں ملیں، اس وقت آپ کے جسم پر ایک معمولی ازار اور معمولی عمامہ تھا، ہاتھ میں اونٹ کی نکیل تھی اور ننگے پاؤں پانی میں چلے آ رہے تھے، موزے بغل میں دبائے تھے، اس وضع میں دیکھ کر اسلامی فوج کے سردار نے کہا، امیر المؤمنین! آپ اس وضع میں ہیں اور ابھی روم کے بڑے بڑے امرا اور بطریق آپ سے ملنے کے لیے آئیں گے، آپ نے فرمایا ”ہماری قوم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت

Marfat.com

دی ہے، اس کے علاوہ مجھ کو اور کسی عزت کی حاجت نہیں" اس طرح خلفائے راشدین کی خلافت جملہ امور و معاملات میں دنیوی خدمت سے زیادہ دینی خدمت سے مشابہ تھی، وہ موٹے سوتی کپڑے پہنتے تھے، پاؤں میں کھجور کی چھال کی چپل ہوتی تھی، تلوار کی نیام بھی چھال ہی کی ہوتی تھی، وہ بغیر کسی امتیاز کے ایک معمولی رعایا کی طرح بازاروں میں گھومتے تھے، اگر وہ رعایا کے کسی معمولی فرد کو بھی کچھ کہہ دیتے تھے تو اس سے زیادہ سخت جواب پاتے اور اس کو وہ اس دین کا فیض سمجھتے تھے، جس کو نبی کے ذریعہ خدا نے بھیجا تھا۔

تہذیب وتمدن کا آغاز، مصارف میں وسعت اور بنی امیہ کی ثروت: سب سے اول خلیفۂ ثالث نے ملک کو بداوت کی سادگی سے تہذیب وتمدن کے دائرہ میں لانے کی ابتدا کی اور اپنی بیویوں اور لڑکوں کے لیے مدینہ میں بڑے بڑے مکانات بنوائے، مسجد نبویؐ کی عمارت میں تبدیلی کی، عہد نبوی میں اس کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی، ستون کھجور کی لکڑی کے اور فرش پر سنگریزے بچھے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ نے ۳۰ھ میں اس کی عمارت بنوائی، جس کی در اور ستون منقش پتھر کے تھے، چھت ساکھو کی لکڑی کی اور دیواروں میں چاندی کا کام تھا، حضرت عمرؓ کا حال یہ تھا کہ جب پہلی مرتبہ فارس کی فتوحات کے مال غنیمت میں یاقوت، زبرجد اور دوسرے جواہرات آپ کے پاس مدینہ آئے تو انہیں دیکھ کر رو دیے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا "بیشک یہ شکر کا مقام ہے، مگر مجھے رونا اس لیے آگیا کہ خدا کی قسم جب خدا کسی قوم کو یہ چیزیں دیتا ہے تو اسی کے ساتھ اس میں بغض و حسد بھی پیدا ہو جاتا ہے اور جس قوم میں یہ چیزیں پیدا ہوئیں وہ آپس میں لڑنے لگتی ہے"۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی اور سارے ملکوں سے آپ کے پاس دولت کھچی چلی آتی تھی، اس لیے آپ نے بڑے بڑے خزانے بنوائے اور اس کو بڑی فیاضی سے مسلمانوں میں تقسیم کیا، ایک ایک لاکھ درہم ایک ایک آدمی کو دے دیتے تھے، اپنی شہادت کے بعد بیت المال میں تین کروڑ پانچ لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار نقد اور ربذہ کی چراگاہ میں ایک

Marfat.com

ہزار اونٹ چھوڑے اور دو لاکھ کی مالیت کا صدقہ کا مال چھوڑا جسے صدقہ کیا کرتے تھے۔

اسلام سے پہلے اور اس کے بعد اس زمانہ تک جب عربوں نے زندگی کی مسرتوں سے لطف اٹھانا شروع کیا، ان کی ثروت کا وہ حال تھا جو اوپر مذکور ہوا، اموی خاندان کے سرخیل امیر معاویہؓ کے لیے جب زمین کے خزانے کھل گئے تو انہوں نے مسلمانوں کے کاموں میں بڑی دولت صرف کی اپنے مخالفین کے ساتھ بھی سلوک کیا اور بہت سے تمدنی کاموں میں روپیہ صرف کیا، ان کے جانشین بھی ان کی روش پر چلے، ان میں سب سے زیادہ اہم شخصیت ولید بن عبدالملک کی ہے، اس نے بہت سی عمارتیں اور جامع مسجدیں بنوائیں، مسجد نبویؐ کو آراستہ کیا اور قیصر روم کو لکھ کر چالیس رومی اور چالیس قبطی کاریگر، چالیس ہزار مثقال سونا اور بہت سی گانٹھیں پچے کاری کے سامان کی منگائیں اور مسجد نبوی کو سونے اور چاندی کے نقش و نگار سے آراستہ کیا اور سنگ مرمر کا فرش لگوایا، ۸۹ھ کے آخر میں جب اس کام سے فراغت ملی تو اسی طرح حرم محترم کی تزئین و آرائش کی، جامع دمشق کی تعمیر اور تزئین میں چھپن لاکھ اشرفیاں صرف کیں، اس کی تعمیر کے لیے روم سے دو سو کاریگر منگائے تھے، لوگوں نے اعتراض کیا کہ لکڑی اور درودیوار کے نقش و نگار میں روپیہ صرف کرنا بیت المال کو تلف کرنا ہے، ولید کو معلوم ہوا تو اس نے اس کی تردید کے لیے تقریر کی اور کہا ''تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، میں نے بیت المال کا جائزہ لگوایا تو معلوم ہوا کہ اس میں اتنا روپیہ موجود ہے جو مسلمانوں کے آیندہ سولہ سال کے وظائف کے لیے کافی ہے، ولید سے پہلے عبدالملک نے مسجد اقصیٰ اور قبۃ الخضرہ کی عمارت بنوائی تھی اور اس پر ملک مصر کا سات برس کا خراج صرف کیا تھا، اس کی تعمیر سے وہ ۷۲ھ میں فارغ ہوا تھا، اس طرح دولت و ثروت کی کثرت کے ساتھ امویوں نے تعمیرات میں بڑا اضافہ کیا، اندلس کے اموی خلفا کی تمدنی خدمات اعجوبۂ روزگار ہیں، عباسی عہد کی دولت و ثروت کا یہ حال تھا کہ اگر اس کے واقعات متواتر اور مستند ذریعوں سے منقول نہ ہوتے تو آج ان کا یقین کرنا مشکل ہوتا۔

عربوں کا جہالت سے نکلنا اور علم کی جانب بنی امیہ کی توجہ: آنحضرت ﷺ کی بعثت

Marfat.com

کے وقت عربوں میں کوئی شخص بھی کتاب نہیں پڑھ سکتا تھا(۱) آپ نے اس میں علم وتعلیم کی اشاعت کا یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ پہلے لکھنے کی تعلیم کی جانب توجہ کی، چنانچہ غزوات میں جب عربوں کی ایسی جماعت قید ہوتی جس میں کچھ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو ان کا فدیہ یہ ہوتا کہ وہ دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں، اس طریقہ سے قریش اور دوسرے قبیلوں میں کتابت رائج ہوگئی، آپ کا ارشاد ہے کہ ''علم کو تحریر کے ذریعہ قید کرو'' ایک نبی امی کا یہ حکم تھا اور امیت آپ کے لیے بڑی فضیلت تھی کہ وہ آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ جو دین لائے وہ آپ کے ذہن ودماغ کی اختراع نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تھا، اس لیے کہ جو شخص لکھنا پڑھنا، شعر کہنا اور شعر پڑھنا نہ جانتا ہو وہ اتنا بڑا مذہب کس طرح ایجاد کرسکتا تھا، آپ نے حضرت زید بنؓ ثابت کو یہودیوں کی زبان (عبرانی) سیکھنے کا حکم دیا تھا، اس کے علاوہ انہوں نے فارسی زبان کسریٰ کے قاصد سے رومی رسول اللہ ﷺ کے حاجب سے اور حبشی اور قبطی آپ کے خادم سے سیکھی تھی (۲) اس طرح عربوں میں دوسری زبانیں سیکھنے کا رواج ہوا، کتابوں میں ایک عجیب روایت یہ ملتی ہے کہ عبداللہ بنؓ زبیر کے مختلف زبانیں بولنے والے بہت سے غلام تھے اور وہ ان سب سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ (۳)

صحابۂ کرام چوں کہ عام طور سے امی تھے، اس لیے جو لوگ کتاب پڑھ سکتے تھے وہ امتیاز کے لیے قراء کہلاتے تھے، اسی لیے اس زمانہ میں حفاظ قرآن کو خاص طور سے قراء کہا جاتا تھا، کیوں کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے سیکھی تھی یہ قراء فتوحات کے بعد تمام مفتوحہ ملکوں میں پھیل گئے، حجاز سے سب سے پہلا علمی وفد یزید بن ابی سفیان کے زمانۂ امارت میں شام بھیجا گیا تھا، انہوں نے حضرت عمرؓ کو لکھا تھا کہ شام میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ہوگئی

(۱) مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ بعثت نبوی کے وقت مکہ میں دس بارہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے بلاذری نے ان کے نام لکھے ہیں۔

(۲) عقد الفرید۔ (۳) مستدرک حاکم حالات ابن زبیر۔

Marfat.com

ہے، یہاں کے شہران سے معمور ہو گئے ہیں، ان کو قرآن اور فقہ کی تعلیم کی ضرورت ہے، آپ معلموں سے مدد فرمائیے، اس درخواست پر حضرت عمرؓ نے معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامت اور ابودرداء انصاری کو شام بھیجا، ان میں سے اول الذکر دونوں بزرگوں نے فلسطین میں قیام کیا اور ابودرداء نے دمشق میں اس طرح اس اہم کام کی ابتدا کی فضیلت ابوسفیان کی نجیب اولاد کو حاصل ہوئی، اسی طریقہ سے قرآن مجید کو کتابی صورت میں مدون کرانے کا سہرا اسی خاندان کے ایک نامور فرد حضرت عثمانؓ کے سر ہے جس کے نسخے کوفہ، بصرہ اور دمشق بھیجے گئے جو ان مقامات کی جامع مسجدوں میں رکھوائے گئے، قراء ان کو پڑھتے تھے اور حفاظ تصحیح کے لیے ان کی جانب رجوع کرتے تھے، ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے لیے رکھ لیا تھا جو مصحف امام کہلاتا تھا، چالیس سال کی مدت سے زیادہ مسلمان مصاحف عثمانی کی تلاوت کرتے رہے، اس کے بعد عراق کے نومسلموں نے جب قرآن پڑھنے میں غلطیاں شروع کیں اس وقت حجاج بن یوسف کو اسے دوبارہ لکھوانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے متشابہ حروف (مثلاً ب، ت، ث، ج، ح، خ، وغیرہ) میں امتیاز کے لیے نقطے لگوائے، اس وقت سے لوگ نقطوں کے عادی ہو گئے (۱) حضرت عثمانؓ میں بنی امیہ اور بنی عبد شمس کے دوسرے افراد کی طرح فضائل ومحاسن کی تبلیغ واشاعت کا جذبہ تھا، اس لیے جس شخص میں بھی کوئی اچھی خصلت ہوتی آپ اس کی عزت وتوقیر کرتے تھے، نصرانی شاعر حرملہ بن منذر طائی نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا، وہ بادشاہوں خصوصاً عجمی سلاطین کا وزیر رہ چکا تھا اور ان کی سیرتوں کا بڑا واقف کار تھا، اس وصف کی بنا پر حضرت عثمانؓ اس کو بہت مانتے تھے اور اپنی مجلسوں میں اس کو شریک کرتے تھے۔ (۲)

امیر معاویہ نے طلب علم میں اور زیادہ وسعت پیدا کی، ایک دن انہوں نے کہا میں چاہتا

---

(۱) عربی رسم الخط میں اس زمانہ میں نقطے نہیں تھے اور اہل زبان بغیر نقطہ کی مدد کے صحیح پڑھتے تھے لیکن جب عجمی مسلمان ہوئے تو انہوں نے غلطیاں شروع کیں جس سے تصحیف کا خطرہ پیدا ہوا، اس وقت حجاج نے حروف پر نقطے لگوائے۔ 'مترجم'۔ (۲) تاریخ دمشق ابن عساکر۔

Marfat.com

ہوں کہ کوئی ایسا شخص ملتا جو مجھ سے گذشتہ زمانہ کے حالات بیان کرتا تا کہ ان سے اپنے زمانہ کے حالات کے موازنہ کا موقع ملتا، ان کو بتلایا گیا کہ حضر موت میں ایک معمر شخص آمد بن ابد حضرمی ایسا ہے، چنانچہ معاویہ نے اس کو بلوا بھیجا، اسی طریقہ سے عبید بن شریہ جو یمن اور سلاطین عرب وعجم کی تاریخ کے بڑے عالم تھے، یمن سے ان کے پاس آئے وہ ان کو تاریخی داستانیں اور ان کے متعلق دلکش قصائد سناتے تھے اور امیر معاویہ نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا تھا کہ وہ عبید کی داستانوں کو قلم بند کرلیا کریں، ان سے ان کو بڑی دلچسپی تھی اور وہ ان سے فرمائش کر کے داستانوں میں اشعار کی آمیزش کراتے تھے، ان کا قول تھا کہ ''اشعار عرب کا دیوان ان کے اقوال واعمال کی دلیل ہیں اور جاہلیت کے زمانہ میں ان پر حکومت کرتے تھے'' اس طرح اسلام میں تاریخ کا آغاز امیر معاویہ کے ہاتھوں ہوا، انہوں نے کعب احبار کو بھی جو آل ذی رعین کی شاخ حمیر سے تھے اپنے دامن دولت سے وابستہ کرلیا تھا، وہ قبول اسلام کے بعد بیت المقدس کے سفر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ شام آئے تھے، معاویہ نے ان کے علم وفضل کی بنا پر ان کو اپنا مشیر بنالیا تھا، وہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور کے بہت سے واقعات سناتے تھے، البتہ ان کی بعض مرویات، اسرائیلیات میں شمار کی جاتی ہیں، سموئل بن عادیا کے بھتیجے اور حجاز کے یہودی شاعر سعید بن عریض بن عادیا بھی کبھی کبھی امیر معاویہ کے پاس شام جایا کرتے تھے، امیر معاویہ قالین پر بیٹھے ہوتے تھے، سعید اس پر بے تکلف جوتے پہنے ہوئے چلے جاتے، امیر معاویہ بڑی گرم جوشی سے ان کو خوش آمدید کہتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے، یہ کمال نوازی امیر معاویہ اور یزید بن ابی سفیان میں موروثی تھی، عربی خط، حجاز میں سب سے پہلے ابوسفیان اور ان کے والد حرب نے جاری کیا جو عرب میں بنوامیہ کے بڑے مآثر میں ہے، رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو بھی سب سے اول اسی خاندان کے ایک فرد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدون کرایا، انہوں نے حاکم مدینہ کو لکھا کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علما کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ کی احادیث وسنن کو قلم بند کرلو۔

Marfat.com

مادی علوم کی ابتدا: مادی علوم کی ابتدا بھی بنی امیہ ہی نے کی، چنانچہ عمر بن عبدالعزیزؓ نے طب میں اہرن بن اعین کی کتاب کے عربی ترجمہ کا حکم دیا اور عاصم بن عمر انصاری کو جو حدیث کے بڑے ثقہ عالم تھے، ہدایت کی کہ وہ دمشق کی جامع مسجد میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کیا کریں ان سے پہلے بنی مروان اس کو برا سمجھتے تھے اور اس سے روکتے تھے اور سب سے پہلے عالم قریش اور حکیم آل مروان خاندان یزید بن معاویہ المتوفی ۸۵ھ نے یونانی، قبطی اور سریانی زبانوں سے فلسفہ، نجوم، کیمیا، طب، محاربات، آلات اور صنعتوں کی کتابوں کے ترجمہ کی ابتدا کی، چنانچہ یونانی سے عبرانی میں، عبرانی سے سریانی میں اور سریانی سے عربی میں ان علوم کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، تاریخ اسلام میں سب سے اول خالد ہی نے کتابوں کا ذخیرہ کتب خانہ کی شکل میں جمع کیا جو غالبًا دمشق میں تھا۔

شام بلکہ اس زمانہ کے سارے اسلام ممالک مختلف حیثیتوں سے بنی امیہ کے زیر بار احسان تھے، سب سے پہلے ان ہی نے عربوں میں بداوت کی سادگی اور خشونت کے بجائے تمدنی آب و رنگ پیدا کیا، جب اسلامی فوجیں مغرب میں شمالی افریقہ سے لے کر اندلس تک اور مشرق میں سمرقند اور سندھ کے پار پہنچ گئیں، اس وقت عربوں میں قبطیوں، یونانیوں اور سریانیوں کے علوم آئے، اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور میں انطاکیہ، رہا، نصیبین اور حران میں بڑے بڑے مدرسے تھے اور ان کے اساتذہ یونانی تہذیب، ارسطو کے فلسفہ، دوسرے فنون اور قدیم طب کے ماہر تھے، ڈیبل کا بیان ہے کہ ''اموی خلفا نے ان ہی مدارس کے اساتذہ کو یونانی اور بنیر نطینی علم و ادب کی اہم کتابوں کے عربی اور سریانی ترجمہ کا حکم دیا تھا، امویوں کے بعد جب عباسیوں کا زمانہ آیا تو ان کا سب سے بڑا مشغلہ یہ تھا کہ وہ یونانی زبان کے مخطوطات جمع کریں اور اس کی اہم اور مشہور طب، فلسفہ اور دوسرے علوم کی کتابیں ترجمہ کرائیں، چنانچہ دوسری صدی کے خاتمہ کے بعد ہی بغداد میں اقلیدس، ارخمیدس، بطلیموس، دلیسقوریدس، بقراط، جالینوس، ارسطو اور تاؤفرسطس کی کتابیں کا ترجمہ ہونے لگا، اگر شام کے مدارس نے بیز نطینی علوم و آداب کو نقل نہ کیا ہوتا تو عرب اپنی غیر معمولی

Marfat.com

جیسا کہ ابن صاعد اندلسی نے لکھا(۱) ہے کہ ”عربوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں طب اور عربی زبان کے علوم اور شریعت کے احکام کی تحصیل کے سوا اور کسی علم کی جانب توجہ نہیں کی، طب ایک ایسی عام ضرورت کا فن تھا کہ وہ پہلے سے عربوں میں موجود تھا، مگر دوسرے علوم کے نقل و ترجمہ کا کام ایک زمانہ تک سریانی اور ایرانی انجام دیتے رہے اور عرب صرف ان ترجموں کی اصلاح اور علمی اصطلاحات وضع کرتے تھے، مثلاً علم العلاج کے لیے ”طب“ کی اصطلاح، یہ اصطلاح وہ عربی مادوں سے بھی بناتے تھے اور وضع بھی کرتے تھے، اس طریقہ سے ان میں ماہر مترجموں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی جو براہ راست عربی میں ترجمہ کرنے لگی، اس کام میں ان کو ان ایرانیوں اور رومیوں سے بڑی مدد ملی، جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا، خود عربوں کی توجہ زیادہ تر دینی علوم، لغت اور لسانی فنون کی جانب زیادہ رہی جو مذہب کے لیے ضروری تھے، مگر ان علوم وفنون پر جن سے عرب بالکل نا آشنا تھے، ان کا اس سے بڑھ کر احسان کیا ہوگا کہ خالد بن یزید نے ان اجنبی علوم کے ترجمہ پر بڑی دولت صرف کی، اس کے بعد خلیفۂ زاہد عمر بن عبدالعزیز، پھر ان کے بعد عباسی خلفا، خصوصاً منصور رشید اور مامون نے اس نقطہ کو دائرہ بنادیا اور ترجمہ پر بے شمار دولت صرف کی بلکہ سلاطین اور خلفا کے علاوہ بعض اشخاص و افراد مثلاً موسیٰ بن شاکر کی اولاد نے اپنے جیب خاص سے کتابوں کے ترجمہ پر اتنا صرف کیا(۲) کہ آج یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں بھی علوم وفنون پر اتنی دولت نہیں صرف کرسکتیں۔

شعر وادب کی جانب عربوں کی توجہ: یہ تو دوسری زبانوں کے علوم کے نقل و ترجمہ کے واقعات ہیں، عربی زبان کے ادب میں عرب، جاہلیت اور اسلام دونوں زبانوں میں اقلیم بلاغت کے حکمراں تھے، جاہلی اور اسلامی دونوں زمانوں کے عربی اشعار فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہیں، عرب بغیر ضرورت اور محرک کے شعر نہیں کہتے تھے، اس زمانہ میں لوگوں کے دل و دماغ پر شاعری کا جو اثر تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت کے لیے مسجد نبوی میں منبر

(۱) طبقات الامم ابن صاعد اندلسی۔ (۲) تاریخ الحکما قفطی حالات موسیٰ بن شاکر۔

Marfat.com

میں نقل کیے ہیں۔

صحابۂ کرام کے ابتدائی دور میں علوم کی تدوین شروع ہوگئی تھی اور تابعین کے زمانہ میں اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوگیا، چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرائض میں ایک کتاب تالیف کی تھی، عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا، (۱) ابن عباسؓ کے زمانہ میں حضرت علیؓ کے فیصلے ایک کتاب میں مرتب کیے گئے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ حرہ کے معرکہ میں میرے والد کی فقہ کی چند کتابیں جل گئیں، جو مجھے اپنے اہل وعیال اور مال ودولت سے زیادہ عزیز تھیں، حرہ کا معرکہ ۶۳ھ میں ہوا ہے اس لیے یہ کتابیں لازمی طور پر اس سے پہلے مرتب ہو چکی ہوں گی۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ عبدالحکم جمحی نے مکہ میں پہلی صدی کے نصف اول میں ایک کلب قائم کیا تھا، اس میں ایک ایسی کتاب تھی جس میں ہر علم وفن کے معلومات تھے، یہ اس کی دلیل ہے کہ خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں علوم کی تدوین اور کتابوں کی تحریر کی ابتدا ہوگئی تھی اور زمانۂ جاہلیت کی طرح محض حافظہ پر اعتماد نہیں رہ گیا، بلکہ تحریر وکتابت پر اعتماد کیا جانے لگا تھا اور کاغذ کے حصول میں جو مصر میں سرکنڈے یا کسی اور پودے کے گودے سے بنتا تھا، جس قدر سہولت ہوتی گئی اسی قدر علمی کتابیں زیادہ پھیلنے لگیں، اوائل اسلام میں چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھا جاتا تھا، چنانچہ یہود خیبر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا معاہدہ یا کسریٰ کے نام آپ کا نامۂ مبارک چمڑے پر تحریر کیے گئے تھے، جب تک کاغذ کا رواج نہیں ہوا تھا، اس وقت تک کلام مجید ہرن کی کھال پر لکھے جاتے تھے اور جس قدر تالیف وتدوین کے اسباب ووسائل فراہم ہوتے گئے اسی قدر قرا، حفاظ، ادبا، رواۃ، لغوئین وغیرہ کی تعداد بڑھتی گئی اور مختلف شہروں میں میدان علم میں مسابقت شروع ہوگئی اور ہر شہر اسلامی ثقافت کی تحصیل کے لیے سبقت کرنے لگا۔

---

(۱) مصنف نے صرف ایک مجموعہ کا ذکر کیا ہے، حالاں کہ صحابہ نے بہت سے مجموعے مرتب کیے تھے، حدیث کے مجموعوں کے علاوہ فقہ اور لسانی علوم پر بہت سی کتابیں تالیف ہوگئی تھی۔ 'مترجم'

Marfat.com

ساتواں باب

عربی زبان کی سکونت کے علاقے

اور

مشرقی اور مغربی زبانوں میں ان کے اثرات

عربی زبان کی اشاعت اور اس کے اسباب: مسلمانوں نے جن جن ملکوں میں بود و باش اختیار اور حکومت کی وہاں ان کے موالی اور نئے اسلام قبول کرنے والوں کی وجہ سے ان کی تعداد بہت بڑھ گئی، ان کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل نے ترک وطن کر کے شام، عراق، مصر، شمالی افریقہ، اندلس اور جزیرہ وغیرہ میں سکونت اختیار کر لی اور اسی بنیاد پر اس عظیم الشان رقبہ کی تعریب (۱) کی عمارت تعمیر ہوئی اور ذمی فطرۃً عربی سیکھنے لگے، عربوں کی اس پالیسی سے مختلف قوموں کو بہت فائدہ پہنچا کہ انہوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت، مجوسیوں، یہودیوں، صابئین، نصاریٰ وغیرہ کے لیے ملازمت کے دروازے کھول دیے اور قبطیوں، ایرانیوں، رومیوں، اسپینیوں، پرتگالیوں اور اطالویوں وغیرہ سے خدمت لینے میں کبھی تامل نہیں کیا، اس لیے عربی حریت کے ماتحت موافق ومخالف سب کی مصلحتیں ایک ہوگئیں اور ذمی بھی مسلمانوں کے مخلص بن گئے اور ان کی حکومت کے زیر سایہ قابل رشک زندگی بسر کرنے لگے اور ان سب کے تعاون سے ایک روشن و تاباں تہذیب

(۱) عربی بنانا۔

Marfat.com

پیدا ہوئی اور چند برسوں کے اندر عربی زبان نے ایران و عراق میں فارسی اور سریانی کو، شام میں رومی اور سریانی کو، مصر میں قبطی اور رومی کو اور شمالی افریقہ میں لاتینی کو بے حقیقت بنا دیا اور ستر سال کے عرصہ میں ان تمام ملکوں کی زبان عربی ہو گئی، اس کے علاوہ اسلام سے بہت پہلے غسانی، تنوخی، نبطی، لخمی، تغلبی، ضجعمی، عاملی اور قضاعی عرب جزیرۃ العرب کے پڑوسی ملکوں میں آباد ہو کر ان کے باشندوں سے خلط ملط ہو گئے تھے، حتی کہ اس زمانہ میں شام کے بعض قریوں کا نام خالص عربی تھا، ابن خلدون نے عربی زبان کی اشاعت کی یہ توجیہ کی ہے کہ ''مذہب کو عجمی زبانوں سے کوئی تعلق نہیں تھا اور اسلامی حکومت کے بانیوں کی زبان عربی تھی اور عوام حکومت کے پیرو ہوتے ہیں، اس لیے عربی زبان کا استعمال اسلامی شعار اور عربی حکومت کی اطاعت کی نشانی سمجھا جانے لگا اور تمام اسلامی ملکوں کی قوموں نے اپنی زبانیں چھوڑ کر عربی زبان کو اختیار کر لیا اور ان تمام ملکوں میں عربی کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور دوسری زبانیں دخیل اور اجنبی شمار ہونے لگیں''۔

عجمی ملکوں میں عرب قبائل اور اہل عجم کی تعریب: ان عربی قبیلوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی جو جزیرۃ العرب سے نکل کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے تھے، غزوۂ تبوک میں جو آنحضرت ﷺ کا آخری غزوہ تھا، مضری اور خطانی سوار اور پیادوں کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار تھی اور آپ کی وفات تک عربوں کے اسلام کا سلسلہ برابر قائم رہا، ان کی تعداد برابر بڑھتی رہی اور وہ مختلف ملکوں میں پھیلتے رہے، مگر جن ملکوں میں وہ آباد ہوئے وہاں گو ان کی تعداد بہت کم تھی لیکن انگشتری میں نگینہ تھے، اسلام کے ابتدائی پچاس برسوں میں جو عرب قبائل مفتوح ملکوں میں آباد ہوئے ان کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ نہ تھی، بعض لوگوں کے تخمینہ کے مطابق جو عرب اس زمانہ میں شام میں آباد ہوئے، ان کی تعداد ڈھائی لاکھ تھی اور جب شام میں جو جزیرۃ العرب سے اس قدر قریب ہے، اتنی تعداد تھی تو دوسرے ملکوں میں اس سے بھی کم رہی ہوگی۔

عربی زبان کی اشاعت میں اس سے بھی بڑی مدد ملی کہ نماز عربی میں فرض تھی، اس لیے جو عجمی اسلام قبول کرتے وہ عربی سیکھتے اور جو نہ قبول کرتے ان کو بھی حالات حکومت کی زبان سیکھنے

Marfat.com

پر مجبور کرتے، اس سے وہ عربی رجحانات سے زیادہ قریب ہو جاتے تھے، اس موقع پر یہ نکتہ خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے لائق ہے، کہ عربی زبان کی فطری وسعت وسلاست اور اس کی اشاعت کے مذہبی وسیاسی اسباب کے باوجود اس میں جمود اور ٹھہراؤ نہیں پیدا ہوا اور اس نے دوسری زبانوں کے الفاظ کے لیے اپنا دامن تنگ نہیں کیا اور بے تکلف فارسی، رومی، سریانی، عبرانی، حبشی، قبطی اور ہندوستانی الفاظ قبول کیے اور بہت سے پرانے جاہلیت کے الفاظ ترک کر دیے اور ایسی نئی اصطلاحیں وضع کیں جن میں ان کے پرانے معنی کے بجائے نئے معنی پیدا ہو گئے، عربوں نے ابتدا ہی سے اس کی کوشش کی کہ عربی جس طرح ان کی مذہبی، ادبی اور سیاسی زبان ہے اسی طرح علمی زبان بھی بن جائے، مگر اس کے ساتھ انہوں نے دوسرے ملکوں کی اصلی زبانوں کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اپنی زبانوں کو دانش مندی سے پھیلایا اور اس کی اشاعت میں زبان کے نشو وارتقا کے فطری قوانین کا پورا لحاظ رکھا اور ان فطری قوانین نے جس طرح مفتوح قوموں میں اپنا اثر دکھایا، اسی طرح زبان میں بھی اثر دکھایا اور کسر وانکسار کے بعد وہی چیزیں باقی رہ گئیں جو مذہب وملت کے اختلاف کے باوجود سب کے لیے مفید ومناسب تھیں۔

عربی زبان کا کمال اور اس کی اشاعت کے اسباب وطریقے: رینان نے عربی زبان کے کمال اور اس کی توسیع اشاعت پر ان الفاظ میں حیرت ظاہر کی ہے کہ "یہ زبان ابتدا میں نہایت غیر معروف تھی، مگر دفعۃً انتہائی کامل صورت میں ظاہر ہوئی، وہ انتہائی سلیس اور بڑی دولت مند زبان ہے، وہ شروع سے اتنی مکمل تھی کہ اس زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک اس میں کوئی اہم تغیر نہیں ہوا، نہ کبھی اس کا بچپن تھا اور نہ کبھی اس پر بڑھاپا آیا، وہ ابتدا ہی سے نہایت مکمل اور مضبوط شکل میں ظاہر ہوئی، ہمارے علم میں عربی کے علاوہ روئے زمین کی تمام زبانوں میں کوئی زبان ایسی نہیں ہے، جس کو حصول کمال میں مختلف مراحل سے نہ گذرنا پڑا ہو............اور نہ تاریخ میں اس سرعت کے ساتھ عربوں کی جیسی عظیم الشان فتوحات کی مثال ملتی ہے، اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ عربی زبان دنیا کے بڑے حصہ پر چھا گئی اور اس کے اس شرف وامتیاز میں کہ

Marfat.com

عربی عام و مقبول زبان تھی، دینی و سیاسی زبان تھی اور قوموں کے اختلاف سے بلند تھی، صرف دو زبانیں اس مقابل کی تھیں، ایک لاتینی دوسری یونانی لیکن ان دونوں کو عربی زبان کے رقبہ کی وسعت سے جس میں وہ پھیلی کوئی نسبت نہیں''۔(۱)

عربی زبان قرآن مجید کے ذریعہ کامل اور مکمل شکل میں ظاہر ہوئی اور جس تیزی سے عربوں کو فتوحات حاصل ہوئیں، اسی تیزی سے عربی زبان بھی پھیلی، اس قوم سے زیادہ مضبوط اور کون قوم ہو سکتی ہے، جس میں دین و دنیا دونوں کی محبت کا اجتماع ہو اور جس سے دور و قریب ہر حصہ کے دشمن ڈرتے اور دوست احترام کرتے ہوں، عربی زبان کے ہر دور میں خواہ وہ اس کی قوت کا زمانہ رہا ہو یا ضعف کا اس کو خاص اہمیت و امتیاز حاصل رہا اور ان مسلمان عجمی سلاطین کے زمانہ میں بھی جو عربی ملکوں پر قابض ہو گئے تھے، ترکوں کے علاوہ ایرانی، چرکسی، کرد اور بربر وغیرہ سارے سلاطین عربی ہی زبان میں معاہدے اور دستاویزیں وغیرہ لکھتے تھے اور اسلامی حکومتوں سے عربی میں سرکاری مراسلت کرنے کے لیے عرب ممالک سے عربی زبان کے ماہر، کاتب اور منشی بلا بھیجتے تھے، اندلس، شام و مصر، بغداد و جزیرہ اور فارس و سندھ وغیرہ تمام اسلامی ملکوں کی قرون وسطیٰ کی تاریخ اس کی شاہد ہے، یہ اہمیت قدیم زمانہ میں یورپ میں لاتینی کو، ماضی قریب میں فرانسیسی کو اور اس کے بعد سے اب تک انگریزی کو حاصل رہی ہے اور یہ تینوں زبانیں عربی کی طرح ہیں، بین الاقوامی سیاست و تجارت اور حکومتوں کے عام معاملات کی زبانیں بن گئی تھیں اور عربی کو یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ وہ ایک ہزار سال تک، اسلامی مشرق سے تعلق رکھنے والی حکومتوں کی زبان رہ چکی ہے۔

جارج سارٹن کا بیان ہے کہ ''آٹھویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عربی زبان طبقۂ خواص کی علمی زبان بن گئی تھی اور وہ صحیح ترقی کی حامل تھی اور اس نے کم سے کم گیارہویں صدی کے آخر تک دنیا کی تمام دوسری زبانوں میں اپنا یہ تفوق و امتیاز اور علوے مرتبہ محفوظ رکھا، اس کے بعد اسلامی تمدن اور عربی زبان کے بتدریج اپنا مرتبہ کھونا شروع کیا، بارہویں اور تیرہویں صدی

(۱) سامی زبانوں کی تاریخ، از رینان۔

Marfat.com

میں بہت سی عربی کتابوں کا لاتینی اور عبرانی میں ترجمہ ہو چکا تھا اور گیارہویں صدی میں جو شخص بھی اس زمانہ کے رجحانات وخیالات کا مطالعہ کرنا چاہتا، وہ عربی زبان سیکھنے پر مجبور ہوتا، یہ مجبوری تیرہویں صدی میں جا کر ختم ہوئی اور اس وقت عربی کے بجائے یورپ میں لاتینی زبان کا سیکھنا ضروری ہو گیا، چنانچہ راجر باکن وغیرہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے مجددین پر محض اس لیے اسلام کی تہمت لگائی گئی کہ وہ عربی زبان سے واقف تھے، اس زمانہ میں عربوں کو یہ امتیاز وفضیلت حاصل تھی کہ دوسری قومیں ان کی حکومت کی پالیسی کے تابع تھیں، وہ خود کسی قوم کی پالیسی کے تابع نہیں تھے، ان کی ہمت نے جس سمت کا رخ کر دیا، اس کو فتح اور تابع فرمان بنا کر مہذب بنا دیا، ابن حزم کتاب الاحکام میں لکھتے ہیں کہ ''زبانوں پر اکثر ان کی حکومتوں کے زوال، ان کے ملک پر دوسروں کے قبضہ، نقل مکان اور دوسری قوموں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے زوال آتا ہے اور قوموں کی زبان اور ان کے علوم وتاریخ کو ان کی حکومت کی قوت اور ان کی چستی ومستعدی سے فائدہ پہنچتا ہے اور جس قوم کی حکومت ختم ہو جاتی ہے، اس کے دشمن اس پر غالب آ جاتے ہیں اور وہ خوف، احتیاج، ذلت وپستی اور دشمن کی غلامی میں مبتلا ہو جاتی ہے، جس سے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور کبھی زبان کے زوال کا سبب اس کی پراگندگی ہوتی ہے، یا جب قوم اپنی اصل ونسل اور اپنی تاریخ کو فراموش کر دیتی ہے، اس وقت اس کے علوم مٹ جاتے ہیں، یہ چیز مشاہدہ سے ثابت اور عقلی حیثیت سے بالکل بدیہی ہے'' اکثر مغلوب ومفتوح قوم کے دلوں پر غالب قوم کے کمال کا ایسا نقش جم جاتا ہے کہ وہ اس کے طور طریقوں، لباس وزبان اور جملہ افعال کی نقل وتقلید کرنے لگتی ہے اور اس کی زبان کو طبعاً اور مصلحۃً اختیار کر لیتی ہے، انسانی تاریخ کے آغاز سے یہی طریقہ جاری ہے، کیوں کہ انسان ہمیشہ یا غالب رہا ہے یا مغلوب اور اس نے ہمیشہ اپنے اوپر غالب یا اپنے سے مغلوب قوموں کی زبان میں خطاب کرنا پسند کیا ہے، اس کا مشاہدہ آج بھی بڑی قوموں کی زبانوں میں کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ان ملکوں میں جن کو غالب اور بیرونی قوموں سے کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے وہ آسانی سے پھیل جاتی ہیں، چنانچہ شمالی افریقہ میں فرانسیسی، اطالوی اور اسپینی زبانیں اسی طریقہ

Marfat.com

سے پھیلیں، اگر کسی قوم کو سیاسی اور تجارتی غرض سے ان اجنبی قوموں کی زبان سیکھنے کی ضرورت نہیں بھی ہوتی تو وہ ان کو تہذیب وتمدن اور فیشن کی علامت کی حیثیت سے سیکھتی ہیں۔

بعض علاقوں میں عربی زبان کی اشاعت اور بعض سے اس کا زوال: جزیرۃ العرب کے قرب وبعد کے لحاظ سے عربی زبان مختلف ملکوں میں آسانی کے ساتھ جڑ پکڑ لیتی تھی، سب سے پہلے وہ شام اس کے بعد عراق پھر ایران ومصر میں داخل ہوئی اور دوہی پشتوں میں ایران کے علاوہ ان تمام ملکوں میں پھیل گئی، ایرانیوں نے عربوں کی ظاہری اطاعت تو قبول کر لی تھی لیکن ان کا دل مطیع نہیں ہوا تھا، ان میں سے کچھ لوگوں مثلاً اہل خراسان نے بطیب خاطر اسلام قبول کیا تھا لیکن عام طور سے ایرانیوں میں چوتھی صدی تک مجوسیت غالب رہی اور ان کا کوئی شہر اور کوئی علاقہ آتش کدوں سے خالی نہیں تھا اور وہاں مجوسیوں کی تعداد غالب تھی، اگرچہ ایران کے بڑے بڑے مرکزی شہروں اصفہان، مرو، نیشاپور، رے، طبرستان اور ہمدان وغیرہ میں عربی رنگ غالب تھا اور ان میں تیسری صدی سے لے کر ساتویں صدی تک بڑے بڑے علما اور ادیب پیدا ہوئے اور ایرانیوں نے گو ظاہر میں عرب اور عربیت کی مخالفت نہیں کی لیکن ان کا دل ہمیشہ اس کے خلاف رہا، حضرت عمرؓ اس کو پوری طرح سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ "خدا مجھ کو ہمدانی، اصطخری (ایران کے اور بہت سے شہروں کے نام لیے) عورتوں کی اولاد سے بچائے، جن کی زبانیں تو عرب کی ہیں لیکن ان کے دل عجمی ہیں" اور حق یہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد ایرانیوں کا شعلہ بجھ گیا اور وہ خاکستر بن گئے، جس کو ہوا کے جھونکے اڑا لے جاتے ہیں اور ان کے پرزے اڑ گئے۔

باوجودیکہ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں ایران کے شہروں میں بہت سے علمی مرکز تھے لیکن عربی زبان صرف چند مخصوص علمی مرکزوں تک محدود تھی، حالاں کہ وہ سرکاری اور علمی زبان تھی، یہ شہروں کا حال تھا، دیہاتوں میں مطلق عربی نہ تھی، بلکہ ان کی زبان پہلوی اور کردی تھی، چوتھی صدی میں ایران میں پانچ لاکھ سے زیادہ کرد خانہ بدوش خاندان تھے، آذربیجان اور آرمینہ میں فارسی اور عربی دونوں رائج تھیں، مگر دونوں زبانیں کم لوگ جانتے تھے، ورنہ جو لوگ فارسی

Marfat.com

بولتے تھے وہ عموماً عربی نہیں سمجھ سکتے تھے، عربی زیادہ تر تاجر اور صاحب جائداد لوگ بولتے تھے اور وہاں آج بھی بہت سی زبانیں موجود ہیں، جیسی اب سے نوصدی پیشتر تھیں۔

عربی حکومت ابتدائی تین صدیوں تک دنیا کی اپنی تمام معاصر حکومتوں میں تنہا جاندار حکومت تھی اور اس کی قومی زبان اس کی حکومت کی بھی زبان تھی، عربی زبان مشرق کی طرح جنوبی یورپ اور اس کے مشہور جزیروں میں بھی پھیل گئی اور اس نواح میں اس کا شعلہ اندلس پر عربوں کے قبضہ کے بعد روشن ہوا اور جزیرہ نمائے اندلس، جزیرہ میورقہ اور یابسہ (لیویزا) میں پھیل گئی، جزیرہ سردانیہ پر اگرچہ عرب ۹۲ھ میں قابض ہو چکے تھے، مگر اس کے پڑوسی صقلیہ کی طرح وہاں عربی کا رواج نہیں ہوا، اس لیے کہ عربوں نے یہاں توطن اختیار نہیں کیا تھا اور نہ صقلیہ کی طرح سردانیہ میں عربی حکومت قائم ہوئی، صقلیہ میں البتہ عربی زبان رائج ہوئی، بلکہ یہاں سے عربوں کے نکلنے کے بعد بھی کچھ دنوں تک وہ سرکاری زبان رہی، مگر اندلس کے عربوں کی آخری جلاوطنی ۱۰۱۶ھ کے بعد وہاں عربی زبان کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا، کیوں کہ یہاں کے باقی ماندہ عربوں کو عربی زبان استعمال کرنے کی ممانعت کردی گئی تھی اور جن عربوں نے جلاء وطنی کے مقابلہ میں عیسائی مذہب اختیار کر لینے کو ترجیح دی، وہ اسپینی زبان کو عربی رسم الخط میں لکھتے تھے جس کا نام انہوں نے خمیادو یعنی عجمی رکھا تھا۔

بحر متوسط کے جزائر میں البتہ عربی کا عام طور سے اثر نہ ہو سکا، کیوں کہ عرب، مصر، شمالی افریقہ اور اندلس کی طرح ان جزائر میں زیادہ آباد نہیں ہوئے، ان میں سے بعض جزیروں کو انہوں نے جنگی مرکز بنانے کے لیے فتح کیا تھا اور بعض میں کچھ دنوں تک مقیم رہے، چنانچہ جزیرہ ارواڈ اگرچہ انطرطوس (۱) سے چند قدم کی مسافت پر ہے، مگر یہاں عربی کا زیادہ اثر نہیں ہوا، اس کے مقابلہ میں قبرص میں جو انطرطوس سے کافی فاصلہ پر ہے، عربی کا خاصہ اثر تھا، بحر متوسط کے دوسرے جزیروں مثلاً کریٹ میں عربی کی حیثیت غیر مستقل سی رہی، یہی حال جزیرہ مالٹا میں تھا ان مقامات

---

(۱) شام میں اسلامی اور رومی سرحد پر مسلمانوں کی جنگی چوکی۔

Marfat.com

میں عربی زبان اطالوی اور دوسری زبانوں سے خلط ملط ہوگئی تھی، جہاں آج تک یہ عجیب وغریب زبان رائج ہے، ان جزیروں کے باشندوں یا ان میں سے کچھ لوگوں کی اصل ونسل بیت المقدس کے ساحلی شہروں کی ہے، جب نصرانیوں کے ساتھ فرنگی شام کے علاقہ سے یورپین ملکوں کی جانب جلاوطن کیے گئے (۱) تو نصاریٰ کے فرمانروا نے ان کو مالٹا میں بسا دیا، اسی لیے ان کی زبان شامی زبان سے زیادہ قریب ہے (۲) اور اس میں ایسے ہزاروں الفاظ ہیں جن کی اصل عربی ہے، مگر دوسری زبانوں کے غلبہ نے ان کی اصل صورت بگاڑ دی ہے، ملیہ کا بیان ہے کہ "عربی زبان جس ملک میں داخل ہوئی، اپنی دینی وتمدنی حیثیت اور اس کے اثرات کی وجہ سے پھر وہاں سے نہ نکل سکی اور عیسائی مبلغوں کی انتہائی کوششوں اور اس تہذیب کی قدر ومنزلت کے باوجود جس کو عیسائی قومیں ساتھ لائیں، ایک مسلمان نے بھی عیسائی مذہب قبول نہیں کیا۔ (۳)

عربی زبان کے بارہ میں یہ بیان صرف ایشیا اور افریقہ کی حد تک صحیح ہے، مگر یورپ میں ایسا نہیں ہوا، عربی زبان جنوبی فرانس میں دو صدیوں تک اور صقلیہ کے جزیروں قرسقہ اور کریٹ میں ایک عرصہ تک رہی اور شمالی افریقہ کے ملحقہ علاقے تقریباً سب عربی تھے، مگر اب ان مقامات میں عربی کا نشان تک نہیں ہے، البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ بحر احمر، بحر فارس، بحر ظلمات اور بحر ہند کے ایک حصہ کی طرح بحر متوسط کا درمیانی حصہ بھی عربوں کا سمندر ہو گیا تھا اور اگر امیر معاویہ نے قسطنطنیہ فتح کر لیا ہوتا تو عربی زبان یورپ کے جنوب مغرب کی طرح جنوب مشرق میں بھی پہنچ جاتی اور قسطنطنیہ اور اس کے علاقہ کی حکومت میں عرب جزیرہ نمائے ایبریا سے زیادہ محفوظ رہتے، کیوں کہ خشکی کی سمت سے اسلامی اور رومی ملکوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں تھی (اس لیے عربوں کو اسلامی ملکوں سے آسانی کے ساتھ مدد پہنچ سکتی تھی) اندلس کی فتح کے کل پچاس برس کے اندر وہاں عربی اتنی عام اور مقبول زبان بن گئی تھی کہ ارباب کلیسا اپنی نمازوں کا ترجمہ عربی میں کرنے کے

(۱) جنگ صلیبی میں ساحلی علاقہ پر مسلمانوں کے قبضہ کے بعد۔ (۲) الواسطہ فی احوال مالطہ از احمد فارسی۔

(۳) یورپ جدید کی زبانیں از ملیہ۔

Marfat.com

لیے مجبور ہو گئے تھے، تاکہ عام عیسائی اس کو سمجھ سکیں، وہ عربی کے ایسے شیفتہ ہو گئے تھے کہ عربوں کی طرح عربی زبان لکھتے تھے اور اس کی بلاغت سے لطف اندوز ہوتے تھے اور ملک کے عام باشندے اسپینی، پرتگالی اور عربی یکساں بولتے تھے اور اپنے معاملات (تحریری دستاویز وغیرہ) کی کتابت عربی ہی میں کرتے تھے، اس قسم کی دو ہزار تحریریں اسپین میں ملی ہیں، جنہیں یہاں کے اصلی باشندوں نے عربی میں لکھا تھا، خاص اندلس کے عربی کے واقف کاروں کو چھوڑ کر جلیقیہ، قشتالیہ اور لیون وغیرہ کا ذہین اور ہونہار طبقہ عربی بولتا تھا اور اندلس کے خلفا اور ان کے امرا و اعیان کے پاس حصول خدمت کے لیے آتا تھا، اسکوریال (اسپین) کے کتب خانہ میں اب تک مسلمان مصنفین کی مرتب کردہ یونانی، عربی، لاتینی عربی اور اسپینی عربی لغت کی کتابیں موجود ہیں۔

لاتینی زبانوں میں عربی اثرات: اندلس میں عربوں اور اندلسیوں کے اتنے اختلاط کے بعد یہ کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے کہ اسپینی زبان میں اب تک عربی کے بکثرت الفاظ پائے جاتے ہیں، مثلاً شہروں، دریاؤں اور اندلس کے مختلف مقاموں اور بعض سامانوں کے نام اور اصطلاحیں وغیرہ اسپینی زبان کے سیکڑوں الفاظ کے شروع میں تعریف کا الف لام ہے، جو ان کے عربی ہونے کا ثبوت ہے،، بہت سے ناموں کے شروع میں ''بنی'' اور ''وادی'' کا لفظ پایا جاتا ہے جو خالص عربی ہے، اسپینی میں عربی کے سیکڑوں الفاظ داخل ہو کر اس میں بالکل مل گئے ہیں، اسی طریقہ سے پرتگالی، اطالوی، فرانسیسی اور دوسری لاتینی زبانوں میں بھی عربی الفاظ داخل ہو گئے ہیں لیکن عربی کا زیادہ اثر اسپینی اور پرتگالی پر ہے۔(۱)

آج کل بھی برازیل اور پرتگال میں جو زبانیں بولی جاتی ہے وہ اپنی تعبیر، مترادفات، امثال اور حسن وخوبی میں دوسری زبانوں کے مقابلہ میں عربی سے زیادہ قریب ہیں اور برازیلیوں کے اجداد پرتگالی ہی ہیں، پرتگالی زبان میں تقریباً عربی کے تین ہزار الفاظ ہیں، جن میں سے اکثر

(۱) انجلمان نے اس موضوع پر مستقل ایک کتاب ''اسپینی اور پرتگالی زبان کے ان مفردات کا لغت جو عربی سے مشتق ہیں''، لکھی ہے۔

Marfat.com

الفاظ کے شروع میں اب تک عربی کا الف لام موجود ہے اور اسپینی زبان کے اندازاً ایک چوتھائی الفاظ عربی سے ماخوذ ہیں۔(۱)

عربی زبان کا اثر و نفوذ محض لاتینی زبان تک محدود نہیں رہا، بلکہ جرمنی اور سکسونی زبانوں تک میں ہے، چنانچہ انگریزی، قدیم گالی، خاص جرمنی اور یورپ کی جرمنی الاصل دوسری زبانوں ہالینڈی، اسکینڈنیوی، روسی، پولینڈی اور صقلی وغیرہ زبانوں میں عربی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔

یہ معلوم ہے کہ عرب بحر متوسط کے ساحل پر جنوب مغربی فرانس کے صوبے سپٹی مینیا اور شہر ناربن پر قابض ہو گئے تھے اور اس کو اپنی بحری جولانگاہ کا مرکز بنایا تھا، پھر شہر کرکسون، اوٹن، بون، سینس، اونیون اور بورڈو فتح کیے، پھر مارسلیز، آرلس اور صوبہ پروفینسا پر قبضہ کر کے پورٹیہ تک بڑھتے چلے گئے جو پیرس کے جنوب مغرب میں اس سے ۳۳۲ کیلومیٹر کی مسافت پر ہے، سپٹی مینا میں انہوں نے قیام کر کے اس کو مرکز بنایا اور ملک کے باشندوں سے معاہدے کیے، اس طرح روزانہ کی اصطلاحوں میں اپنے بہت سے الفاظ داخل کر دیے۔

سڈیلیو لکھتا ہے کہ "جب فرانس اور جرمنی میں وحشت خیمہ زن تھی تو عرب جنوبی فرانس میں کوہستان برنیات سے لے کر الپ تک کے علاقہ پر قابض تھے اور اپنی نو آبادیوں سے وہ علوم جو ان کے مدارس میں پڑھائے جاتے تھے، شمال میں برگنڈی اور سوئٹزرلینڈ تک اور جنوب میں ٹیرول اور لمبارڈیا تک پھیلاتے تھے، اسی زمانہ میں یورپ میں عربی ہندسوں اور کسور عشریہ کا رواج ہوا جن کے نام باوجود تغیر کے اب تک عربی ہیں اور فرانسیسی زبان میں لاتینی سے زیادہ عربی زبان کی نادر تعبیریں داخل ہوئیں، چنانچہ فرانسیسی زبان کی ترقی کے ابتدائی زمانہ میں اس میں پانسو لاتینی الفاظ کے مقابلہ میں صرف ایک یونانی لفظ تھا، اس لیے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ فرانسیسی میں عربی الفاظ کا تناسب یونانی الفاظ سے زیادہ رکھنا چاہیے، لامنس کے بیان کے مطابق فرانسیسیوں نے اپنی زبان میں نوسو عربی الفاظ داخل کیے تھے(۲) ان میں سے بعض جنگ صلیبی کے زمانہ میں

---

(۱) ایضاً اس کتاب میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ (۲) فرانسیسی زبان میں عربی کے مشتق الفاظ پر ایک نظر از لامنس۔

Marfat.com

داخل ہوئے تھے۔

اس زمانہ میں فرانسیسی زبان اور اس کے ادب کو ایسی صورت حال پیش آئی جو ان حالات میں قدرۃً زبانوں کو پیش آتی ہے(۱) یعنی جس قوم کی تہذیب زیادہ عام و رائج ہو گی اس کے حامل دوسروں پر زیادہ اثر انداز ہوں گے اور اس زمانہ میں مسلم طور سے مشرقی قومیں خصوصاً عرب اور یونانی سب سے زیادہ متمدن تھے، اس لیے فرانسیسی زبان قدرۃً عربی سے متاثر ہوئی، سرکاری مترجمین کے علاوہ بعض عربوں، ترکوں اور کردوں نے بھی فرنگیوں کی زبانیں سیکھیں لیکن اس کے مقابلہ میں بہت سے صلیبیوں نے فلسطین آنے کے بعد یہاں کی ملکی زبانوں (عربی) سیکھی، فرنگیوں پر عربی علوم وفنون کا ایک مدت سے جو اثر پڑ رہا تھا، اس میں اسلامی تمدن سے صلیبیوں کی قربت کے بعد اور زیادہ اضافہ ہو گیا، پٹی فرانسیسی لغت اور ادب کی تاریخ میں لکھتا ہے کہ ''ہمارے تمام علوم فلسفہ، ریاضی، ہیئت، جہاز رانی، آتش گیر مادوں کی ترکیب، طب، کیمیا وطباخی وغیرہ سب عربوں کے اثرات کے مقروض ہیں، ہم نے عربوں سے بہت سی چیزیں رقم کا طریقہ، ارسطو کی شرحیں، نامہ بر کبوتر، موسیقی کے آلات، لباس، اس کی تراش وخراش، پھولوں، سبزیوں اور ترکاریوں کی قسمیں وغیرہ حاصل کیں، اگرچہ ان میں سے بہت سی چیزیں اپنے اصل ناموں سے موسوم نہیں رہیں، مثلاً عسقلان کا پیاز اور دمشق کی چادریں وغیرہ، پھر بھی کافی چیزوں کا اصل عربی نام تھوڑے تغیر کے ساتھ اب تک محفوظ ہیں اور ان کی تعداد اتنی ہے کہ فرانسیسی زبان میں ان کا ایک بڑا مجموعہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

میڈرڈ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر یہودا نے اپنی ایک تقریر میں یہ اعتراف کیا ہے(۲) کہ ''لوگوں کو اس کا اندازہ ہونے لگا ہے کہ قرونِ وسطی کا یورپ اس عربی تمدن کا مقروض ہے، جس کے چشمۂ فیض سے مسلمان، یہودی اور عیسائی یکساں سیراب ہوتے تھے اور اب اس حقیقت کو

(۱) فرانسیسی زبان وادب کی تاریخ از پٹی ڈی جو لیول۔

(۲) یہ تقریر قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی میں مارچ ۱۹۲۸ء میں کی تھی۔

Marfat.com

لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ یورپ کی اصلاح وترقی کے زمانہ میں علوم طبعی، فلسفہ وریاضی کے اساسی قوانین اور دوسرے تمدنی علوم کی روح اسی شیریں چشمہ سے مستفید ہوئی ہے جس کو عربی تمدن کہتے ہیں اور اس زمانہ کے علما اس تہذیب کے مطالعہ میں جب دقت نظر سے کام لیتے ہیں تو وہ اس کا اثر موجودہ تہذیب میں پاتے ہیں، انہوں نے یورپین زبانوں میں سیکڑوں ایسے الفاظ کا انکشاف کیا ہے جو عربی تمدن کے زمانہ میں داخل ہوئے تھے۔

مشرقی زبانوں پر عربی کا اثر: یہ تو عربی کے عروج وشباب کے زمانہ میں اس کی پڑوسی یورپین زبانوں پر اس کے اثرات کا حال تھا جو عربی حکومتوں کی قوت وعظمت اور اس کی تہذیب کی سرایت کرنے والی روح کا نتیجہ تھا، اب مشرقی زبانوں پر عربی زبان کے اثرات ملاحظہ ہوں۔

مشرق کی اہم زبانوں میں سب سے زیادہ فارسی عربی سے متاثر ہوئی، حالاں کہ وہ خود ایک ترقی یافتہ تمدن کی مالک تھی، چنانچہ موجودہ فارسی زبان میں آدھے الفاظ عربی کے ہیں، یہی حال عثمانی اور ترکی زبان اور اس کی مختلف بولیوں، قرقز، قفجاقن، بشغرت اور چغتائی وغیرہ کا ہے، اسی طریقہ سے ملائی یعنی جاوی، افغانی (پشتو) مصری، سوڈان اور افریقہ کی بربری زبانیں عربی سے متاثر ہوئیں، سینگال کے مسلمانوں کی زبان عربی ہے اور باقی دوسری ملکی زبانیں بھی عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں(۱) عربی، فرانسیسی، سوڈان اور عاج کے ساحلی علاقہ میں عام طور سے رائج ہے، نائجیریا میں تجارتی تحریریں اور مقامی زبانیں عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں، لیبریا کے غیر مسلم اپنی لغت کی تدوین میں عربی رسم الخط پر اعتماد کرتے ہیں، شمالی نائیجیریا کے پرائمری اسکولوں میں عربی پڑھائی جاتی ہے اور ملکی زبانیں عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں اور شاد جیبوتی اور حبشہ کے علاقوں میں بھی عربی پھیلی ہوئی ہے، ان ملکوں کے مسلمان عام طور سے دو زبانیں بولتے ہیں، ایک مقامی دوسری عربی، یوگوسلاویہ کے معلم سروی اور ترکی زبانوں کی تحریر میں عربی رسم الخط پر اعتماد کرتے ہیں، قازان اور قرم کے تمام علما عربی بولتے ہیں، یہی حال گرجستان، طاغستان اور ترکستان

---

(۱) ماسینیوں کی تقویم عالم اسلامی۔

Marfat.com

کے علما کا ہے، افغانستان کی مقامی زبان (پشتو) عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، سیام میں بھی تھوڑی بہت عربی پائی جاتی ہے، فلپائن کے مسلمان بھی اپنی زبان کی تدوین میں عربی کو کام میں لاتے ہیں، ہندوستان کے تمام مذہبی مدرسوں میں عربی پڑھائی جاتی ہے اور علی گڑھ یونیورسٹی اور حیدرآباد میں اس کا بڑا چرچا ہے(۱) یہی حال ایران کا ہے۔

کتاب ''لغات العالم'' میں ہے کہ عربی جس طرح اسلامی قوموں کی زبان ہے اسی طرح کم درجہ کی متمدن قوموں کی تحریری زبان ہے، حالاں کہ عربی میں بے شمار مذہبی اور علمی الفاظ ہیں جو ترکی اور فارسی زبانوں میں داخل ہوگئے ہیں، افریقہ کے جوان پڑھ زنگی لکھ پڑھ جاتے ہیں، وہ جب کوئی کتاب لکھنا چاہتے ہیں تو عربی میں لکھتے ہیں، مگر ہر موقع پر اس کو نہیں بولتے لیکن انہوں نے تحریری عربی سے ایک علمی اور خط وکتابت کی زبان بنالی ہے، ڈریپر لکھتا ہے کہ ''اسلام کی ترقی کو تلوار کی جانب منسوب کرنا نہایت لغو اور غلط ہے، تلوار کبھی کسی قوم کا عقیدہ نہیں بدل سکتی، مگروہ دلوں کی اثر پذیری کو بھی نہیں روک سکتی جو تلوار سے زیادہ قوی عامل اور خوف سے زیادہ اثر کرنے والا ہے، اس لیے اسلام ایشیا اور افریقہ کے خواص وعوام کی زندگی پر چھا گیا اور اس نے مختلف بے شمار قوموں میں عربی کی اشاعت میں بڑی مدد پہنچائی''۔

عربی بولنے والی قومیں: آج عربی تنہا دوسری زبانوں کے ساتھ مل کر حسب ذیل ملکوں میں بولی جاتی ہے، عرب، عراق اور شام میں ایشیائے کوچک کی سرحد تک، شمالی افریقہ میں طرابلس، برقہ، تونس الجزائر اور مغرب اقصی وغیرہ ہیں، ریگستان اور مالٹا کے حدود اور مصر کے انتہائی جنوب مغربی تیل کے منبع تک اور کردوخان، ڈارفور، وادئی، جوانو، نائجیریا سنگال اور مغرب اقصیٰ اور اسینگال

(۱) ان مقامات میں عربی کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی مصنف نے تحریر کی ہے، مسلم یونیورسٹی میں دوسری یونیورسٹیوں کی طرح عربی کا شعبہ بھی ہے، البتہ دینیات کا شعبہ زیادہ ہے، حیدرآباد میں البتہ عربی کی اہمیت نسبۃً زیادہ تھی، یونیورسٹی میں بھی اس کو اہمیت حاصل تھی اور دائرۃ المعارف عربی کتابوں کی اشاعت کا ایک اہم ادارہ ہے جس نے عربی کی سیکڑوں اہم نادر اور نایاب کتابیں شائع کیں۔ 'م'

Marfat.com

کے درمیانی مغربی صحرا تک پھیلی ہوئی ہے، جنوبی عرب کے باشندوں نے زنجبار میں کبھی نوآبادی قائم نہیں کی بلکہ اس سے متصل شمالی افریقہ کے علاقہ کو نوآبادی بنایا اور یہ نوآبادکار ارحبیل اور مالینر یا تک پہنچ گئے اور تونس اور صقلیہ کے درمیان جزیرہ قوصرہ میں اٹھارہویں صدی تک عربی بولی جاتی تھی۔

جزیرہ قوصرہ اور جزائر بالیار کے باشندوں کی بول چال میں عربی کے بہت سے مفرد الفاظ ہیں، مڈگاسکر کے بعض باشندے بھی عربی بولتے ہیں، یہ صحیح طور پر نہیں معلوم کہ جنوبی ہند میں موپلا قوم کی زبان عربی ہے یا نہیں (۱) یمن کے حضرمی عربوں نے ہندوستان اور ہالینڈ کی نوآبادیوں میں جہاں کہیں سکونت اختیار کی وہاں انہوں نے عربی کے اخبارات نکالے اور ان کی تعلیم کے ابتدائی مدارس قائم کیے جس سے عربی کی اشاعت ہوئی اور آج عرب ملکوں میں عربی بولنے والوں کی تعداد کم سے کم چھ کڑور ہے، یہ تعداد چین، ہندوستان، جاوا، سماٹرا، ترکستان، ایران، افغانستان اور سوڈان وغیرہ کے ان مسلمانوں کے علاوہ ہے جو عربی لکھ اور بول سکتے ہیں، اگرچہ ادھر چند صدیوں سے عربی کی علمی حیثیت گھٹ جانے کی وجہ سے اس میں کچھ کمزوری پیدا ہوگئی ہے اور صرف مذہب، خطبوں اور شعروشاعری پر اس کی حکومت رہ گئی ہے اور اس کا ادب کمزور پڑ گیا ہے، کیوں کہ ادب اپنی قوم کی تمدنی ترقی کا تابع، اس کی بولتی ہوئی تصویر اور قوم کی قوت اور اس کے نمو کا نتیجہ ہوتا ہے، تاہم اگر کسی زبان کی یہ صورت حال پیش آجائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ زبان پارینہ ہوگئی اور اس میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی، جیسا کہ بعض مغربی شعوبیوں کا دعویٰ ہے اور مشرق کے بعض احمق اور مصنوعی فصحا بھی ان کے ہمنوا ہیں۔

عربی دور آخر میں اور اس کی عوامی بولیاں: خلفاے راشدین کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک تینوں براعظموں کے مسلمانوں کے درمیان فصیح عربی ہی افہام وتفہیم کا ذریعہ رہی ہے، ایسی حالت میں یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ مغربی نو میں اس کو صرف لاتینی زبان کا درجہ دیتی

---

(۱) موپلا نسلاً تو عرب ہیں، ان کی زبان کسی زمانہ میں عربی رہی ہوگی مگر اب نہیں ہے مگر ان کی موجودہ زبان میں عربی کے بکثرت الفاظ ہیں۔ ’م‘

Marfat.com

ہیں، حالاں کہ اس کی مذہبی اہمیت اور ایک ترقی یافتہ تہذیب کی زبان ہونے کی وجہ سے اس کے قواعد نہایت مکمل اور مستحکم ہیں اور جو شخص بھی اس کی موجودہ حالت کا ایک صدی پیشتر کی حالت سے موازنہ کرے گا اور جدید تہذیب اور عربی بولنے والوں کی ترقی کے اثر سے عربی زبان میں جو ترقی ہوئی ہے اس پر نگاہ ڈالے گا تو اس کو بدیہی طور سے نظر آئے گا کہ عربی نے پرانے اور نئے ہر زمانہ میں جدید خیالات کو قبول کرنے کے لیے ہمیشہ اپنا سینہ کشادہ رکھا، عربی کی تحریری زبان اگرچہ بول چال کی زبان سے مختلف تھی لیکن اس سے عربی ملکوں میں اس کے عام بول چال کی زبان ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں پیدا ہوئی، کیوں کہ عربی میں اس کا مادوں کی کثرت کی وجہ سے زندگی اور بقا کی بڑی طاقت تھی اور ہر مسلمان اس کی حفاظت کا متمنی تھا، کسی زبان کے لیے اس کے بولنے والوں کا عرصۂ دراز تک جہالت میں مبتلا رہنا سب سے زیادہ مضر ہے، مگر ماضی قریب میں جب سے عربی ملکوں نے جدید تعلیمی طریقوں کو اختیار کیا ہے اس وقت سے عوام کی زبان خواص کی زبان سے قریب تر ہوگئی ہے، جس کا سہرا مدارس، اخبارات، کتابوں اور تقریروں کے سر ہے، چنانچہ آج بہت سے فصیح الفاظ کثرت استعمال کی وجہ سے عوام میں رائج ہو گئے ہیں اور عربوں کی جہالت جس قدر گھٹتی جائے گی اور فصیح ماحول میں ان کی اولادوں کی نشو و نما ہوگی، وہ جامع مسجد، عبادت گاہوں، گھر، مدرسہ اور بازار وغیرہ میں فصیح الفاظ سنیں گی، اسی قدر عامی زبان فصیح عربی سے قریب تر ہوتی جائے گی، کیوں کہ جس طرح تحریری زبان طباعت کے ذریعہ رائج ہوتی ہے، اسی طرح عوامی زبان استعمال سے رواج پذیر ہوتی ہے۔

مصر و شام کی اسی برس پہلے کی عامی زبان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوجائے گا کہ اب سے پہلے مدرسین، خطبا، معلموں اور طالب علموں کی زبان پر کس قدر مبتذل الفاظ چڑھے ہوئے تھے اور آج نہ صرف ان کے قلم . بان بلکہ عوام اور ان پڑھ لوگوں کی زبانوں تک پر کس قدر فصیح الفاظ آگئے ہیں، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اتنی مدت میں عربی زبان نے ترقی کے کتنے مدارج طے کیے، اسی انداز سے مستقبل میں اور زیادہ ترقی ہوگی، کیوں کہ ابتدائی دور میں ترقی کی

Marfat.com

رفتار سست ہوتی ہے اور اس کے بعد اس کا قدم تیزی سے بڑھتا ہے اور تاسیس وتعمیر کا دور ہمیشہ بار آوری کے دور سے زیادہ سخت ہوتا ہے، جس زبان کی تر وتازگی صدیوں کی جہالت اور عرب ملکوں کی عجمی حکمرانوں کی طویل محکومی کے ہاتھوں کھو چکی ہو اس کو دوبارہ زندہ کرنا آسان نہیں ہے، باوجودیکہ عجمی حکومتوں کی مذہبی زبان بھی عربی تھی لیکن وہ اپنے انتہائی قومی تعصب کی وجہ سے عربی زبان کی پستی وانحطاط سے خوش ہوتی تھیں اور انہوں نے قومیت ووطنیت کا مقصد ومفہوم یہ سمجھا تھا کہ جو چیز اس میں حارج ہو اس کو ختم کر دیا جائے، اس لیے انہوں نے اپنے زعم میں اپنی زبان کو عربی سے پاک کرنے کی کوشش کی اگر ان کا یہ مزعومہ عمل تطہیر پورا ہو جائے تو ان کی پست اور حقیر زبانوں میں مفردات کے علاوہ کیا رہ جائے گا۔(۱)

بعض اہل یورپ جو مسلمانوں کے مسائل میں بدنیتی سے بحث ونظر کرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ عرب اپنے تمام اوضاع واطوار وخصوصیات بالکل بدل دیں، ان میں سے بعض کا گمان ہے کہ عربی زبان میں کبھی علم وتمدن کی زبان بننے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی، اس لیے عربوں کو چاہیے کہ وہ زبان کے سارے اسلوب بدل دیں اور ہر خطہ کے باشندے عوام کی زبان کو جوان میں رائج ہو اختیار کر لیں، یہ لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہر قوم کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں اور وہ اپنے ماضی کے سہارے زندہ رہتی ہے، بلکہ اسی کا تکملہ ہوتی ہے، اس لیے ماضی سے کس طرح تعلق منقطع کر سکتی ہے، ان کی یہ رائے بھی کہ عربی زبان میں فنی اصطلاحات کی گنجائش نہیں ہے، ایک باطل دعویٰ ہے، اس کی تردید کے لیے وہ علمی تصانیف کافی ہیں، جو مصر، شام، عراق اور تونس وغیرہ سے نکلتی رہتی ہیں ''کتاب لغات العالم'' کا مصنف لکھتا ہے کہ ''فصیح عربی زبان یعنی قدیم ادبی وعلمی زبان جو قرآن کی زبان ہے، تاریخ کی اہم ترین زبانوں میں سے ہے اس کے مؤلفین کی اتنی کثرت ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا، وہ اسلام سے پہلے اور اس کے بعد دونوں زمانوں میں شعر کہتے تھے، انہوں نے بہت سی قرآن کی تفسیریں اور حدیث وعبادات

(۱) غالباً اس سے مراد ترک ہیں۔ م

Marfat.com

(اس سے مراد غالباً فقہ ہے) کی بہت سی تصانیف چھوڑیں اور تاریخ، لغات خالص علمی کتب، قصص وحکایات، مختلف النوع حالات وواقعات، سفرنامے وغیرہ ہر موضوع پر اور تالیف وتصنیف کی ہر قسم پر بے شمار کتابیں لکھیں"۔

عربی زبان میں بہت سی بولیوں کے پیدا ہو جانے کا سبب یہ ہے کہ اس کے بولنے والے خطے بہت دور دور تھے اور ان کے درمیان وحدت کا رشتہ ٹوٹ گیا تھا اور جیسا کہ جاحظ نے لکھا ہے کہ "مختلف اسلامی ملکوں کے باشندے اس زبان میں باتیں کرتے تھے جو ان میں عرب لائے تھے، اس لیے مختلف ملکوں کی عربی زبان کے الفاظ مختلف ہو گئے لیکن اگر فصیح عربی زبان کو مدار و معیار رکھا جائے تو بولیوں کی کثرت اور ان کے اختلاف سے زیادہ نقصان نہیں پہنچ سکتا اور عامی زبان اس سے قریب تر ہوتی جائے گی، عربوں کی جہالت البتہ زبان کے لیے مضر ہے۔

Marfat.com

آٹھواں باب

اسلام کے دور شباب میں یورپ کی حالت

انگریزی اور فرانسیسی ملکوں کی وحشت و بربریت: اس زمانہ میں جب کہ عرب عقل و عمل کی لذتوں سے بہرہ یاب تھے اور بلند و برتر زندگی کی مسرتیں ان کو زیادہ سے زیادہ حاصل تھیں اور ہر ملک کے متمدن اور غیر متمدن باشندے خواہ وہ ملک مسلمانوں کے قبضہ میں رہے ہوں یا نہ رہے ہوں ان کی سطوت سے، ڈرتے تھے اور مسلمان ایک ایسی قوم کی تعمیر میں منہمک تھے جو علوم و آداب کی حامل ہو، جس کی ترقیاں و اقدامات نمایاں ہوں اور جو ترقی یافتہ حکومتوں کے مالک ہوں اہل یورپ بالکل وحشی اور جاہل تھے، وہ نہ آرام و راحت کے مزے سے واقف تھے نہ زندگی کی آسودگیوں سے لذت آشنا، نہ امن و امان کا نام جانتے تھے اور نہ نظم و تنظیم کا، نہ ان میں ایسے بادشاہ تھے جو عدل و انصاف و قیام امن میں اپنے فرائض سے واقف ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں وحشت و بدوات سے زیادہ قریب تھے۔

اینگلو سکسن انگلینڈ کی سرزمین ساتویں صدی سے لے دسویں صدی تک بالکل بنجر و بے مایہ تھی، اس کا دوسرے ملکوں سے کوئی علاقہ نہ تھا، وہ ایک بے ہنگم و وحشی ملک تھا، اس کے باشندے نشیبی زمینوں میں بن گڑھے پتھروں کے مکانات بناتے تھے اور اوپر سے مٹی تھوپ دیتے تھے، مکانوں میں ہوا کے منفذ بہت تنگ ہوتے تھے، ان کے بند رکھنے کی کوئی قابل اعتماد صورت نہ تھی، ان کے اصطبل اور مویشی خانوں کی باڑھ میں کوئی روزن اور جھروکہ نہ ہوتا تھا، جس کی وجہ

Marfat.com

سے بیماریاں اور وبائیں مویشیوں کا جو ملک کی آمدنی کا تنہا ذریعہ تھے، خاتمہ کردیتی تھیں، رہائش کی آرایش اور امن وامان کے لحاظ سے انسان حیوانوں سے زیادہ بہتر حالت میں نہ تھے، قبیلہ کا سردار اپنے خاندان اور ملازموں اور متوسلین کے ساتھ ایک جھونپڑے نمامکان میں زندگی بسر کرتا تھا، سب کے سب ایک بڑے دالان میں دھنسے رہتے تھے جس کے وسط میں آتشدان ہوتا تھا اور اس کا دھواں چھت کے ایک بھونڈے شگاف سے نکلتا تھا، سب کے سب ایک دسترخوان پر کھاتے تھے، صاحب خانہ اور اس کی بیوی دسترخوان کے ایک کنارہ بیٹھتے تھے، اس زمانہ میں کانٹے چھری کا وجود نہ تھا، پیالوں میں دستے لگے ہوئے تھے اور ہر مہمان اپنا پیالہ اپنے ہاتھوں سے تھامے رہتا تھا اور اس کو اک بارگی منہ میں انڈیل لیتا تھا، گھر کا مالک شام کے وقت اپنی اٹاری میں چلا جاتا تھا، کھانے کے بعد سب شراب پی کر بدمستی کرتے تھے، اس کے بعد میز وغیرہ اٹھالی جاتی تھی اور سب کے سب ایک ساتھ ایک ہی کمرے میں زمین یا چبوترے پر سورہتے تھے، ہر شخص اپنے ہتھیار اپنے سرہانے رکھتا تھا، چور اس قدر تھے کہ ان کے ڈر سے ہر شخص ہر وقت اپنی حفاظت کا سامان رکھنے پر مجبور تھا۔

اس زمانہ میں سارا یورپ گھنے جنگلوں سے بھرا ہوا اور زراعت میں بہت پیچھے تھا، گندے جوہڑوں سے جو شہروں کے کنارے تھے نہایت مہلک قسم کے بخارات اٹھتے تھے جو انسانوں کو تباہ وبرباد کردیتے تھے، پیرس اور لندن میں لکڑی اور بانس کے کھپاچوں کے گھر بھی بنائے جاتے تھے، جن کو اوپر سے مٹی اور بھوسے سے لیپ دیا جاتا تھا، ان میں نہ روشنی کا انتظام ہوتا تھا، نہ گرمی پہنچانے کا، بستر سے وہ ناواقف تھے، بھوسا اور پیال ان کا بستر تھا، اسی کو بچھا کر پڑے رہتے تھے، صفائی اور پاکیزگی کے نام تک سے آشنا نہ تھے، جانوروں کے اوجھڑی اور آنتیں اور باورچی خانہ کا کوڑا کرکٹ گھروں کے سامنے ڈال دیتے تھے، جس سے نہایت تکلیف دہ بدبو پھیلتی تھی، پورا خاندان مرد عورتیں اور بچے سب ایک ساتھ مل کر ایک کمرے میں سوتے تھے، اکثر گھریلو جانور بھی گھر والوں کے ساتھ ہی رہتے تھے، تخت یا چارپائی نام تھا، بھوسا بھرے گدوں کا جس کے اوپر

Marfat.com

جانوروں کے بالوں کا ایک نمدا ہوتا تھا جس کو وہ توشک یا بستر کے طور پر استعمال کرتے تھے، چلنے کے لیے نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ نالیاں اور نہ روشنی (۱) ڈریپر کا بیان ہے کہ یورپ میں جہالت عام تھی اور اوہام چھائے ہوئے تھے، بیماریوں کا علاج مقامات مقدسہ کی زیارت تھی، طب مردہ ہو چکی تھی اور جعل سازوں کے پھندے اور ہتھکنڈے زندہ تھے، جب کسی مقام پر وبا پھوٹ پڑتی تو علما ومشائخ نماز کی پناہ لیتے اور صفائی کی جانب کوئی توجہ نہ کرتا، اس سے وبائیں آبادی کو بری طرح تباہ وبرباد کردیتیں، اس لیے یورپ میں بار بار وبائیں پھیلیں جن میں لاکھوں آدمی لقمۂ اجل بن گئے۔

گیارہیں صدی میں قدیم دنیا دو تہذیبوں میں تقسیم تھی، ایک مغرب کی دوسری مشرق کی مغرب کی تہذیب کا یہ حال تھا کہ نہایت چھوٹے چھوٹے حقیر شہر اور کسانوں کے جھونپڑے تھے، ان کے قلعوں کو فن تعمیر سے کوئی علاقہ نہ تھا، ملک میں دائمی جنگ وجدال سے ہمیشہ بے چینی برپا رہتی تھی، بدامنی ایسی تھی کہ کوئی راہ گیر اور مسافر دس کوس بھی لٹے ہوئے بغیر نہیں چل سکتا تھا، اس کے مقابلہ میں مشرق کی تہذیب یہ تھی کہ یہاں قسطنطنیہ، قاہرہ، دمشق اور بغداد جیسے عظیم الشان شہر تھے، جن کی تصویریں الف لیلۃ ولیلہ میں نظر آتی ہیں، ان شہروں میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے قصر وایوان، کارخانے، مدرسے، بازار اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بڑے بڑے باغ وچمن تھے، ان کی سرزمین نہایت سرسبز وشاداب اور قریوں اور جائدادوں سے معمور تھی، تجارت کا بازار گرم تھا، تاجر پورے امن وامان کے ساتھ اسپین سے لے کر فارس تک آتے جاتے تھے۔ (۲)

سینوبوس کا بیان ہے کہ ''بلاشک وشبہہ اسلامی اور بیزنطینی دنیا پوری یورپی دنیا سے زیادہ دولت مند، منظم ومرتب اور روشن ومنور تھی، عیسائی اپنی تہذیبی کمی کو محسوس کرتے تھے اور مشرق کے عجائبات کو بڑی حیرت سے دیکھتے تھے، جو شخص تعلیم حاصل کرنا چاہتا وہ عربی تعلیم گاہوں کا رخ کرتا، گیارہویں صدی سے مشرقی ومغربی دنیا کا تعارف شروع ہوا اور وحشی نصاریٰ مہذب اور متمدن مسلمانوں کے ممالک محروسہ میں جنگ وتجارت کی راہ سے داخل ہوئے اور پانچویں صدی

(۱) لامنس رامبو کی تاریخ عام۔ (۲) مکسیم پٹی کی تاریخ عام۔

Marfat.com

ہجری میں جب صلیبیوں نے سرزمین مشرق میں قدم رکھا تو بیزنطینی علاقے اور شام وغیرہ اسلامی ملکوں کے بڑے بڑے آباد، منظم و مرتب شہروں کو دیکھ کر متحیر ہو گئے، کیوں کہ وہ چھوٹے چھوٹے قریوں اور بے حقیقت عبادت گاہوں کے علاوہ بڑے شہروں سے واقف ہی نہ تھے۔(۱)

یورپ کی جہالت اور اس کے ملکوں کی وحشت و بربریت: جس زمانہ میں یورپ کا سب سے بڑا اور ہارون رشید کا معاصر بادشاہ شارلیمان جو پورے فرانس، جرمنی اور شمالی اٹلی کا حکمراں تھا، علم و روشنی کے مقابلہ میں جہالت سے زیادہ قریب تھا، اس زمانہ میں بغداد اور قرطبہ کے عرب علما فلسفہ اور دوسرے مادی اور ادبی علوم میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور منصور عباسی کے لیے عجمی زبانوں کی کتابیں ترجمہ کی جا رہی تھیں اور کلیلہ و دمنہ، سندھ ہند ارسطاطالیس کی منطقیات، اقلیدس اور ارتماطیقی کی کتابیں یونانی، پہلوی، فارسی اور سریانی وغیرہ سے ترجمہ ہو رہی تھیں، جنہیں پڑھ کر عام لوگ بھی فائدہ اٹھاتے تھے، بنی عباس کے ابتدائی نامور خلفا کو دوسری قوموں کے علوم اور جدید و قدیم فلاسفہ اور مفکروں کے افکار و خیالات سے بڑی دلچسپی تھی، ان کی مجلسوں میں مختلف النوع عقلی و نقلی علوم کے اصول و فروع پر مباحثے ہوتے تھے، عربوں میں مامون عباسی جیسا خلیفہ پیدا ہوا، عقلی و علمی لحاظ سے جس کے ٹکر کا یورپ میں کوئی حکمراں نہیں تھا، اس نے قیصر روم کو مغلوب کرنیکے بعد اس سے کتابیں مانگ بھیجیں، اس کی مثال قدیم اور جدید کسی زمانہ کے حکمراں میں نہیں مل سکتی کہ کسی فاتح بادشاہ نے اپنے مفتوح دشمن سے اس قسم کی درخواست کی ہو، اس سے اس کے مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے، فران لکھتا ہے کہ ''مامون کے زمانہ میں لوگ علمی و وجدانی آزادی کی نعمت سے متمتع تھے، اس کا عہد عربوں میں ایسا ہی تھا جیسا ایتھنز میں ہرکلیس کا اور روم میں اگسٹس کا، عین اسی زمانہ میں شارلیمان نے حصول تعلیم کی جانب توجہ کی، وہ ان غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح جو کبھی کبھی لکھی ہوئی سطروں پر نگاہ ڈال لیتے ہیں، ادب سے بہت معمولی دلچسپی رکھتا تھا اور اس کے زمانہ کا ادب آج کل کے مکتب کے

(۱) تاریخ تمدن سینوبوس۔

Marfat.com

بچوں کے ادب اور ان کی مشقوں سے زیادہ نہ تھا، درحقیقت گال میں کوئی چیز ادب کے مشابہ تھی ہی نہیں، انہوں نے کبھی کوئی کتاب یا تاریخ نہیں لکھی، ضروری سرکاری تحریریں مثلاً معاہدے، ہبہ نامے اور وصیتیں وغیرہ بربری لاتینی میں لکھی جاتی تھیں، جس کا رسم الخط ایسا ناقص تھا کہ اس کا پڑھنا مشکل ہوتا تھا، قرون وسطیٰ کے اثرات تعلیم وتہذیب میں اونچے طبقہ اور کسانوں میں کوئی فرق وامتیاز نہیں رکھتے تھے، بڑے بڑے قائد اور رہنما ان پڑھ تھے، ان کی زندگی کا مقصد صرف شراب نوشی، کھانا، شکار اور جنگ جوئی تھا، وہ فطرۃً نہایت اجڈ، تند خو اور درشت مزاج ہوتے تھے، رچرڈ شیر دل نے جو یورپ میں شجاعت کی مثال سمجھا جاتا ہے دو ہزار پانچ سو عرب قیدیوں کو قتل کیا اور پندرہ بہادروں کی جن پر بادشاہ اگسٹس کے خلاف جنگ بھڑکانے کا الزام تھا، آنکھیں پھوڑ دیں، یہ لوگ اکثر عورتیں تک کی آنکھیں پھوڑ دیتے تھے اور ان کی ناکیں کاٹ لیتے تھے، اس قسم کی سنگدلی اور بربریت چودہویں بلکہ پندرہویں صدی تک قائم رہی، اسی وحشیانہ زندگی نے یورپ کے سورماؤں کو نہایت سنگدل اور درشت مزاج بنا دیا تھا، وہ معمولی معمولی باتوں پر لڑ پڑتے تھے اور جس کا مقصد صرف لوٹ مار ہوتی تھی، بعض سوار گذرگاہوں پر کھڑے ہو جاتے اور جو تاجر نکلتے ان کو لوٹ لیتے اور ان سے روپیہ حاصل کرنے کے لیے ان کو قید کر کے طرح طرح کی اذیتیں دیتے، ان کے یہاں امن وامان کا نام ہی نہ تھا۔

شارلیمان کے زمانہ میں بلکہ اس کے بعد ایک عرصہ دراز تک گال سے عمومی تہذیب کا اہتمام ہی اٹھ گیا تھا(۱) اور تنہا لاتینی زبان جو انتہا درجہ کی ناقص تھی، تحریری زبان رہ گئی تھی اور کاتب کبریت احمر سے زیادہ نادر و نایاب تھے، جن لوگوں میں علم کی طلب اور اس کا شوق بھی تھا وہ محض اس حد تک کہ توریت پڑھ اور اپنی پرانی مذہبی کتابوں کو دیکھ کر سرکاری تمسکات اور دستاویزیں وغیرہ لکھ لیں، باقی ان کے اور تمام کرتوت انتہا درجہ کے لغو اور وحشیانہ تھے، رابرٹسن (۲) کا بیان ہے کہ ''ایسے بہت سے قوانین اور دستاویزیں ملی ہیں جو درہ اول کے اعیان واشراف کی جانب

(۱) بربرلوئس ہالپن۔ (۲) رابرٹسن کی تاریخ شارلکان۔

Marfat.com

سے لکھی گئی تھیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب کے سب ان پڑھ تھے، اسی لیے وہ اس قسم کی دستاویزوں پر صلیب کا نشان بنا دیتے تھے، سلطنت کا چیف جسٹس ہریون ان پڑھ تھا، چودھویں صدی میں فرانسیسی فوجوں کا سپہ سالار اعظم وجلسیں جو اپنے عہد کا سب سے بڑا آدمی تھا، جاہل مطلق تھا اس زمانہ میں جو شخص سلطنت کا عہدہ چاہتا، اس کے لیے صرف اتنا کافی تھا کہ انجیل اور انبیاء کے رسائل پڑھ لے اور بغیر پورے جملہ کی تشریح کے صرف الفاظ کے معنی بتا سکے، اس زمانہ میں کتابیں نادر الوجود تھیں اور گرجوں کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں، پندرھویں صدی میں طباعت کی ایجاد کے بعد یورپ جہالت سے نکل سکا، قزوینی نے لکھا ہے کہ "عرب تاجر عنبر کی تلاش میں شلشویق (موجودہ ڈنمارک کا ایک مقام) گئے تھے، وہاں کے باشندوں کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ بالکل وحشی ہیں ننگے رہتے ہیں اور چمڑے کے ٹکڑوں سے ستر پوشی کرتے ہیں۔(۱)

یہ تو مغربی یورپ کا حال کا تھا، مشرقی کا حال اس سے ابتر تھا، یہاں کے باشندے مطلق وحشی تھے اور روس کی تاریخ تو نویں صدی عیسوی میں بھی شروع نہیں ہوسکی تھی اور یہ وسیع علاقہ صقلبی قبائل کا آماجگاہ تھا، تاتاری ان پر مسلط ہو کر ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، بلکہ روس میں اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک جہالت کا دور دورہ رہا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ کے اختلاف پر کہ "اشارہ سے صلیب کا نشان بنانے میں کتنی انگلیاں استعمال کرنی چاہئیں" مدتوں خانہ جنگی برپا رہی (۲) روس درحقیقت اپنے مصلح پیٹر اعظم کے عہد اٹھارہویں صدی سے پہلے جہالت کی تاریکی سے نہیں نکل سکا، یہی حال اٹلی کے علاوہ یورپ کے باقی تمام ملکوں کا تھا، جب شمال کے بربر نے اٹلی سے رومن تمدن کا خاتمہ کیا تو ان کی بعض پرانی یادگاریں اور عمارتیں باقی رہ گئیں، جنھوں نے ان کے اخلاف میں ترقی کا ولولہ پیدا کیا، اس طرح چند صدیوں کے بعد ان میں ترقی کی لہر پیدا ہوئی اور چودھویں صدی میں اس کی روشنی یورپ کے بڑے حصہ میں پھیل گئی۔

---

(۱) آثار البلاد و قزوینی۔ (۲) بنتھم کی اصول شرائع۔

Marfat.com

عرب ممالک اور یورپین ملکوں کا موازنہ: عربوں کے عروج کے زمانہ میں یورپ پر پاپاؤں کا تسلط تھا وہ اپنی خواہش نفس سے جو چاہتے تھے کرتے تھے اور انسانوں کے جسم و روح دونوں پر ان کی حکومت تھی اور بقول ڈوزی (۱) لوگ جہالت کے اندھیرے میں سرگرداں تھے، ان کو صرف سوئی کے ناکہ سے روشنی کی کرن نظر آتی تھی اور علم وفن، ادب وفلسفہ، صنعت وحرفت اور دستکاری وغیرہ کا نور مسلمانوں کی سمت ظاہر ہوتا تھا، بغداد، بصرہ، سمرقند، دمشق، قیروان، مصر، فارس، غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ علم کے بڑے بڑے مرکز تھے اور یورپ کے وہ پایہ تخت جو آج متحیر کر دیتے ہیں، اس زمانہ میں ان کی حیثیت قریہ سے زیادہ نہ تھی، ان میں نہ علم تھا نہ آبادی اور نہ تہذیب، وہ علمی و مادی ہر حیثیت سے بہت پیچھے تھے اور اسلامی ملکوں میں کوئی مدرسہ، کوئی جامع مسجد اور کوئی بڑا گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں کتب خانہ موجود نہ ہو، جو ہر مطالعہ کرنے والے کے لیے کھلا رہتا تھا، حالاں کہ اس زمانہ میں قلمی کتابیں نایاب تھیں، ان کتب خانوں میں علما کا اجتماع ہوتا اور وہ خود پڑھتے دوسروں کو درس دیتے اور علمی بحث و مذاکرے کرتے جس میں مرد عورت سب حصہ لیتے، تمام شہروں بلکہ قریوں تک خصوصاً اندلس میں ہر طالب علم کے لیے مدرسے موجود تھے، ایک دوسرے فرنگی مؤرخ کا بیان ہے کہ ''اس زمانہ میں جب نصرانی یورپ کا اونچا طبقہ تک ان پڑھ تھا اور صرف بعض پادری لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جنہوں نے اس کو خاص اپنا فن بنا رکھا تھا، اسلامی اندلس کی آبادی کا بڑا حصہ لکھا پڑھا تھا'' رابرٹسن لکھتا ہے کہ ''پندرہویں صدی کے آغاز میں اسپین کے بہت سے شہر اٹلی اور بلاد القاع کے علاوہ باقی یورپ کے تمام شہروں سے زیادہ آباد تھے اور عربوں نے اپنے دور حکومت میں اندلس کے شہروں میں بہت سے کارخانے قائم کیے اور عمارتیں بنوائیں''۔

اسلامی ممالک علمی مجالس سے معمور تھے، جن میں ہر مذہب وملت کے علما شامل ہوتے تھے اور اس میں مذہب کا لحاظ نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ صرف کمال کو دیکھا جاتا تھا، خلفا، سلاطین اور امرا

(۱) تاریخ اسپین ڈوزی۔

Marfat.com

اپنے محلوں میں علما کا اجتماع اور مختلف علوم وفنون پر مباحثے کرتے تھے، ان کی کوئی مجلس اہل علم سے خالی نہیں ہوتی تھی، حاضرین خاموشی کے ساتھ ان سے استفادہ کرتے تھے، بعض سلاطین لڑائیوں تک میں علما کو ساتھ لے جاتے اور سفر میں ایک چھوٹا سا کتب خانہ ساتھ رکھتے تھے، ان پر علم کا ذوق اتنا غالب تھا کہ وہ علمی مباحثہ و مذاکرے کو کسی حال میں بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے، اس قسم کے اہل علم سلاطین میں اندلس میں منصور بن ابی عامر اور بغداد میں مامون بیسیوں میں دو مثالیں ہیں۔

گبن مشرق و مغرب میں مسلمانوں کی علمی خدمات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"علم و علما کا مرتبہ بلند کرنے، علمی اداروں پر فیاضی سے خرچ کرنے اور نادار طالب علموں کی مدد کرنے میں صوبوں کے گورنر اور وزراء، خلفا پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے جس سے علم کا ذوق بہت پھیل گیا اور سمرقند و بخارا سے لے کر فاس اور قرطبہ تک لوگوں کو تحصیل علم میں لطف آنے لگا، ایک بادشاہ (ملک شاہ سلجوقی) کے وزیر نظام الملک نے بغداد میں مدرسۂ نظامیہ کے قیام و تعمیر میں دولاکھ اشرفیاں صرف کیں اور پندرہ ہزار سالانہ اشرفی کی جائداد اس کے مصارف کے لیے مقرر کی، اس مدرسہ میں چھ ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے، جن میں بڑے بڑے ارا کین سلطنت کے لڑکے بھی تھے اور غریب پیشہ وروں کے بھی ان دونوں میں صرف یہ فرق تھا کہ امرا کے لڑکے اپنے والدین کے صرف سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور غریب طالب علموں کی کفالت مدرسہ کی جائداد سے ہوتی تھی، اساتذہ اور معلموں کو معقول مشاہرے ملتے تھے۔

سلاطین اور خلفا کی علما نوازی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اندلس کا نامور اموی خلیفہ عبدالرحمن ثالث (۳۰۰-۳۵۰) جو سلاطین میں سب سے بڑا عالم، علوم و آداب و صنعت و حرفت و تجارت کا بڑا سرپرست اور تلوار و قلم دونوں کا دھنی تھا، اس کے اور اس کے اخلاف کے کارناموں کے بدولت اسپین قرون وسطیٰ میں سب سے زیادہ متمدن اور منظم ملک بن گیا تھا، اس نے اندلس کا مشہور قصر الزہرا تعمیر کرایا اس کی تعمیر و استحکام اور اس کے قصر و ایوان کی خوبصورتی اور تزئین و آرایش میں اس کو اتنا انہماک ہو گیا تھا کہ وہ کچھ دنوں تک جمعہ کی نماز میں نہ جا سکا ایک دن جب وہ گیا تو قاضی

Marfat.com

منذر بن سعید بلوطی نے جو قرطبہ میں جمعہ و جماعت کے قاضی تھے، عبدالرحمٰن کی تنبیہ کے لیے ایک خطبہ دیا، جس کا آغاز قرآن مجید کی اس آیت سے کیا

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ فَاتَّقُوْااللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ وَاتَّقُوْا الَّذِیْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنَ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. (شعرا)	کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار بناتے ہو جس کو محض فضول بناتے دنیا اور بڑے بڑے محل بناتے ہو جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر دارو گیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر بن کر دارو گیر کرتے ہو سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی ہے جس کو تم جانتے ہو، مویشی بیٹوں، باغوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی مجھ کو تمہارے حق میں ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

اس کے بعد عمارتوں کی تعمیر، ان کی تزئین و آرائش اور روپیہ کے اسراف کی مذمت کر کے یہ آیت تلاوت کی:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ.	پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت یعنی مسجد کی بنیاد خدا سے ڈرنے اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارے جو گرنے کے قریب ہو رکھی ہو پھر وہ (عمارت) اس کے بانی کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے اور اللہ ایسے ظالموں کو دین کی سمجھ ہی نہیں دیتا

Marfat.com

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْنَ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (توبہ)

ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا سا کھٹکتی رہے گی مگر ان کے دل ہی سے فنا ہو جاویں تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑی حکمت والا ہے۔

اسی طرح کی اور بہت سی تخویف وترہیب اور وعظ وپند کی باتیں کہیں، ان کو سن کر خلیفہ اور سارے نمازی زار وقطار رونے لگے، مسجد سے واپسی کے بعد عبدالرحمن نے اپنے لڑکے حکم سے قاضی منذر بن سعید سے اس تنبیہ کی شکایت کی اور قسم کھائی کہ آئندہ سے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے گا، حکم نے باپ سے کہا کہ قاضی منذر کو ہٹا کر ان کی جگہ کسی دوسرے کو آپ کیوں نہیں امام بنادیتے، گو عبدالرحمن کو قاضی صاحب کی تلخ نصیحت سے تکلیف پہنچی تھی لیکن اس کا دل حق پرست تھا، اس نے حکم کو ڈانٹا اور کہا کہ قاضی منذر بن سعید کے جیسے عالم فاضل متقی اور حلیم کو ایک گمراہ نفس کی خواہش اور رضامندی کے لیے معزول نہیں کیا جاسکتا، مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس کے اور میرے درمیان نماز جمعہ کے بارہ میں قاضی منذر جیسا شخص سفارشی نہ ہو اگرچہ انہوں نے مجھ پر بڑی کاری ضرب لگائی ہے، مگر کاش میں اپنی قسم کے کفارہ میں اپنا پورا ملک دے سکتا، وہ میری اور اپنی زندگی میں برابر نماز پڑھاتے رہیں گے، ان کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔

اس زمانہ میں جب سارا یورپ اپنے بادشاہوں، پاپاؤں اور بڑے لوگوں کا غلام تھا اور کوئی شخص ان کے کسی فعل پر تنقید اور کسی سیاست پر اعتراض کی جرأت نہیں کرسکتا تھا، ناموران اسلام خلفا کو علانیہ نصیحت کرتے تھے اور ان کی سطوت اور مواخذہ سے مطلق نہ ڈرتے تھے، اس کی ایک معمولی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ منصور عباسی جیسے جلیل القدر خلیفہ کو ایک بزرگ نے برملا یہ تلخ باتیں سنائیں کہ ''تمہاری جیسی طمع کسی انسان میں نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے بندوں کے معاملات کا نگہبان بنایا ہے اور تم نے اس میں غفلت کی، ان کا مال سمیٹنا مقصد بنالیا، ان کے اور اپنے درمیان اینٹ اور چونے کا پردہ اور لوہے کے پھاٹکوں اور مسلح سپاہیوں کی دیوار کھڑی کردی

Marfat.com

اور اس حصار میں بیٹھ کر اپنے کو ان سے بالکل الگ کر لیا، تم نے خراج کی تحصیل وصول اور اس کو جمع کرنے کے لیے عمال بھیجے، تم نے حکم دے دیا کہ فلاں فلاں مخصوص لوگوں کے علاوہ کوئی شخص تمہارے پاس پھٹکنے نہ پائے، تم نے مظلوموں، مصیبت زدوں اور ننگے بھوکوں کو آنے کی اجازت نہیں دی، اس مال میں جو تمہارے پاس ہے، ہر رعایا کا حق ہے جب تمہارے ان ندیموں اور خواص نے جن کو تم نے اپنی ساری رعایا پر ترجیح دے رکھی ہے اور جن کو تمہارے پاس آنے جانے کی ہر وقت اجازت ہے، دیکھا کہ تم مال وصول کر کے جمع کرتے ہو تو انہوں نے خیال کیا کہ جب یہ شخص خدا کے مال میں خیانت کرتا ہے تو ہم کیوں نہ کریں، اس وقت انہوں نے یہ انتظام کیا کہ ان کی مرضی اور مقصد کے خلاف تمہارے پاس کوئی خبر نہ آنے پائے اور تم جو عامل مقرر کر و اس کو خائن ظاہر کر کے تمہاری نگاہ سے گرادیں، جب تمہارے اور ان کے اس طرز عمل کی عام شہرت ہوئی تو لوگ ان سے ڈر کر ان کی مدارات کرنے لگے اور سب سے پہلے تمہارے عمال نے ہدایا و تحائف اور نقد سے ان کی مدارات کی تا کہ وہ اس کے ذریعہ رعایا پر ظلم کر سکیں، اس کے بعد ملک کے صاحب ثروت و وجاہت طبقہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا کہ وہ اپنے زیر دستوں پر ظلم کر سکیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا ملک طمع کی وجہ سے ظلم و بغاوت اور فتنہ و فساد سے بھر گیا اور تمہارے یہ ندما اور خواص تمہاری غفلت میں ملک و سلطنت میں تمہارے شریک و سہیم بن گئے اور اب جب کوئی مظلوم و داد خواہ تمہارے پاس آنا چاہتا ہے تو یہ لوگ اس کو تمہارے پاس پہنچنے نہیں دیتے، اگر تم یہ کہو کہ حکومت کے بقا و استحکام کے لیے دولت جمع کرتے ہو تو خدا نے بنی امیہ میں تمہارے لیے عبرت کا سامان کر دیا ہے، جب خدا نے ان کو ختم کرنا چاہا تو سونے کے ڈھیر، فوج و سپاہ، اسلحہ و ہتھیار اور سواریاں جن کو انہوں نے اسی مقصد کے لیے جمع کیا تھا، مگر کوئی چیز ان کو نہ بچا سکی اور اگر یہ کہتے ہو کہ تم کسی ایسے مقصد اور درجہ کے حصول کے لیے روپیہ جمع کرتے ہو جو تمہارے موجودہ درجہ سے زیادہ بلند ہے تو خدا کی قسم اس کے اوپر جو درجہ ہے وہ تمہاری موجودہ روش سے نہیں بلکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ (اس سے مراد زہد و ورع کا درجہ ہے)

Marfat.com

مسلمان دنیا میں اس طرح کے حاکم ومحکوم تھے کہ بادشاہ حکومت کے کام انجام دیتے تھے، واعظ نصیحت کا فرض ادا کرتے تھے اور رعایا امن وآزادی کے ساتھ مطین ومسرور زندگی بسر کرتی تھی، عرب اس زمانہ سے آزادی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے تھے، جب دوسری قومیں اس کے نام تک سے واقف نہ تھیں، اسی آزادی نے ان میں سیاست، فن جنگ، نظم وانتظام، علم وفن، صنعت وحرفت وتجارت، ہر شعبہ میں اتنے بڑے بڑے آدمی پیدا کیے جو ایک زمانہ کے لیے باعث فخر تھے، اس مختصر بحث میں ان سب کے نام گنوانے اور ان کی ذکاوت وذہانت، علمی کمالات، بلندی اخلاق اور حسن تدبیر وغیرہ کی تفصیل بیان کرنے کی گنجایش نہیں ہے، ان کی سیرتوں پر سرسری نظر ڈالنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا مذہب تمدنی ترقی اور اس کے دلفریب مظاہر کے ظہور میں بھی کبھی حائل نہیں ہوا، جس کا ہر واقف کار فریفتہ تھا اور یورپ کے دور نہضت سے پہلے کم اہل یورپ فضل وکمال میں مشرق ومغرب کے امویوں اور بعض عباسیوں بلکہ طوائف الملوکی کے دور کے زمانہ کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں تک کے درجہ کو پہنچ سکے اور یورپ میں بہت ہی کم لوگ صاحب بن عباد، ابن العمید، رکن الدولہ بن بویہ، منصور بن نوح سامانی، ابوالغد امحمود بن سبکتگین، صلاح الدین ایوبی، نورالدین زنگی، طغتگین اور منصور بن عامر وغیرہ سیکڑوں مسلمان اکابر کے اوصاف وخصوصیات کے حامل تھے، جنہوں نے اپنے اعمال صالح سے اور لوگوں کو ایسے صحیح راستہ پر چلا کر جس سے ان کو دین اور دنیا دونوں کی سعادتیں حاصل ہوں، انسانیت کا چہرہ روشن کیا۔

اس طویل مدت میں جب عرب دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ معزز اور ترقی یافتہ تھے، عربی اور اسلامی ملکوں کی ترقیاں پہلے اندلس، سسلی اور اٹلی کی راہ سے پھر صلیبیوں کے ذریعہ اہل یورپ تک پہنچیں اور انہوں نے بھی اپنے ملکوں میں ان کا نمونہ قائم کرنا چاہا، مگر یہ اس لیے ممکن نہ تھا کہ ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر مذہبی پیشواؤں کا تسلط تھا اور ان کے فوجی امرا اور سلاطین تعمیر کے بجائے تخریب کا آلہ تھے، ان کے تمام کاموں میں درشتی اور پوری سوسائٹی میں بدنمائی

Marfat.com

اور بھدا پن نمایاں تھا، ان کی تہذیب بالکل ابتدائی حالت میں تھی، ان میں جب آگے بڑھنے کا کوئی محرک پیدا ہوتا تو رجعت کے وہ عوامل جو ان میں راسخ ہو گئے تھے پھر ان کو پیچھے ڈھکیل دیتے۔

یورپ پر عربوں کے اثرات کے بارہ میں لیبان کی رائے: لیبان نے ایک صفحہ میں یورپ کے عبوری دور پر عربوں کے اثرات کا بہت اچھا تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "یورپ پر عربوں کا بڑا اثر پڑا اور یورپ کی تہذیب کا سہرا ان ہی کے سر ہے، ان کے اثرات یورپ پر مشرق سے کم نہیں تھے، صرف فرق یہ تھا کہ مشرقی ملکوں میں مذہب، زبان اور صنعت وحرفت سب پر ان کے اثرات پڑے اور مغرب میں مذہبی اثر نہیں پڑا، آرٹ اور زبان سے بھی کم متاثر ہوئے لیکن ان کے علم وادب اور اخلاقی تعلیمات کا نہایت گہرا اثر پڑا، اس کا اندازہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا جب تک یورپ کی اس زمانہ کی حالت کا تصور نہ کیا جائے، جب وہاں تہذیب کی کرن پھوٹی تھی، جب ہم نویں اور دسویں صدی عیسوی پر جب اسپین میں اسلامی تمدن کا شباب تھا نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ سارے یورپ میں علمی مرکز عبارت تھے چند برجوں سے جن میں ایسے نیم وحشی سردار رہتے تھے جو اس جہالت پر فخر کرتے تھے کہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے اور عیسوی مذہب میں اونچا اور تعلیم یافتہ طبقہ جاہل اور فقیر راہبوں سے عبارت تھا، جس کا سارا وقت حصول معاش اور کاغذ کی خریداری کے لیے قدما کی کتابوں کی نقل میں صرف ہوتا تھا جو کتب عبادت کی نقل کے لیے ضروری تھا۔

یورپ میں جہالت کا یہ دور اتنا طویل تھا کہ ان کو اپنی جہالت کا احساس بھی نہیں رہ گیا تھا اور ان میں گیارہویں صدی سے علم کا ابتدائی رجحان پیدا ہوسکا، بلکہ بارہویں صدی کہنا زیادہ صحیح ہے اور جب بعض روشن دماغ لوگوں نے جہالت کا بھاری کفن جس کے نیچے وہ دبے ہوئے تھے، پھاڑنے کی ضرورت محسوس کی تو وہ بے تحاشا عربوں کی جانب لپکے کیوں کہ اس زمانہ میں تنہا ان ہی کو علم کی سیادت حاصل تھی، جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، یورپ میں علم جنگ صلیبی کے زمانہ سے نہیں بلکہ اندلس، سسلی اور اٹلی کے راستہ سے داخل ہوا اور ۱۱۳۰ء میں رئیس الاسافقہ ریمنڈ کی توجہ سے طلیطلہ میں ترجمہ کا پہلا مدرسہ قائم ہوا اور عربوں کی مشہور تصانیف کا لاتینی زبان میں

Marfat.com

ترجمہ ہونے لگا، ان ترجموں سے بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور یورپ کو ایک نئی دنیا نظر آئی، جس کا سلسلہ بارہویں صدی سے چودہویں صدی تک برابر جاری رہا اور اس سلسلہ میں محض رازی، ابوالقاسم، ابن سینا اور ابن رشد ہی کی کتابیں نہیں ترجمہ کی گئیں، بلکہ جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو، اقلیدس، ارخمیدس، بطلیموس وغیرہ کی کتابوں کا لاتینی ترجمہ بھی عربوں کی عربی ترجمہ سے کیا گیا۔

لکرک نے طب عربی کی تاریخ میں تین سو عربی کتابیں شمار کرائی ہیں، جن کا لاتینی میں ترجمہ کیا گیا، اس طرح قرون وسطیٰ پیروان محمدؐ ہی کے ذریعہ تہذیب وتمدن سے آشنا ہوا بعض قدیم کتابیں جن کی اصل دستبرد زمانہ سے ضائع ہو گئی تھی، عربی ترجموں ہی کے ذریعہ یورپ پہنچیں اس لیے قدما سے واقفیت کا سہرا در حقیقت عربوں کے سر ہے، ان راہبوں کو اس سے تعلق نہیں ہے جو یونانی زبان کے وجود تک ناواقف تھے، اس قیمتی علمی خزانہ کے تحفظ کی وجہ سے ساری دنیا عربوں کی زیر بار احسان رہے گی، لیبری لکھتا ہے کہ ''اگر عرب تاریخ سے نکال دیے جاتے تو یورپ علمی ترقی میں صدیوں کے لیے پچھڑ جاتا''۔

لیبان ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ ''اسپین اس زمانہ میں عربوں کی بدولت ایک بلند تہذیب سے متمتع ہوا، جب سارا یورپ سخت وحشت میں مبتلا تھا، اگر وہ عربوں کے جھنڈے کے نیچے چلتا تو اس کا درجہ بہت بلند ہو جاتا اور اگر اہل یورپ کے اخلاق نرم ہوتے تو وہ مذہبی لڑائیوں، سان بارتھلمیو اور محکمہ تفتیش جیسے خون آشام واقعات ومصائب میں مبتلا نہ ہوتے، جنہوں نے صدیوں یورپ کو خون کے دریا میں غرق رکھا، ایسے واقعات کا مسلمانوں میں کوئی وجود نہیں تھا.........ان تمام خطوں کی تہذیب میں جہاں جہاں عربوں نے قیام کیا ان کا بڑا اثر رہا، البتہ فرانس کو اس سے کم حصہ ملا جن جن ملکوں میں رسول اللہ کا علم سایہ فگن ہوا، بڑی سرعت کے ساتھ ان کی کایا پلٹ گئی اور ان میں علوم وفنون وادب اور صنعت وحرفت وتجارت کا چمن لہلہانے لگا''۔

Marfat.com

نواں باب

عربوں کے مفتوحہ ملکوں میں ان کے اثرات

قیصر اور کسریٰ کے مقبوضہ ممالک کی بدحالی: ظہور اسلام سے پہلے ایرانی اور رومی حکومتوں کے مقبوضہ ملک مسلسل لڑائیوں وباؤں اور قحط کی وجہ سے بالکل کمزور ہو رہے تھے، قیصر روم ہرقل نے ایران پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی جس سے دونوں کی قوت کمزور ہوگئی تھی اور ایرانیوں نے قیصر کے مقبوضات شام و مصر وغیرہ کو تباہ کر ڈالا تھا، دونوں کی رعایا اپنے حکمرانوں سے سخت ناراض اور ان کے جابرانہ احکام اور بھاری ٹیکسوں سے سخت مصیبت میں مبتلا تھی، کسریٰ نے مسلسل چھ سال تک قسطنطنیہ کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ اس کی آبادی کا بڑا حصہ بھوکوں مر گیا اور ہرقل نے ایران میں عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا اور بہتوں کو قیدی بنایا، یہ واقعہ ۷ھ میں پیش آیا۔

ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد کسریٰ کا پوتا یا پرپوتا تھا، ایرانیوں نے اپنے دور انتشار میں اس کو بادشاہ بنایا تھا، اس کی عمر کل ۱۵ ر سال تھی اس سے پہلے بھی وہ ایک لڑکے کو بادشاہ بنا چکے تھے، بلکہ ایک عورت بوران دخت تک کو تخت نشین کیا تھا، اس طرح ایران کا ملک ظہور اسلام سے کچھ پہلے عورتوں اور لڑکوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا اور رعایا مختلف مذہبوں میں بٹی ہوئی تھی حکومت کا مذہب مجوسی تھا، مگر ملک میں یہودیوں اور نسطوریوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔

ہرقل جب ضعیفی کی عمر کو پہنچا تو ایلیا کے راہبوں نے اس کو یہودیوں کے خلاف بھڑکا کر بیت المقدس اور جبل الجلیل میں ان کا قتل عام کرایا، ان پر الزام یہ تھا کہ فلسطین پر ایرانیوں کے حملہ

Marfat.com

کے وقت انہوں نے عیسائیوں کے قتل میں ایرانیوں کی مدد کی تھی اور ان کے گرجوں کو مسمار کیا اور ان کو جلایا تھا اور صور کے عیسائیوں کو قتل اور ان کو تباہ و برباد کیا تھا، ابن بطریق کے بیان کے مطابق اس قتل عام میں بے شمار یہودی مارے گئے پھر خود راہبوں نے یہودیوں سے ہرقل کی عہد شکنی (۱) اور ان کے قتل عام کے کفارہ میں روزہ رکھ کر اس کو راضی کیا، اس زمانہ میں رومی سلطنت کے عیسائیوں میں بڑے سخت مذہبی اختلافات برپا تھے، ایک بڑا اختلاف یہ تھا کہ ایک گروہ کہتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیثیت فعل اور اقنوم اگرچہ واحد ہے لیکن ان کی طبیعتیں دو ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جس طرح آپ کی طبیعتیں دو ہیں اسی طرح مشیتیں اور فعل بھی دو ہیں، کیوں کہ یہ محال ہے کہ جس کی طبیعتیں دو ہوں اس کی مشیت اور فعل ایک ہی ہو اگر مشیت ایک مانی جائے تو طبیعت بھی ایک ماننا پڑے گی، مگر آپ کی طبیعتیں دو تھیں، اس لیے مشیتیں بھی دو ہوں گی (۲) ایران و روم دونوں کا یہ حال تھا کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا، مسلسل لڑائیوں نے ان کی زندگی کے تمام وسائل کو کمزور کر دیا تھا، نہ ان کے پاس مال تھا جو دنیاوی سیہ بختی سے ان کو نجات دلا سکے اور نہ کسی ایسی چیز کا وجود تھا جس کو آسودگی اور خوش عیشی کا وسیلہ کہا جا سکے، فقر و افلاس نے ملک کو تباہ کر دیا تھا، قحط و بربادی اور اس قسم کی دوسری بلائیں روزانہ کی عام زندگی ہو گئی تھیں، اس لیے رومی اور ایرانی دونوں ان مصیبتوں سے نجات کے متلاشی تھے، خواہ اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو، عین ان حالات میں عرب فاتح پہنچے، اس لیے اہل ملک کو ان کی آمد سے بڑی مسرت ہوئی اور بعضوں نے ان کی مدد بھی کی، مگر ایرانیوں اور رومیوں کا ایک طبقہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ملک کی مدافعت پر بھی مجبور ہوا، اس زمانہ میں دونوں ملکوں کے باشندوں میں قومیت کا کوئی جذبہ نہیں رہ گیا تھا اور ان

(۱) ہرقل نے یہودیوں سے ان کی حفاظت کا عہد کیا تھا۔ (۲) غالباً اس کا مفہوم یہ ہے کہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ میں دو خواص تھی، ایک خدائی دوسرا انسانی، ایک گروہ کہتا تھا کہ جب آپ میں دو خواص تھے تو آپ کے مشیت اور فعل میں بھی یہ دونوں خواص ہوں گے اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ گو آپ کی ذات میں دو خواص تھے لیکن مشیت میں وحدت تھی۔ م۔

Marfat.com

کے دلوں سے آزادی کا احساس گھٹ گیا تھا، وہ اس بری نوبت کو پہنچ چکے تھے کہ جو شخص بھی ان کو فقر و فاقہ سے نجات دلا سکے، خواہ کچھ ہی دنوں کے لیے سہی اور ان کو بدنظمی اور انتشار کے نتائج بد سے بچا سکے، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لیے تیار تھے۔

ان حالات میں یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے کہ عرب فاتحین ان دونوں ملکوں کے باشندوں کو اپنے مشکلات و مصائب سے نجات کا وسیلہ نظر آئے اور وہ اس کے لیے اپنا مذہب او اپنی زبان چھوڑنے تک آمادہ ہو گئے، کیوں کہ ان کے سامنے جو نمونہ (اسلامی تعلیمات یا اس کے عملی نمونے) پیش ہوا وہ ان کو بہت موزوں نظر آیا اور جس حد تک وہ اس سے واقف ہو چکے تھے اور آیندہ جس کی امید تھی، اس میں ان کو بہت کم اختلاف نظر آیا، اس لیے انہوں نے اپنے قومی مشخصات کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر لیا، اس کے علاوہ اگر جدید مذہب میں سادگی ہو، اس کے عقائد پیچیدگیوں اور مشتبہات سے خالی ہوں تو اس کی حیرت انگیز تاثیر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس کے علاوہ جس قوم کا اختر اقبال ترقی پر ہوتا ہے اس کا استقبال دوسرے لوگ فطرۃً بڑی مسرت اور گرم جوشی سے کرتے ہیں، اس کی تقلید کرتے ہیں، اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ چلنے میں ان کی بڑی امیدیں وابستہ ہو جاتی ہیں۔

مصر و شام کے ملک بیزنطینی حکومت سے گلوخلاصی چاہتے تھے اور ہرقل اور اس کی جماعت دینی مسائل اور مذہبی اختلافات میں مبتلا تھی، لوگوں کے دلوں سے اس کا اعتماد اٹھ گیا تھا، یہودیوں سے انتقام لینے کے بعد (اس کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے) راہبوں کے دل کو تو تسلی ہو گئی تھی لیکن ہرقل کی اس عہد شکنی کی وجہ سے خود اس کی قوم کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب اس کے اور ہرقل کے اغراض و مصالح میں تصادم ہوگا، یا جب وہ لوگ جنگ کے انسداد کے لیے خراج روک لیں گے تو ہرقل ان کے ساتھ بھی بدعہدی کرے گا، یہ سب کے سب حکومت کے مظالم اور مالی تاوانوں کی وجہ سے اس سے برگشتہ تھے مسلسل لڑائیوں اور بیرونی حملوں کی وجہ سے تھک گئے تھے اور کسی ایسی حکومت کے انتظار میں تھے جو ان کو اس مصیبت سے نجات دلا سکے، ایسی نوخیز

Marfat.com

حکومت عربوں کی تھی جو ان کی سرحد کے پار قائم ہوئی تھی اور ان کو نجات دلانے کے لیے اپنا مضبوط ہاتھ ان کی جانب بڑھا رہی تھی۔

لیکن اس ضعف کے باوجود جو ایرانی اور رومی حکومتوں پر طاری تھا ابھی چند صدیوں تک دنیا میں ان کا اثر و نفوذ قائم رہ سکتا تھا، کیوں کہ حکومت کی خرابیوں اور ان کے مذہبی اور تمدنی حکمرانوں میں عدم توازن کے باوجود ان میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں زندہ رہنے کی زیادہ صلاحیت تھی، اگر عرب ایک نئی ذہنیت اور حیرت انگیز قوت کے ساتھ جو ان کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے تھی، نہ اٹھے ہوتے تو مذکورۂ بالا خرابیاں چوں کہ ایران و روم کے علاوہ ان کی پڑوسی حکومتوں اور قوموں میں تھیں، اس لیے ایران و روم کو عربوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم زیر نہیں کرسکتی تھی۔

عرب سلاطین کی رواداری اور اسلام کی اشاعت: مسلمانوں کی فتوحات کے زمانہ اور اس کے بعد ان کی حکومت کے تعمیری دور میں جب عیسائی اور مجوسی عربوں کی رواداری کو دیکھتے تھے تو ان پر ان کا اعتماد اور بڑھ جاتا تھا اور وہ ان کی دعوت کی جانب زیادہ توجہ سے مائل ہوتے تھے اور ان کے طول بقا کی تمنا کرتے تھے، وہ دیکھتے تھے کہ قیام حکومت کے بعد بھی عرب کے ان مذہبی شعائر سے کوئی تعرض نہیں کرتے (۱) اور ان کے ساتھ ان کا طرز حکمرانی نہایت نرم اور لطف واحسان کا ہے، وہ جو عہد کرتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں، عہد شکنی نہیں کرتے۔ ان کے سامنے شام کے حاکم ابوعبیدہؓ کا یہ قول اور نمونہ بھی تھا کہ ''لوگو! میں قریش کا ایک معمولی آدمی ہوں اور تم میں سے بلا امتیاز رنگ و نسل جو شخص بھی تقوی میں مجھ پر فضیلت رکھتا ہے میں اس کی کھال بن جانا چاہتا ہوں'' انہوں نے دیکھا کہ عرب، یہود و نصاریٰ کی پوری حفاظت کرتے ہیں، ان کے معابدوں کا لحاظ رکھتے ہیں، ان کے گرجوں اور کنیسوں کی حفاظت کرتے ہیں، اگر ایک طرف عبدالملک نے ۱۰۴ھ میں مصر میں بتوں اور مجسموں کے توڑنے کا حکم دیا تو دوسری طرف موسیٰ بن عیسیٰ نے جو

(۱) ہنری ڈی کاسٹری کی کتاب کا عربی ترجمہ الاسلام خواطر وسوانح۔

Marfat.com

ہارون رشید کی جانب سے مصر کا والی تھا، ان کنیسوں کو دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی، جس کو علی بن سلیمان نے توڑ دیا تھا اور وہ لیث بن سعد اور عبداللہ بن لہیعہ جیسے علمائے امت کے مشورے سے دوبارہ تعمیر کیے گئے، انہوں نے کہا کہ یہ ملک کی آبادکاری ہے اور مصر کے سارے کنیسے اسلام اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں تعمیر ہوئے تھے۔

گذشتہ زمانے کے مسلمان حکمراں صرف اتنی احتیاط کرتے تھے اور اس کی نگرانی رکھتے تھے کہ دیر اور کنیسوں میں ان کی حکومت وسیاست کے خلاف کوئی سازش نہ ہونے پائے لیکن بطریقوں پر ان کا اتنا اعتماد تھا کہ وہ ان کے ہم مذہبوں کے اس قسم کے معاملات بھی ان کے متعلق کردیتے تھے، ذمیوں کے ساتھ ابتدائی معاہدہ کے زمانہ ہی سے یہودیوں کی عبادت گاہوں کے جملہ امور ومعاملات پر گفتگو کرنے کا دائمی حق ان کے رئیس کو حاصل تھا اور ملکانی عیسائیوں کے گرجوں کی نگرانی ان کے بطریق کے متعلق تھی، ان کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کی تحقیقات کرتے رہیں اور ان کے بارہ میں حکومت کو جو شکوک وشبہات پیدا ہوں ان کو دور کرتے رہیں اور دیر کے راہبوں کو مالی پھندوں میں پھنسنے سے ڈراتے رہیں، ان کو تنہائی میں عورتوں کے ساتھ ملنے جلنے سے روکیں اور کوئی مشتبہ نو وارد ان کے پاس نہ آنے پائے اگر اس قسم کی کسی بات کی اطلاع ملے تو اس کو حکومت سے نہ چھپائیں اور جب کسی بیرونی بادشاہ کی جانب سے کوئی خط آئے اور اس کا جو جواب دیا جائے تو اس کو مخفی نہ رکھا جائے، بحری راستہ کے مشتبہ کاموں سے بچا جائے، یعقوبی بطریقوں سے یہ شرط تھی کہ حبشہ کی حکومتوں کی جانب سے ان کے پاس جو خفیہ نامہ و پیام آتے ہیں ان میں پوری ان میں پوری احتیاط رکھیں (۱) اور ان سے بچتے رہیں، دیر وکنیسوں کے جملہ امور ومعاملات بطریق سے متعلق ہوتے تھے اور جب ان میں آپس میں کوئی نزاع ہوتی تھی تو بطریق کا قائم مقام وہی شخص ہوسکتا تھا جس پر حکومت کو اعتماد ہو، عرب فرمانرواؤں نے اپنے انتہائی عروج واقتدار کے

(۱) ان احتیاطوں کا سبب یہ تھا کہ عیسائی حکومتیں اسلامی ملکوں کے کلیسا اور ارباب کلیسا کے ذریعہ اسلامی حکومت کے خلاف سازشیں کیا کرتی تھیں۔ م

Marfat.com

زمانہ میں بھی رومانی کلیسا کو اسلامی ملکوں میں تبلیغ و اشاعت کے لیے مبلغین بھیجنے کی اجازت دی تھی، باوجودیکہ یہ کلیسا اسلامی حکومتوں کے مقابلہ میں ان حکومتوں کا زیادہ لحاظ کرتا تھا، مسلمانوں اور عیسائیوں میں باہم اتنا اتحاد پیدا ہو گیا تھا کہ عیسائی اپنے جماعتی اختلافات کا فیصلہ بھی اسلامی عدالتوں سے کراتے تھے، پوپ گریگوری ہفتم نے اپنے ہم مذہبوں کو اس پر بڑی ملامت کی تھی کہ وہ اپنے علما اور پیشواؤں کی موجودگی میں اپنے معاملات کا فیصلہ مسلمان عدالتوں سے کراتے ہیں۔

اندلس میں عربوں کے ابتدائی دور میں جب کسی فوجی مسلمان اور عیسائی میں کوئی تنازعہ ہوتا تھا تو مسلمان حکام عموماً عیسائی کے حق میں فیصلہ کرتے تھے(۱) اس سے فاتح اور مفتوح قوموں میں وطنی وحدت پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ اندلس کے اموی فرمانروا عبدالرحمٰن ثانی نے اسپین کے عیسائیوں کے اس تعصب کو دور کرنے کے لیے کہ ''عیسائی مبلغین اپنے خیال کے مطابق مذہب کی راہ میں شہادت حاصل کرنے کے لیے اسلام کی علانیہ توہین کرتے تھے، اشبیلیہ کے رئیس الاساقفہ کی صدارت میں عیسائیوں کے مقدس علما کی ایک کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ کیا تھا''۔

اس عظیم الشان رواداری اور صلح و آشتی کی وجہ سے جو مغلوب قوم کے ساتھ غالب قوم کے تمام اعمال میں نمایاں تھی، مجوسی گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے اور نصرانیت کمزور پڑ گئی اور شمالی افریقہ سے تو بالکل ختم ہو گئی، حالاں کہ عیسائیت کی طرح اسلام میں مبلغین کی ایسی جماعتیں نہ تھیں، جن کا کام ہی اس کے احکام و تعلیمات کی اشاعت ہو، اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب جاننے میں آج جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ حل ہو جائیں (یعنی اسلام کی اشاعت ان مبلغین کی کوششوں کا نتیجہ سمجھی جاتی) عیسائیوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا اتنا اہتمام تھا کہ شارلیمان لڑائیوں میں ہمیشہ عیسائی علما و مشائخ کی جماعت ساتھ لے جاتا تھا، تاکہ ان خونخوار فوجوں کے ذریعہ جو قوموں کو تباہ کر ڈالتی تھیں...... ملکوں کو فتح کرنے کے بعد مبلغین کی جماعت دلوں کو فتح کرے، اس کے مقابلہ میں اسلام میں کوئی مخصوص دینی جماعت، کوئی مذہبی

---

(۱) عجائبات یورپ از مصنف۔

Marfat.com

پیغامبر اور کوئی عالم خاص اس غرض سے اسلامی فوج کے ساتھ نہیں جاتا تھا اور حصول فتح کے بعد راہبوں کا دورنہ چلتا تھا، چنانچہ اسلام میں کسی شخص کو تلوار یا زبان کے زور سے مسلمان نہیں بنایا گیا، بلکہ وہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے رضا و رغبت کے ساتھ دلوں میں گھر کر لیتا تھا اور یہ نتیجہ تھا قرآن مجید کی اثر آفرینی اور دلوں میں اس کے اتر جانے کا، ڈی کاسٹری کا بیان ہے کہ ”جن لوگوں نے دلی میلان اور اخلاص و صدق دل سے اسلام قبول کیا ان کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم ہے جو اپنے اغراض و فوائد کے لیے مسلمان ہوئے“۔

اس کے مقابلہ میں جب غیر مسلم سلاطین کوئی ملک فتح کرتے تھے تو فاتح قوموں کے عقب سے مذہبی مبلغین کی فوجیں بھیجتے تھے جو مفتوحوں کے گھروں میں گھس کر ان کے مجمعوں میں جا کر ان کو فاتح دین قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے اور ان کی دلیل صرف غلبہ اور قوت ہوتی تھی لیکن کسی مسلمان فاتح نے ایسا نہیں کیا، اسلامی فتوحات کی تاریخ میں مبلغوں کی کوئی مخصوص جماعت نہ تھی، جس کا کام ہی تبلیغ رہا ہو اور جس نے تبلیغ کو اپنا فرض و مقصد بنا لیا ہو اور اپنی ساری کوششیں غیر مسلموں میں اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے وقف کر دی ہوں (۱) بلکہ مسلمان اپنے دشمنوں سے اختلاط، میل جول اور معاملات میں ان کے ساتھ حسن عمل کو تبلیغ کے لیے کافی سمجھتے تھے (یعنی وہ اسلام کا عملی نمونہ پیش کرتے تھے جس سے متاثر ہو کر غیر مسلم اسلام قبول کرتے تھے) دنیا اس کی شاہد ہے کہ مسلمان جن قوموں کو مغلوب کرتے تھے ان کے ساتھ حسن سلوک کو فضل و احسان تصور کرتے تھے، اس کے برخلاف اہل یورپ اس کو کمزوری شمار کرتے ہیں۔

اسلام نے تمام بھاری ٹیکس یک قلم بند کر دیے، چھینا ہوا مال ان کے مالکوں اور غصب شدہ حقوق ان کے مستحقین کو واپس دلائے، حقوق کے فیصلہ میں مسلم اور غیر مسلم میں مساوات قائم

(۱) مصنف کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں عیسائی مشنری کی طرح ان کا کوئی باقاعدہ اور مرتب تبلیغی نظام نہیں تھا اور نہ اس کام کے لیے کوئی مخصوص جماعت تھی، جس کا مقصد صرف تبلیغ رہا ہو اور اس نے اپنے کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا ہو، ورنہ یوں تو ہر مسلمان مبلغ ہے اور اس پر اپنے مذہب کی تبلیغ فرض ہے۔ ’م‘

Marfat.com

کی مسلمان ایک زمانہ میں غیر مسلموں کے تبدیل مذہب میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ جو شخص اسلام قبول کرنا چاہتا تھا اس کو قاضی کے سامنے جا کر اس کا اقرار کرنا پڑتا تھا کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ اور دنیاوی طمع کے رضا و رغبت سے اسلام قبول کرتا ہے، مسلمان خلفا، وسلاطین نے ہر زمانہ میں اس کا پتہ چلا کر کہ ان کے محکوم اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کن کن کاموں میں مہارت رکھتے ہیں، ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا اور وہ لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، حتی کہ بعض اہل کتاب اندلس میں فوجوں کے سپہ سالار تک بنائے گئے اور مسلمانوں کی مذہبی رواداری کا شہرہ سن کر یہودی یورپ کے دوسرے ملکوں سے بھاگ بھاگ کر اندلس میں آ کر آباد ہو گئے۔

یہ تھا ان لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک جن کو وہ اپنے تلوار کے سایۂ عاطفت میں لائے تھے، انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کوئی مخصوص اہتمام نہیں کیا (۱) اور نہ لوگوں کو جبر وقوت سے اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا، جزیہ کی تعداد اتنی تھی کہ جس پر وہ لگایا جاتا تھا اس پر اس کی ادائے گی گراں نہ ہوتی تھی، مسلمانوں کا یہی وہ طرز عمل تھا جس کی بنا پر مختلف اہل مذاہب اسلام کی جانب مائل ہو گئے اور اس کو اپنے مذہب کے مقابلہ میں حق یقین کر کے اس میں جوق در جوق داخل ہونے لگے اور اس کی خدمت کی راہ میں اتنا ایثار کیا جو خود عربوں سے بھی نہ ہو سکا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کا طرز عمل اور عیسائیوں پر ان کی خاص توجہ: اس رواداری کی دوسری بلکہ سب سے پہلی مثال یہ ہے کہ غزوۂ خیبر میں دوسرے مال غنیمت کے ساتھ

(۱) علماء محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے خطوں میں مسلمان تاجروں کے ذریعہ اسلام کی اشاعت ہوئی، ان دونوں براعظموں میں ان مذاہب کے مقابلہ میں جن کی تبلیغ کے لیے وہاں منظم اور دولت مند تبلیغی جماعتیں موجود تھیں جن کی امداد و سرپرستی بڑی بڑی حکومتیں کرتی تھیں، اسلام قبول کرنے کی جانب زیادہ مائل تھے، افریقہ میں مختلف پچاس عیسائی قوموں کے سیکڑوں کیتھلک مبلغین موجود تھے جن کی تفصیل یہ ہے ۱۳۲ جرمن، ۱۰، امریکن، ۱۹۹ انگریزی، ۱۲ آسٹیرین، ۳۸۵ بلجیم، ۵ کناڈین، ۱۸۳ اسپینی، ۹۴ فرانسیسی، ۲۰۹ ہالینڈی، ۱۲۱۵ اطالوی، ۷۴۳ پرتگالی، پروٹسٹنٹ کی تعداد ان کے علاوہ ہے، ملاحظہ ہو رسالہ لاروس ۱۹۳۳ء۔

Marfat.com

توراۃ کے چند نسخے بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے، جب یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے ان کو مانگا تو آپ نے دلوادیا، آپ کے اس طرز عمل کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا اور ان کے دل میں آپ کی بڑی وقعت پیدا ہوگئی اور اس احسان کو انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے مذہبی صحیفوں سے کوئی تعرض نہیں فرمایا، اس کے مقابلہ میں ان کو رومن کا یہ طرز عمل بھی یاد تھا کہ ۷۰ ھ ب م میں جب وہ یروشلم پر قابض ہوئے تھے تو کتب مقدسہ کو پیروں سے روندا تھا اور آگ میں جلادیا تھا اور جب متعصب عیسائیوں نے اندلس میں یہودیوں کو تباہ کرنے کے لیے خونریز لڑائیاں کیں تو توراۃ کے نسخوں کو بھی جلادیا تھا، ان فاتحوں اور رسول رحمتؐ کے درمیان کتنا عظیم الشان فرق تھا، حجاز کے یہودیوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا وہ خود ان کے اعمال کا نتیجہ تھا، اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کرتے تو وہ بھی ان کو تکلیف نہ پہنچاتے اور ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرتے جو انہوں نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا، ان سے رسول اللہ ﷺ نے ۱۰ ھ میں اس شرط پر صلح کی تھی کہ ''وہ فے اور پیداوار کا آدھا اور دسواں حصہ دیا کریں گے''، صلح نامہ میں یہ بھی تھا کہ ''اسقف اور راہب کے عہدوں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا'' ایک شرط یہ بھی تھی کہ ''وہ سود نہ لیں گے'' چنانچہ جب تک عیسائی اس عہد پر قائم رہے اس وقت تک ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا اور وہ سکون واطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے، پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انہوں نے سودخواری شروع کردی تو آپ نے ان کو جلاوطن کردیا لیکن اس وقت بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ ان کی متروکہ زمینوں کی پوری قیمت ادا کردی اور شام وعراق کے باشندوں کو جہاں وہ جلاوطن کیے گئے تھے، ہدایت لکھ بھیجی کہ وہ ان کو کھیتی کے لیے زمین دیں اور جس زمین کو وہ آباد کرلیں گے وہ ان کی متروکہ زمین کے بدلہ میں ان کی مملوکہ ہوجائے گی (۱) بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ نجران کے عیسائیوں کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی، اس لیے ان میں خود پھوٹ

(۱) یمن کی زمین کی تو پوری قیمت حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو دے دی تھی، یہ مزید احسان تھا کہ ان کی آباد کردہ زمینوں کا بھی ان کو مالک بنادیا۔ 'م'

Marfat.com

پڑ گئی اور وہ آپس میں رشک وحسد کرنے لگے اور انہوں نے خود خواہش کی کہ انہیں نجران سے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، حضرت عمرؓ نے فارس اور روم کے دلوں میں دیبا و حریر کے فرش وفروش، جواہرات کے مرصع پیالوں، نشان لگے ہوئے گھوڑوں، سونے سے منڈھی ہوئی کمانوں اور سر بفلک عمارتوں سے نہیں رعب بٹھایا تھا بلکہ اپنے عدل وانصاف سے رعب قائم کیا تھا اور ان کے سرکش اور متکبر لوگوں کو حکمت بالغہ سے خاموش کیا، وہ حکمت بالغہ سید الحکما کی شریعت تھی، ابوعبیدہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ''جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کو نکال دوں گا اور مسلمانوں کے علاوہ اس میں کسی کو نہ رہنے دوں گا''، اس کے باوجود آپ نے نجران کے عیسائیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی، اس لیے کہ انہوں نے فی الجملہ عہد کی پابندی کی تھی اور امت قائمہ ومسلمانوں کے دین کا مذاق نہیں اڑایا تھا اور اہل کتاب میں سب سے پہلے جزیہ ادا کیا تھا، کلام مجید میں عیسائیوں کے بارے میں ارشاد ہے:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (مائدہ)	تمام آدمیوں میں سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے مسلمانوں سے آپ ان یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے والے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاری کہتے ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تاریک الدنیا درویش ہیں اور اس سبب سے یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

اس لیے کہ اعتماد کا بدلہ اعتماد ہے، خود قرآن مجید میں ہے کہ ''احسان کا بدلہ احسان ہے'' صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سب سے زیادہ اعتماد ان لوگوں پر کیا جو کل تک آپ کے

Marfat.com

دشمن تھے، مثلاً ابوسفیان، عمرو بن العاص اور خالد بن ولید وغیرہ لیکن جب ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو اسلام نے ان کی پہلی باتوں کو بالکل ختم کردیا اور پرانے بغض اور کینوں کو بھلا دیا اور یہ لوگ اسلامی حکومت کے معزز ارکان بن گئے، جن سے مہمات امور میں رائے لی جاتی تھی اور بڑے بڑے کام ان کے سپرد کیے جاتے تھے، ایسی حالت میں ان میں بہترین خلفا، فوجی افسر اور امرا کیوں نہ پیدا ہوتے، خلفا نے تو ان غیر عرب لوگوں تک پر اعتماد کیا، جنھوں نے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتے ہوئے خلفا کی اطاعت قبول کرلی تھی، اس کی ابتدا امیر معاویہ نے کی اور شام کے بعض عیسائیوں کو بیت المال اور دفتری خدمات پر مامور کیا، حضرت عمر کا ایک غلام عیسائی تھا جس کا نام آسک تھا آپ نے اس کو مسلمانوں کی بعض خدمات پر مامور کرنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ وہ اسلام قبول کرلے کیوں کہ خاص مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم سے مدد لینا مناسب نہیں ہے، مگر اس نے انکار کیا، اس کے انکار پر آپ نے اس کو آزاد کردیا اور فرمایا جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ۔

خلفا اور امرا نے دوسری صدی ہی سے صابئی، عیسائی اور یہودی عمال پر اعتماد کرنا شروع کردیا تھا اور بغداد اور اندلس میں بہت سے نصاریٰ کو اسلامی فوج کی قیادت سپرد کی گئی، اس پر علی بن عیسیٰ نے عباسی وزیر حسن بن فرات پر اعتراض کیا اور کہا تم کو ایک نصرانی کو مسلمان فوجوں کی قیادت سپرد کرنے میں خدا کا خوف نہیں، کیوں کہ ان کے ہاتھوں کو دین کے انصار اور ملک کے محافظ تک بوسہ دیتے ہیں، ابن فرات نے جواب دیا کہ میں نے اس کی ابتدا اور نئی بات نہیں کی، مجھ سے پہلے مستنصر باللہ اپنے نصرانی کاتب اسرائیل کو اور معتضد باللہ امیر بدر کے عیسائی کاتب مالک بن ولید کو فوج کا قائد بنا چکا ہے" علی بن عیسیٰ نے کہا، انہوں نے بھی صحیح نہیں کیا تھا، ابن فرات نے جواب دیا، گو انہوں نے تمہارے نزدیک غلطی کی ہو لیکن میرے لیے ان دونوں کی مثال کافی ہے، ابن فرات کی دوسری وزارت کے زمانہ میں اس کا دستور تھا کہ وہ روزانہ علما وفضلا کی ایک جماعت کو کھانے پر مدعو کرتا تھا اور ان کو اپنے پہلو میں اور سامنے بٹھاتا تھا، ان میں ابوبشر

Marfat.com

عبداللہ ابن فرخان، ابو منصور عبداللہ بن جبیر اور ابو عمرو سعید بن فرخان وغیرہ عیسائی فضلا بھی ہوتے تھے، ایک مستشرق عالم گاسٹن دیاٹ نے لکھا ہے کہ ۹۷۵ء۔۳۶۵ھ میں خلیفہ نے نصاریٰ اور مسلمانوں میں مساوات برتنے کے لیے ایک فرمان جاری کیا تھا، یہ رواداری کا وہ نمونہ ہے جس پر یورپ صدیوں کے بعد عمل کر سکا۔ (البلاغ مصر ذلحجہ ۱۳۵۱ھ)

تاریخ اسپین کا مشہور ''سید'' ایک نصرانی تھا جس نے ''خواتین'' کی خدمت کی تھی، اندلس اور اسپین میں اس کی سیکڑوں مثالیں ہیں کہ غیر مسلموں سے حکومت کی خدمت لی جاتی تھی اور وہ اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کرتے تھے، نہ ان پر کوئی نکیر کرتا تھا اور نہ ان لوگوں پر جوان کو مقرب بناتے تھے، اسی قسم کے اعتماد سے دوسروں میں اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

یہ طرز عمل اس حکومت کے لیے کتنا عجیب ہے جس میں دین و مذہب کو سب سے پہلا درجہ حاصل تھا، یہ امر بھی کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے کہ عرب آسمانی دین رکھنے والے ذمیوں کو اپنا معتمد علیہ بناتے تھے، یہ طرز عمل مسلمانوں کا دوسری قوموں اور مذاہب کے ساتھ بھی تھا، چنانچہ انہوں نے ہندوستان کے بت پرستوں اور ایران کے آتش پرستوں کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی نہیں کی، جب انہوں نے ہندوؤں کے مقدس شہر بنارس کو جس کی آبادی کا بڑا حصہ برہمنوں پر مشتمل تھا، فتح کیا تو ان کے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا اور ان کے مذہبی شعائر کا پورا لحاظ رکھا (۱) مسلمانوں کی اسی حسن سیاست کا نتیجہ تھا کہ ان کی حکومت اسپین و پرتگال کے دریائے تاجہ سے لے کر گنگا تک پھیلی ہوئی تھی اور حاکم و محکوم، مختلف مذہبوں اور اقلیت و اکثریت کے درمیان پورا اتحاد و اتفاق تھا اور یہ تعجب انگیز امر ہے کہ اقلیت کو کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کہ کوئی دوسری قوت اس کی حفاظت اور اس کے مصالح کی رعایت کرتی، کیوں کہ عربوں کی عدل پرور اور منصف حکومت ان سب کی محافظ و نگہبان تھی۔

---

(۱) مصنف کو چوں کہ ہندوستان کی تاریخ سے زیادہ واقفیت نہیں ہے اس لیے انہوں نے صرف ایک بنارس کی مثال دی ہے ورنہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ ان کی رواداری کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ احسان وسلوک سے پیش آتا ہے تو وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، مشرق میں ایران کی اور مغرب میں رومیوں کی عربوں جیسی کوئی با اقتدار حکومت نہیں تھی، لوگ اپنی حفاظت کے لیے جس کی پناہ میں جاسکیں اور اس کے زیر سایہ عربوں کی حکومت سے زیادہ بہتر زندگی بسر کرسکیں۔

Marfat.com

دسواں باب

یورپ میں عربوں کے علوم کے اثرات

عربی تمدن کے بارہ میں یورپ کے منصف مزاجوں اور شعوبیوں کے خیالات: یورپ کے بعض اہل قلم اب تک عربوں کی تمدنی خدمات کو گھٹا کر دکھانا چاہتے ہیں ان میں سے بعض کا گمان ہے کہ عربوں نے قدیم قوموں کے علوم کو تحریف کے ساتھ نقل کیا ہے، بعض کا دعویٰ ہے کہ عربوں کی پیدا کردہ تہذیب زیادہ قابل اعتنا نہیں ہے اور صرف یونان و روما ہی اہل مغرب کے استاد تھے، عربوں کو ان پر کسی چیز میں بھی فضیلت حاصل نہیں ہے، بعض عربی تہذیب کے اثرات کی وسعت کو گھٹا کر دکھانا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عربوں نے ان علوم میں جن میں غور وفکر کی ضرورت نہیں پڑتی، مثلاً تاریخ وجغرافیہ وغیرہ میں مہارت پیدا کی اور ان کو ترقی دی اور ان کو سریانی کتابوں میں جو مواد مل گیا، اس کو انہوں نے لے لیا، مگر تنقید اور چھان بین کی جانب توجہ نہیں کی، وہ اپنے دل و دماغ سے کوئی چیز پیدا نہ کر سکے، صرف دوسروں کی نقل وتقلید کرتے رہے اور ان کی بھی اصل شکل وصورت بگاڑ دی، وہ افسانوی اور ڈرامائی شاعری سے بالکل ناواقف تھے، کیوں کہ اس میں اختراعی صلاحیت کی ضرورت ہے جو ان میں موجود نہیں تھی اور اسلام نے جو عربی عقل وذہن کا خلاصہ اور عطر ہے فکر ونظر کی قوت کو بالکل مفلوج کر دیا۔(۱)

یہ عرب کے ان فرنگی دشمنوں کے خیالات ہیں جو ان کے مرتبہ سے ناواقف ان کے

(۱) سرویر کی کتاب اسلام اور مسلمان۔

Marfat.com

تمدن کا درجہ گھٹانا چاہتے ہیں لیکن ان میں بعض منصف مزاج بھی ہیں، چنانچہ ڈریپر لکھتا ہے کہ ''یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ یورپین ادب یہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق ہمارے جو علمی فرائض ہیں ان کو ہم بھلا دیں لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کو پہچانیں اور یہ ناانصافی جو مذہبی عناد اور قومی جہالت و وحشت پر مبنی ہے ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی'' (۱) تاریخ عالم میں ہے کہ ''جب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہر قوم کے کارناموں کا ذکر کریں تو پھر کسی منصف مزاج کے لیے اس کی گنجایش نہیں رہ جاتی کہ وہ عربوں کے کارناموں کا انکار کرے جو دوسری قوموں کے کارناموں سے زیادہ ہیں، انہوں نے افریقہ، ایشیا اور لاتینی یورپ کی جاہل قوموں میں صرف مشرق قریب اور مشرق بعید کی صنعتوں اور ایجادات واختراعات ہی کو نہیں پہنچایا بلکہ ہر ملک وقوم کے پراگندہ مواد کو چن کر ان سے بہترین طریقہ سے کام لیا اور یہ مختلف مواد آپس میں مل جل کر ایک قالب میں ڈھل گئے جس سے عربوں نے ایک زندہ تہذیب پیدا کی جن پر ان کے مذاق اور فطرت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے، اس میں ایک خاص قسم کی وحدت اور بہت عمدہ صفات تھیں۔ (۲)

یہ عربوں کی تہذیب کے بارہ میں بعض منصف مزاج اہل مغرب کے اقوال کے چند نمونے ہیں، اس قسم کی رائیں اور لوگوں کی بھی ہیں، مگر یہ شعوبی (سرویر) محض اس لیے عربوں کو فضیلت دینا نہیں چاہتا کہ انہوں نے تاریخ اور جغرافیہ کی جانب زیادہ توجہ کی جن کے لیے اس کے زعم میں کسی غور وفکر کی ضرورت نہیں، حالاں کہ اس کے بہت سے پیشرو علمائے مشرقیات جنہوں نے عربوں کی کتابوں کے ذریعہ ان کی تہذیب کو سمجھا ہے وہ ان کتابوں کو بہت پسند کرتے تھے اور مقدسی، ابن حوقل، یاقوت، مسعودی، طبری، ابن اثیر، ادریسی، ابن خرداذبہ، بلاذری، یعقوبی، خوارزمی، ابن الفقیہ، ابن رستہ، ابن فضلان، قدامہ، بلخی، بیرونی، بکری، شیخ الربوہ، ابوالفدا، ابن جبیر، ابن سعید، ابن سعد، ابن فضل اللہ، ابن ابی اصیبعہ، ابن القفطی، ابن خلکان، صفدی، ابن الخطیب، ابن بسام، ابن عساکر، ابن طباطبا اور ابن بشکوال وغیرہ سیکڑوں علما کے کاموں کو جنہوں

(۱) یورپ میں عقلی علوم کا ارتقاء ڈریپر۔ (۲) لاملنس اور رامبو کی کتاب تاریخ عام۔

Marfat.com

نے ان دونوں فنون (تاریخ وجغرافیہ) پر لکھا ہے بڑی اہمیت دیتے تھے، ان سب کی کتابیں موجود ہیں، البتہ ان کے پڑھنے والوں کی ضرورت ہے، اہل یورپ نے ان سے بڑے فوائد حاصل کیے اور ہر موقع پر ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے(۱) آج تک یورپ کی کسی قوم نے بھی تاریخ میں فلسفۂ تاریخ اور علم الاجتماع کے موجد ابن خلدون کے درجہ کی باتیں پیدا نہیں کیں۔

جوٹیہ کا بیان ہے کہ ''شریف ادریسی فن جغرافیہ کا استاد تھا، جس نے یورپ کو یہ فن سکھایا، بطلیموس نہیں تھا، وہ تین صدیوں تک اس فن کا معلم رہا جب یورپ میں ادریسی کے نقشہ کے سواد نیا کا اور کوئی نقشہ موجود نہیں تھا، یہ نقشہ اس فن میں عربوں کے علم کا خلاصہ اور ان غلطیوں سے پاک ہے جو بطلیموس نے کی تھیں، اگر یہ سوال کیا جائے کہ براعظم افریقہ کے گرد سب سے پہلے کس نے چکر لگایا امریکہ کو کس نے دریافت کا تو بلا تکلف جواب دیا جائے گا کہ واسکوڈی گاما اور کولمبس نے لیکن یہ دونوں اکتشافات جو اپنے پہلے کے تمام جغرافی اکتشافات پر فوقیت رکھتے ہیں، عرب جہاز رانوں کی وجہ سے تکمیل کو پہنچے، کیوں کہ جغرافیہ میں عربوں کی ترقی کے بغیر ان دونوں کی تحقیق وانکشاف دشوار تھا، اس لیے درحقیقت یہ دونوں عظیم الشان اکتشافات عربوں کی عقل اور ان کے فراہم کیے ہوئے معلومات ومواد اور ان کے اشخاص کے ذریعہ عیسائی حکومت کے ماتحت حاصل ہوئے۔

وہ فنون جن کی جانب عربوں نے زیادہ توجہ کی: بلاشبہ افسانوی اور ڈرامائی شاعری کی جانب عربوں نے توجہ نہیں کی، کیوں کہ وہ بدیہہ گو تھے اور اپنے علاوہ دوسروں کے حالات پر نظر نہیں ڈالتے تھے، دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ باتوں میں انتہائی اختصار کے عادی تھے اور افسانوی شاعری طوالت اور تخئیل کی طالب ہے، تیسرا سبب یہ تھا کہ ان کے ملک وسرزمین کی خاصیت ان کے مذہب کی سادگی اور عقیدۂ توحید نے پارینہ قصص وافسانوں کو حرام قرار دیا تھا جو افسانوی شاعری کا سب سے بڑا عنصر ہیں لیکن عربی شاعری فخر، حماسہ، مدح، ہجو، مرثیہ، عتاب، غزل، وصف نگاری، اعتذار اور حکمت کے اصناف سے معمور ومزین ہے، مگر اس وسعت اور تنوع کے

(۱) عربوں کا جغرافی اور تاریخ ادب از گوئیڈے۔

Marfat.com

باوجود ایسی طویل رزمیہ داستانوں سے خالی ہے جو قومی مفاخر کی شہرت اور بہادروں کے بقائے دوام کے لیے لکھی گئی ہیں، مثلاً یونان کی الیڈ رومن کی انبیاڈ، ہندوؤں کی مہابھارت اور ایرانیوں کا شاہنامہ وغیرہ۔

عربوں نے ان خیالی فنون کے بجائے ان علوم کی جانب زیادہ توجہ کی جو ان کی سوسائٹی کے لیے افسانوی اور ڈرامائی شاعری سے زیادہ مفید اور کارآمد تھے، مثلاً انہوں نے ہیئت اور فلکیات کی طرف زیادہ توجہ کی، ڈلامبر لکھتا ہے کہ ''ہم کورومیوں میں افلاک کے صرف دو یا تین راصد ملتے ہیں اور عربوں میں ان کی بڑی تعداد تھی جو فلکیات میں ان کے غور وفکر کی وسعت کا ثبوت ہے'' بیکورڈین لکھتا ہے کہ ''عربوں میں علم الفلک کو یہ درجہ اس لیے حاصل ہوا کہ ان میں ریاضی اور حساب کے بہت سے ماہرین تھے اور مثلثات کے حساب کی بنیاد انہوں نے ایجاد کی تھی، ان کے پاس ایسے آلات تھے جس کے ذریعہ انہوں نے کرۂ زمین کے محیط کے طول کی تحقیق کر لی تھی اور قطب کے ارتفاع اور پورے کرۂ ارض کے دور کو جو خشکی اور تری پر محیط ہے معلوم کر لیا تھا، بحر متوسط کے طول کی بھی تحقیقات کر لی تھی، بطلیموس کے اندازہ کے مطابق اس کا طول جب ۱۲ درجہ تھا، عربوں نے پہلے ۵۴ پھر ۴۶ قرار دیا جو موجودہ تحقیقات کے قریب قریب ہے۔

مامون نے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے حکما کو جمع کر کے ان سے پورے عالم کا ایک نقشہ بنوایا تھا جو اس کے نام کی نسبت سے ''الصورۃ المامونیہ'' کہلاتا تھا، اس میں تمام افلاک مع کواکب، خشکی و تری کے خطے، ویرانوں اور قوموں کے بود و باش کے علاقے اور بڑے بڑے شہر دکھائے گئے تھے، یہ نقشہ اپنے پہلے کے بطلیموس اور مارتیوس کے جغرافیوں سے بہتر تھا، اس کے علاوہ زمین کے نقشہ نگار علما کی ایک جماعت نے جس میں عراق کے ستر فلفسی تھے، جغرافیہ پر اس کے لیے ایک کتاب لکھی تھی، اس کی تالیف میں دولت عباسیہ کے ماتحت ملکوں اور قوموں کے حالات اور ان سے متعلق معلومات فراہم کرنے میں عباسی حکام نے بھی مدد کی تھی، یہ فلکیات سے مامون کی دلچسپی اور شغف کا حال تھا، عربوں میں اس کے درباری ماہر فلکیات فزاری نے سب سے

Marfat.com

پہلے اسطرلاب کا استعمال کیا اور عربوں نے بغداد، رقہ، دمشق، قاہرہ، سمرقند، قرطبہ اور فارس میں رصد گاہیں قائم کیں اور بطلیموس کی مجسطی کے ذریعہ افلاک کی ترصید کی اور فلکیات کے نہایت دقیق نقشے بنائے۔

اہل یورپ کی تحقیقات سے بہت پہلے عربوں نے تیل کا منبع معلوم کرلیا تھا(۱) اوران کے دماغ میں یہ بھی تھا کہ زمین کے بعض حصوں کا ابھی تک پتہ نہیں چلا ہے اور ایک عالم نے تو کولمبس سے ڈیڑھ صدی پہلے یہ خیال تک ظاہر کردیا تھا کہ ''یہ ممکن نہیں ہے کہ کرۂ زمین کے جس رخ پر ہم آباد ہیں اوراس کا جو حصہ پانی سے کھلا ہوا ہے اسی طریقہ سے اس کے دوسرے رخ کا کوئی حصہ بھی پانی سے کھلا ہوا ہو اور جب پانی سے کھلا ہوگا تو اس میں ہماری زمین کے جیسے یا اس سے مختلف قسم کے حیوانات، نباتات اور معدنیات بھی ہو سکتے ہیں''(۲) اندھوں کے پڑھنے کے ابھرے ہوئے حروف کی ابتدائی شکل بھی عربوں نے ایجاد کی تھی، ایک عالم علی بن احمد بن یوسف المعروف بہ زین الدین آمدی المتوفی ۷۱۲ھ ابتدائی عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اسی حالت میں انہوں نے تعلیم حاصل کی، جب وہ اپنے کتب خانے کے لیے کوئی کتاب خریدتے تھے تو کاغذ کا ورق کسی خاص حرف کی شکل میں موڑ کر کتاب میں چپکا دیتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تھی تو اسی سے وہ کتاب کی قیمت کا پتہ چلا لیتے تھے، نابینا مسلمان علما کتابیں تصنیف کرتے تھے، مثلاً لغت کی مشہور کتاب مخصص اور محکم کے مصنف ابن سیدہ ان کے علاوہ اور بہت سے نابینا مصنفین تھے، صفدی نے ان کے حالات میں ایک مستقل رسالہ نکت الہمیان فی نکت العمیان لکھا ہے(۳) نابینا طبیب بھی تھے ان سے مریض کا حال بیان کرایا جاتا تھا، وہ اس بیان پر دوا تجویز کردیتے تھے، ابن الحفاظ اندلسی اسی قسم کے نابینا طبیب تھے۔(۴)

اسی طرح اہل یورپ سے پہلے عربوں کو ہوا میں پرواز کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ

---

(۱) مسالک الابصار فضل اللہ عمری۔(۲) مقالات احمد تیموریہ واحمد زکی۔(۳) یہ رسالہ اب چھپ گیا ہے۔ ؎
(۴) رسالہ المقتبس۔

Marfat.com

سب سے پہلے عباس بن فرناس اندلسی نے اس کی کوشش کی، اسی نے سب سے پہلے پتھر سے شیشہ بنانے کی صنعت ایجاد کی اور موسیقی کو مرتب کیا اور سایہ کی مدد کے بغیر وقت معلوم کرنے کے لیے ایک آلہ ایجاد کیا جو منقال کہلاتا تھا، اس نے اپنے گھر میں آسمان کا ایک ایسا مرقع بنایا تھا جس میں تارے، بادل اور بجلی وغیرہ اس طرح دکھائے تھے کہ دیکھنے والوں کو اصل کا دھوکا ہوتا تھا ابن خاتمہ کے ایک رسالہ سے جو وبا پر (۱) لکھا گیا ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ اہل اندلس کو ایک حد تک جراثیم کا بھی علم ہو گیا تھا اور وہ بیماریوں میں ایسی ہی احتیاطیں کرتے تھے جیسی اس زمانہ میں کی جاتی ہیں، مرض النوم سے بھی وہ واقف تھے اور اس کا نام انہوں نے ''الزام'' رکھا تھا اور اس کے اسباب وعوارض کی تشریح کی تھی، طباعت سے وہ سب سے پہلے واقف ہوئے، ابوبکر قدسی اندلسی نے ایک کتاب مختلف چیزوں کے خواص اور روشنائی سازی اور طباعت کے آلات پر لکھی تھی جو اس موضوع پر ایک نادر کتاب ہے (۲) ناصر کا ایک وزیر عبدالرحمٰن بن بدر جو چوتھی صدی میں ایک صوبے کا خود مختار حاکم تھا جو احکام لکھتا تھا وہ چھاپے جاتے تھے اور اس کی مطبوعہ کاپیاں عمال کے پاس بھیجی جاتی تھیں اور وہ اس کی جانب سے نافذ کرتے تھے، یعنی ٹائپ کے موجد جوٹنبرگ سے چار سو سال پہلے اہل اندلس طباعت سے واقف ہو چکے تھے، اگر اس کا سلسلہ جاری رہتا تو وہ اس فن کو کمال تک پہنچا دیتے اور دنیا پر عربی تمدن کا احسان اور زیادہ بڑھ جاتا اور کم از کم مختلف علوم وفنون میں عربوں کی قدیم تصانیف کا بڑا حصہ جو اندلس اور بغداد کے کتاب خانوں میں تھا بربادی سے بچ جاتا۔

جوٹیہ کا بیان ہے کہ ''عربوں نے جو ایجادات کیں وہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت قیمتی تھیں، انہوں نے برف بنانے کا طریقہ معلوم کر لیا تھا، جس سے یورپ کو سولہویں صدی کے نصف اول میں واقفیت ہوئی، عربوں نے روئی سے بنایا ہوا سستا کاغذ یورپ پہنچایا، اس سے پہلے

(۱) میں نے وبا کے بارہ میں ابن خاتمہ کی رائے پر ایک مضمون لکھا ہے اس میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے، یہ مضمون المقتطف ج ۲۸ میں شائع ہوا ہے۔

(۲) الاحاطہ فی اخبار غرناطہ لسان الدین الخطیب۔

Marfat.com

وہ لوگ ''بردی'' پر لکھتے تھے جو بہت گراں ہوتا تھا، جس زمانہ میں مشرقی یورپ مشرق قریب کے ملکوں سے کاغذ خریدتا تھا جیسا کہ دمشق کاغذ کے یورپین نام ''شادتادامانیسا'' سے ظاہر ہوتا ہے اس زمانہ میں شاطبہ (اندلس) کے کاغذ سازی کے کارخانے مغربی یورپ کو کاغذ سپلائی کرتے تھے، سب سے پہلے ۵۶۰ء میں سمرقند و بخارا میں ریشم سے کاغذ بنایا گیا، اس کے بعد ۷۰۶ء میں یوسف بن عمرو نے ریشم کے بجائے روئی سے بنانا شروع کیا، دمشقی کاغذ بھی روئی کا ہوتا تھا اس کا یونانیوں نے ذکر کیا ہے۔

جوٹیہ کا بیان ہے کہ ''عربوں نے ہم کو فن کتابت، بارود سازی اور قطب نما بنانے کی صنعتیں سکھائیں، اگر ہماری پشت پر عربی تہذیب کی یہ یادگاریں جو ہم تک پہنچیں نہ ہوتیں تو آج ہماری ترقی کا یہ درجہ نہ ہوتا، عرب آلۃ الظل (سایہ سے وقت کی شناخت کا آلہ) اور مدور اور پہل دار آتشی شیشہ کے اصول سے بھی واقف تھے، آلات سازی میں بھی انہوں نے خاصی ترقی کی تھی، چنانچہ ہارون رشید نے جب ایک بڑی گھڑی شارلیمان کو بھیجی تو سیڈیلیو کے بیان کے مطابق اس کے اہل دربار اس کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے اور اس کے کل پرزوں کی ترکیب کو نہ پہچان سکے (۱) عباسیوں کے زمانہ میں فن زراعت و باغبانی کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور عربوں نے اپنی مہارت فن سے ایران کے پھلوں اور ماژندران کے پھولوں کے خواص ظاہر کیے اور مختلف علوم وفنون خصوصاً فن نباتات کو نئے نئے معلومات و مسائل سے معمور کر دیا اور مشروبات، روغنیات، مرہم، الکحل، لعوق سناء مکی، راوند، خیار شنبر اور جواز القی وغیرہ بہت سی دواؤں کا پتہ چلایا، صرع کی مختلف قسموں کے علاج میں وہ فتیلہ اور بچنے کے ذریعہ علاج پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، مزمن بخار میں ٹھنڈا پانی استعمال کراتے تھے، ان کے جراحوں نے سنگ مثانہ اور آنکھ قدح کرنے کے ایسے آلات ایجاد کیے تھے جن کے ذریعہ پتھری توڑ کر نکال دیتے تھے اور حریم عبدسی شفاف کو (آنکھ کا وہ منجمد اور ناقص مادہ جو موتیا بندھ وغیرہ میں پیدا ہو جاتا ہے) نکال لیتے تھے اور تاریخ عام میں ہے

(۱) تاریخ عرب سیڈیلیو۔

Marfat.com

کہ ''اگر چہ اس مجد و شرف سے جو عربی طب کو حاصل ہے، یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس میں ان کے نظریات بہت دقیق تھے، تاہم اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ طب میں ان کے مشاہدات عاقلانہ اور ان کے تجربات ماہرانہ تھے اور عرب اطبا کو اس فن میں بڑی عملی مہارت حاصل تھی، جدید کیمیا کی بنیاد سب سے پہلے زکریا رازی اور ابن جابر نے رکھی اور انہوں نے حیات بخش اور اعادۂ شباب کرنے والی اکسیر کو دریافت کرنے کی کوشش کی، وہ حجر الفلاسفہ سے بھی واقف تھے، جو دوسری دھاتوں کو سونے میں تبدیل کر دیتا ہے اور ان کے یہ مباحث محض خیالی نہیں بلکہ علمی تھے، کیوں کہ وہ تقطیر، تصعید، تجمید اور حل (۱) سے پوری طرح واقف تھے اور انہوں نے شکر اور گاڑھے نشہ آور مواد سے الکحل بنا لیا تھا۔

ایک زمانہ دراز تک صرف عربی حکومت میں بسنے والی قومیں زراعت کی ماہر، اچھی کاریگر اور دنیائے قدیم کی سب سے حوصلہ مند تاجر تھیں اور عربوں نے بابل، شام اور مصر سے زراعت کے جو طریقے سیکھے ان کو ترقی دے کر مستقل فن بنا دیا، انہوں نے اس کے نظریات قدیم کتابوں سے حاصل کیے، مگر اپنی تحقیقات اور تجربوں سے اس میں بڑا اضافہ کیا اور ان کو عملاً انتہائی مہارت کے ساتھ استعمال کیا، اس زمانہ میں جب کھیتی کرنا ادنی اور پست درجہ کا کام سمجھا جاتا تھا، عرب کے اونچے طبقہ کے لوگ تک اس میں عار نہیں سمجھتے تھے۔

ایران، اندلس، سسلی اور افریقہ میں عربوں نے معدنیات سے بھی فائدہ اٹھانے کی جانب توجہ کی، چنانچہ اسپین کے عرب وہاں کی کانوں سے پارہ، توتیا، لوہا، سیسہ، چاندی اور سونا نکالتے تھے، سسلی میں جس قدر معدنیات تھے وہاں کے مسلمان ان سب کو نکالتے تھے، جس میں چاندی اور سونا بھی تھا، غرض مشرق و مغرب میں عربوں کے مقبوضہ ملکوں میں جس قدر کانیں تھیں، ان سب سے انہوں نے فائدہ اٹھایا، چنانچہ خراسان کی کانوں سے لوہا اور کرمان سے سیسہ اور رانگہ نکالتے تھے، انہوں نے قار (ایک قسم کی وارنش جو کشتیوں میں لگائی جاتی تھی) طوریس کا سنگ مرمر،

(۱) مقطر کرنا، کسی مادہ کو آگ سے اڑا دینا، رقیق مادہ کو جمانا، تحلیل کرنا۔ م

Marfat.com

اندرانی نمک اور گندھک وغیرہ ہر قسم کے معدنیات کو نکالا۔

عربوں کے اکتشافات وایجادات اور اس بارہ میں یورپ کے اکابر علما کی رائیں: ڈریپر کا بیان ہے کہ ”ہر چیز میں غور وفکر اور تجربہ وامتحان عربوں کی عادت تھی، انہوں نے ہندسہ اور ریاضی کے علوم کو قیاس کا ذریعہ بنایا اور یہ امر خاص طور سے لحاظ کے قابل ہے کہ انہوں نے میکنک سیالات اور بصریات کے بارہ میں جو کچھ سیکھا اس میں صرف عقلی بحث ونظر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے پاس جو آلات تھے اس کے ذریعہ انہوں نے اس کا علمی امتحان وتجربہ بھی کیا، اس سے ان کے لیے کیمیا کی ایجاد کی راہ کھل گئی اور ان کو تصفیہ، تبخیر، آلات جرثقیل کی ایجاد، علم ہیئت میں ربع دائرہ اور اصطرلاب کے استعمال اور کیمیا میں موازنہ کے اصول کو کام میں لانے پر آمادہ کیا جس کو اب تک کسی نے نہیں کیا تھا اور انہوں نے قانون جاذبیت، نوعیہ اور علم ہیئت کی جدولیں بنائیں، جیسی بغداد، اندلس اور سمرقند میں تیار کی گئی تھیں، اس نے فن ہندسہ کے کلیات واصول کی بہتر ترتیب حساب مثلثات کی ترقی، جبر ومقابلہ کی ایجاد اور حساب میں رقم کے ہندسوں کے استعمال کا راستہ کھول دیا، یہ ساری ترقیاں استدلال اور امتحان وتجربہ کا نتیجہ تھیں، انہوں نے علم ہیئت میں محض فہرست کے استعمال پر اکتفا نہیں کیا بلکہ افلاک میں مشاہدہ کیے ہوئے ستاروں کے نقشے بھی بنائے اور ان میں سے اکثروں کے عربی نام رکھے جو اب تک ہمارے فلکی کروں میں استعمال ہوتے ہیں، انہوں نے کرہ زمین کے درجہ پر قیاس کر کے اس کا حجم معلوم کیا اور چاند گرہن اور سورج گرہن کے اوقات کی تعیین کی، آفتاب وماہتاب کی گردش کے صحیح جدول تیار کیے اور سال کی مقدار مقرر کی، اعتدالین کا صحیح وقت معلوم کیا اور ایسی باتیں پیدا کیں جن سے نظام عالم پر روشنی پڑتی ہے مختلف اوقات میں صحیح وقت معلوم کرنے کے لیے علمائے فلکیات نے فلکی آلات ایجاد کیے، اس کے لیے انہوں نے سب سے پہلے پنڈولم والی گھڑی استعمال کی، عملی علوم میں علم کیمیا ان ہی کی ایجاد ہے، اس کے بعض اہم اجزا مثلاً گندھک کا ترشہ (سلفورک ایسڈ) چاندی کا ترشہ (سلور نائٹرڈ) اور الکحل دریافت کیے اور سب سے پہلے ان ہی نے علاج میں کیمیا سے کام کیا اور دواؤں

Marfat.com

کی ترکیب اور معدنی دواؤں کو پھیلایا اور میکنک میں سقوط اجسام کے طبعی قوانین متعین کیے اور قانون جذب وکشش اور میکانکی قوتوں کے بارہ میں ان کی نہایت واضح اور مضبوط رائے تھی، انہوں نے جاذبیت نوعیہ کے لحاظ سے سیال چیزوں کے نقل اوران کے وزن کا پہلا نقشہ مرتب کیا اور مادی جسموں کے پانی میں تیرنے اور دوڑنے کے اصول پر مقالات لکھے اور علم البصر میں یونانیوں کی اس غلطی کی اصلاح کی کہ آنکھ سے شعاع نکل کر مرئی چیز پر پڑتی ہے جس سے وہ دکھائی دیتی ہے اور یہ ثابت کیا کہ آنکھ سے نہیں بلکہ مرئی چیز سے شعاع نکل کر آنکھ کے سامنے سے گذرتی ہے اس سے وہ دکھائی دیتی ہے، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ روشنی کے انعکاس اور انکسار کے اصول سے واقف تھے، اور انہوں نے فضا میں شعاع منحنی کے راستہ کا انکشاف کرلیا تھا اور اس پر یہ دلیل قائم کی تھی کہ سورج اور چاند طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد تک نظر آتے ہیں، آخر میں ڈریپر لکھتا ہے کہ یہ چیز بہتوں کے لیے تعجب انگیز ہوگی کہ آج جن چیزوں کو ہم فخریہ اپنی ایجاد بتاتے ہیں، تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرب ان کو ہم سے پہلے ایجاد کر چکے تھے، قانون نشوو ارتقا کی جو تعلیم اس زمانہ میں ہوتی ہے وہ مدتوں پہلے عربوں کی درسگاہوں میں ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اسی کے ذریعہ انہوں نے بہت آلی اور غیر آلی چیزوں کا پتہ چلایا تھا، کیوں کہ وہ علم کیمیا میں ان کا سب سے بڑا مبدا اور معدنی اجسام کا طبعی مظہر تھا۔(۱)

چارلس سینوبوس لکھتا ہے(۲) کہ ”عرب امرا نے نہروں کے ذریعہ آب پاشی کا طریقہ اختیار کیا اور بڑے بڑے کنوئیں کھدوائے اور جن لوگوں نے پانی کے نئے منبعوں کا پتہ چلایا ان کو انعامات دیے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے مختلف قطعوں میں پانی کی تقسیم کی اصطلاحات وضع کیں اور اندلس میں آب پاشی کے لیے بڑی نہروں کا نظام قائم کیا اور پانی کی تقسیم کے لیے ان سے چھوٹی چھوٹی شاخیں نکالیں اور بلنسیہ کا جو میدانی علاقہ باغیچہ بن گیا ہے وہ آب پاشی میں عربوں کی توجہ کی یادگار ہے، انہوں نے اس کا مستقل محکمہ قائم کردیا تھا، جس سے نہروں اور آب پاشی کے

(۱) یعنی قانون ارتقا کی تعلیم کے ذریعہ انہوں نے یہ تمام باتیں پیدا کیں۔ (۲) چارلس سینوبوس کی تاریخ تمدن۔

Marfat.com

متعلق ہر قسم کے معلومات حاصل کیے جا سکتے تھے، ولیم ویلکاکس کا جو اس زمانہ میں نظام آب پاشی کا سب بڑا انجینیر ہے بیان ہے کہ ''گذشتہ زمانہ میں عراق کی سیرابی کے لیے خلفا نے جو طریقے اختیار کیے تھے وہ اس زمانہ کے صوبہ جات متحدہ امریکہ اور آسٹریلیا کی سیرابی کے طریقوں کے مشابہ ہیں، مقدسی نے عکہ (شام) کی بندرگاہ کے جو اس کے دادا ابوبکر مہندس کی نگرانی میں ابن طولون نے بنوائی تھی، حالات لکھے ہیں اور اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے کہ اس نے گودی تک جہازوں کے بحفاظت پہنچنے کے لیے کیا کیا طریقے اختیار کیے تھے، سینوبوس نے یہ بھی لکھا ہے کہ عرب زراعت کی ان تمام قسموں کو جو ان کی مملکت میں پائی جاتی تھیں، کام میں لائے اور نباتات کی بہت سی قسمیں اسپین اور سسلی میں پہنچائیں اور یورپ میں اس کو اتنی ترقی دی کہ آج یہ چیزیں خاص ان ملکوں کی پرانی پیداوار سمجھی جاتی ہے، مثلاً چاول، زعفران، نارنگی، لیموں، کھجور، زرد خربوزہ، انگور، عطر، نیلا اور زرد گلاب، یاسمین، روئی اور نیشکر وغیرہ۔

عربوں کو شام اور ایران میں جو قدیم صنعتیں ملیں ان کو انہوں نے تمام اسلامی ملکوں میں پھیلا دیا، جس سے وہ انتہائی کمال کو پہنچ گئیں اور ان ہی سے یورپ کی نئی صنعتیں پیدا ہوئیں، سینوبوس نے ان مختلف صنعتوں کا جن کو عربوں نے مشرق سے یورپ خصوصاً اندلس پہنچایا، ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ ''عربوں کی وسیع سلطنت میں ایک سے دوسرے تک مختلف قومیں اسی امن وسکون کی زندگی بسر کرتی تھیں، جیسی رومن کے عہد میں عرب اپنے ملک کی پیداوار اور اپنے کارخانوں کی مصنوعات کا دوسرے ملکوں کی چیزوں سے تجارتی تبادلہ کرتے تھے اور ہندوستان وچین کا سفر کر کے صناع قوموں کی مصنوعات خرید کر یورپ کی بربری قوموں کو بری اور بحری راستوں سے پہنچاتے تھے'' ریسن کا بیان ہے (۱) کہ ''تجارت کے میدان میں عرب سب قوموں سے بازی لے گئے انہوں نے بحری پیشوں کو بڑی ترقی دی، جہاز رانی کے حقوق کے قوانین بنائے اور بحری قطب نما کے استعمال کا طریقہ چینیوں سے حاصل کیا اور تجارت کو بک کیپنگ کے ذریعہ

(۱) عرب اور تجارت از ریسن، رسالہ مقتبس ج ۷۔

Marfat.com

نہایت مرتب و منظم کردیا، کفالۃ کی شرح کی اور غربا اور حاجت مندوں کے لیے بینک قائم کیے اور بل آف اکسچینج اور (رقمی تبادلہ کے لیے بنڈی) کا طریقہ وضع کیا اس طرح انہوں نے جدید یورپ کے لیے بینکنگ سسٹم کا راستہ ہموار کرایا، وہ جہاں قیام کرتے تھے راستوں کو درست کرتے، کشتیوں کے ٹھہرنے کے گھاٹ اور جہاز کو گودیاں بناتے، سراؤں اور خانقاہوں کو درست کر کے قافلوں کے سفر کا انتظام قائم کرتے، اسلامی شہر تجارت کے بڑے مرکز تھے..........اس کے بعد ریسن اسلامی شہروں کے ایک دوسرے سے ربط و تعلق، پایہ تختوں کی آبادی کی تعداد اور اس کی ہماہمی کے تذکرہ کے بعد لکھتا ہے کہ "اگر ان باتوں پر تم کو تعجب ہوتا ہے تو اس پر تعجب کرنا چاہیے کہ عربوں کے مسلسل سفروں کی وجہ سے ان میں جغرافیہ کے کیسے کیسے اساتذہ پیدا ہوئے، جنہوں نے بہت کم مدت میں بطلیموس کی کتاب کی درستی و اصلاح کردی اور ایسے نئے نئے ملک دریافت کیے جہاں ان کے علاوہ اور کسی کا قدم نہیں پہنچا تھا اور ان کے نقشے تیار کر کے اہل یورپ کے لیے سیر و سیاحت کو پسندیدہ بنادیا۔

سینوبوس کا بیان ہے کہ "جبر و مقابلہ کی پہلی کتاب عرب علما نے لکھی اور ان کے علماے جغرافیہ نے ان دور دراز ملکوں کے حالات تحریر کیے، جن میں قافلے آتے جاتے تھے اور طب یونانی سے تجرلی طب یعنی جڑی بوٹیوں اور حبوب کی طب پیدا کی، ان کو سب سے زیادہ علم کیمیا سے دلچسپی تھی، ریسن کا بیان ہے کہ "اتنی جلد دنیا میں عربوں کی حکومت کی توسیع کے ساتھ ساتھ ان کے تمدن کے پھیلاؤ اور اس کی اشاعت سے ان کی تہذیب کی بلندی و برتری کا اندازہ ہوتا ہے، یہ روشن اور درخشاں تہذیب قرون وسطیٰ میں بیزنطینی اور ایرانی تہذیب سے ملی جلی ہوئی تھی، یہ تمدنی امتزاج دو وجہوں سے پورا ہوا ایک تجارت سے عربوں کا عشق دوسرے نو آبادیوں کے قیام سے ان کی فریفتگی، وہ اپنی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور تمام چیزوں سے حصول واقفیت اور تلاش و تحقیق کے فطری شوق کی بنا پر علوم طبیعی اور ریاضی کی گہرائیوں میں گھس جاتے تھے، اسی شوق و تحقیق کی بنا پر انہوں نے کیمیا کا فن ایجاد اور اس میں کمال حاصل کیا اور ان علوم سے انہوں نے زراعت

Marfat.com

اور صنعت وحرفت میں فائدہ اٹھایا، عربی رقموں اور جبر ومقابلہ کی ایجاد، فن ہندسہ کی تدوین وتکمیل اور فلکیات میں ان کے کارنامے رات اور دن کی تعدیل اور آفتاب کے مقامات کے بارہ میں ان کی تحقیقات ومباحث وغیرہ تمام قوموں پر ان کا بڑا احسان ہے، انہوں نے اصطرلاب وغیرہ عجیب وغریب فلکی آلات بنائے، ان کے علماء کیمیا اور طبیبوں نے الکحل، نوشادر، گندھک اور تیزاب کے ترشے اور پانی کے خواص کی تحقیقات کی اور اپنی دواؤں میں کافور، راوند اور سناء مکی وغیرہ اپنے ملک کی بہت سی نباتات شامل کیں، انہوں نے اپنے جنگی معرکوں، اپنے نامور بہادروں کے حالات کی تدوین، اپنے شعار کی روایت اور فلسفہ، تاریخ اور علم الاجتماع کی تحریر میں سب قوموں سے پہلے سبقت کی اور سب سے پہلے ان ہی نے ثابت کیا کہ ہر کروی مثلث میں اضلاع کے جیب ان کے مقابل کے زاویوں کے متناسب ہوتے ہیں، وہ گندھک کے ترشے سے واقف تھے، اس کو انہوں نے پھٹکری سے مقطر کیا تھا اور چاندی اور ترمشے کے پانی، سونے کے سیال کرنے کے طریقے، نوشادر کے نمک اور سنگ کی اور سنگ سلیمانی سے بھی واقفیت رکھتے تھے، انہوں نے جو اکتشافات کیے تھے ان سے وہ طب، صنعت وحرفت اور لڑائیوں میں فائدہ اٹھاتے تھے، وہ عمارتوں پتھر اور سنگ مرمر وغیرہ کو جوڑنے کا مسالہ بنانے سے بھی واقف تھے، اس کا راز انہوں نے رومیوں سے حاصل کیا تھا، انہوں نے غالباً چینیوں سے بھی پہلے توپ کی بارود بنائی تھی لیکن اہل یورپ سے تو بہرحال پہلے بنائی تھی اور عرب فوجیں اس کو تیرہویں صدی سے استعمال کرتی تھیں، وہ اپنے ترقی کے ابتدائی زمانہ ہی سے زمین کے کروی ہونے کے قائل تھے اور انہوں نے کاشانی پردوں کی صنعت کی جانب خاص توجہ کی، اس کے بنانے کے طریقوں اور اس کی شکلوں میں بڑا تغیر پیدا کیا، قرون وسطیٰ میں ان کے بنائے ہوئے شیشہ کے برتن اور رنگین قندیلیں بہت مشہور تھیں، یہ مصنوعات شام سے وینس کے کارخانوں میں گئیں اور انہوں نے ان ہی کے نمونے پر یہ چیزیں اپنے یہاں تیار کیں، اہل وینس نے آئینہ بنانا بھی ان ہی سے سیکھا جو صور (شام) میں بنایا جاتا تھا، اسی طریقہ سے دمشقی تلواروں اور پارچہ بافی کی بعض صنعتیں شام وعراق سے اندلس

Marfat.com

گئیں، چنانچہ ایک کپڑا دمشق کی نسبت سے دمقس اور ایک موصل کی نسبت سے موسلین کہلاتا تھا، پھر یہ صنعتیں سارے یورپ میں پھیل گئیں۔

ایک مدت تک یورپ میں فلکی اور ریاضی وطبعی فنون عربوں کی تصانیف سے حاصل کیے جاتے تھے، ساتویں صدی میں اور اس کے بعد تک بحر متوسط کی سیادت عربوں کو حاصل تھی، اس لیے انہوں نے اطالویوں اور فرانسیسیوں کو بہت سے عربی الفاظ دیے اور اہل فرانس کی طب کی بنیاد عربی طب پر تھی، اس وسیلہ سے انہوں نے بہت سے عربی الفاظ اختیار کیے، عرب سات صدیوں تک فرانس اور اٹلی کے بہت سے شہروں میں مختلف علوم وفنون اندلس سے پہنچاتے رہے اور بعض اہل یورپ نے علوم طبعی ریاضی، فلکیات، کیمیا وغیرہ بہت سے علوم عرب علما اور ان عربی کتابوں سے سیکھے جن کی اصلیں ضائع ہوگئی تھیں اور صرف ان کے لاتینی ترجے باقی رہ گئے تھے اور طبعی معلومات تمام تر انہوں نے عربوں ہی سے حاصل کیے اور سترہویں صدی تک ان کا مدار تمام تر ان ہی پر تھا، سینوبوس کا بیان ہے کہ ''مشرق کی ایجادات جن جن راستوں سے یورپ پہنچیں ان کی تجدید بہت دشوار ہے، وہ فلسطین کے صلیبیوں کے ذریعہ بھی یورپ گئیں، اطالوی تاجروں کے ذریعہ بھی اور سسلی کے عربوں اور اسپین کے مغربیوں کے توسط سے بھی اور ہم پر عربوں کا جو قرض ہے اس کا حساب کیا جاسکتا ہے، اگر چہ اس کی تفصیل بہت طویل ہے، عربوں کے ذریعہ ہمارے یہاں نباتات میں گیہوں، مارگیا، انگور کی بیلیں، کتان، شہتوت، زعفران، چاول، کھجور کے درخت، لیمو، نارنگی، کافی، روئی نیشکر، زینت وآرایش کے سامانوں میں دمشق کے سوتی کپڑے، مدبغ کھالیں، روپہلے اور سنہرے تاروں کا حریر (زربفت) شاش موصلی (ایک قسم کا کپڑا) باریک، سادے اور بوٹی دار کپڑے، مخمل، نقرئی سامان، شکر، مٹھائیوں اور مشروبات کے بنانے کے طریقے، علم وفن میں جبر ومقابلہ، حساب مثلثات، کیمیا، عربی رقم (جن کو عربوں نے ہندوؤں سے لیا تھا اور جن کے ذریعہ مشکل حساب آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے) وغیرہ ہمارے بہت سے علوم کے مبادیات عربوں کے ذریعہ آئے اور انہوں نے مشرق کی دنیائے قدیم

Marfat.com

یونان، فارس، ہندوستان اور چین وغیرہ کے علوم وایجادات وغیرہ کو نقل کر کے جمع کر دیا اور ان کو ہم تک پہنچایا، ہماری زبان میں بہت سے الفاظ داخل کیے جو آج بھی اس کے شاہد ہیں کہ وہ کہاں سے لیے گئے ہیں"۔

عربوں ہی کے ذریعہ مغربی دنیا جو وحشت وبربریت میں مبتلا تھی تہذیب وتمدن سے ہم کنار ہوئی، اگر ہمارے افکار اور ہماری صنعتوں کو قدیم سے کوئی تعلق ہے تو وہ تمام ایجادات واختراعات جو زندگی کو سہل اور لطیف بناتی ہیں، سب عربوں ہی کے ذریعہ ہمارے یہاں آئیں، اہل یورپ نے عربوں سے جو صنعتیں سیکھیں ان میں بانات بافی کی صنعت بھی ہے۔

نبیرہ (اٹلی) کے جو باشندے بجایہ (الجیریا) میں رہتے تھے، انہوں نے موم بتی کی صنعت ان ہی سے سیکھی اور یہیں سے اس کو اپنے ملک اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں پہنچایا، سینوبوس کا یہ بھی بیان ہے کہ "اموی خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کا اسپین، فرانس، جرمنی اور صقلی ملکوں سے ہمیشہ ربط رہا ہے، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ ٹولوز (فرانس) کا قصر شاہی قرطبہ کے شاہی محلات کا ثنی تھا، جس میں شعر وادب کی محفلیں جمتی تھیں اور شعرا میں مقابلہ ہوتا تھا، ایک فرانسیسی امیر ۹۹۹ء میں جب فرانس کے تخت پر بیٹھنے کے لیے پیرس آیا تو اس نے وہ تمام باتیں جو عربوں سے سیکھی تھیں سب یہاں رائج کر دیں اور پیرس کے اخلاق وزبان کو یکسر بدل دیا، فرانس کے شاہی خانوادوں کے تیسرے خانوادے کے بادشاہ ہر چیز میں عربوں کی تقلید کرتے تھے اور فرانسیسیوں نے سان لوئی کے صلیبی حملہ میں جس کا سلسلہ کئی سال جاری رہا، بہت سی چیزیں عربوں سے حاصل کیں، اسی زمانہ میں انہوں نے دو فرانسیسی قیدیوں کے ذریعہ جو عرصہ تک دمشق میں قید رہے تھے، ورق سازی کی صنعت سیکھی یہ دونوں قیدی جب رہا ہو کر اپنے ملک واپس گئے تو اس مفید صنعت کو فرانس میں پھیلا دیا، یورپ کے بہت سے بادشاہوں خصوصاً اطالوی اور فرانسیسی سلاطین کے باڈی گارڈ عرب تھے" سید یلیو لکھتا ہے کہ "بعض اہل یورپ کا خیال ہے کہ صنعت وحرفت کی ترقی میں عربوں کا کوئی کارنامہ نہیں ہے، حالاں کہ وہ تمام صنعتوں کے ماہر اور چمڑے کی دباغت،

Marfat.com

ڈھلائی کے کاموں، اسلحہ کی جلا اور مختلف قسموں کی پارچہ بافی میں مشہور اور ان تمام صفتوں کے بڑے ماہر تھے جو قینچی اور نقاشی کے اوزار کے ذریعہ بنائی جاتی ہیں، ان کی تیغ براں، ہلکی اور ٹھوس زرہیں، اونی فرش (قالین) اون، ریشم، اور کتان کی بنی ہوئی چیزیں ان فنون میں ان کی مہارت کی شاہد اور اس زمانہ کی کشمیر کی مصنوعات کے نمونے اس کا ثبوت ہیں، رینو اپنی کتاب ''فرانس پر حملہ'' میں لکھتا ہے کہ ''جب عربوں نے اندلس سے جنوبی فرانس پر حملہ کیا اور امیر سمح خولانی، عنبسہ کلبی اور حرثقفی کی قیادت میں فرانس کے مشہور شہر ناربن قرقشونہ اور لیون فتح کیے، اس وقت وہ ایسے اعلیٰ درجہ کے اسلحہ سے مسلح تھے کہ ایسے اسلحہ فرنگیوں کے پاس نہیں تھے''۔

لیبان لکھتا ہے کہ ''تعلیم اور بحث وتحقیقات کے لیے کتب خانے، معلومات کے دوسرے ذرائع اور آلات واوزار اگرچہ ضروری وسائل ہیں لیکن ان کی حیثیت وسیلہ اور ذریعہ سے زیادہ نہیں ہے، اصل قدر وقیمت ان سے فائدہ اٹھانے کے طریقوں کی ہے، فرض کیا کہ ایک شخص دوسری قوم کے سارے علوم وفنون کو پی جاتا ہے لیکن وہ خود ان پر غور وفکر کرنے اور ان میں اپنی جانب سے کوئی جدت یا ایجاد کرنے کی استعداد نہیں رکھتا تو وہ ہمیشہ شاگرد ہی رہے گا، اس میں استاد بننے کی صلاحیت کبھی پیدا نہ ہوگی لیکن عربوں کا حال اس سے مختلف تھا، وہ اگرچہ ابتدا میں پرانے یادگار علوم کے شاگرد تھے اور یونانی تالیفات ان کی استاد تھیں لیکن اسی زمانہ میں وہ اس نکتہ سے واقف ہوگئے تھے کہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ بہترین کتابوں سے زیادہ قیمتی ہے، یہ حقیقت آج اتنی مسلم ہے کہ کوئی نئی بات شمار نہیں کی جاتی لیکن گذشتہ زمانہ میں ایسا نہیں تھا اور قرون وسطیٰ کے علما اس حقیقت سے واقفیت کے بغیر ایک ہزار سال تک علمی کاموں میں مشغول رہے، تجربہ ومشاہدہ کی ابتدا جو علمی بحث وتحقیقات کے جدید طریقوں کی بنیاد ہے بیکن کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حالاں کہ اب اس کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ یہ طریقہ تمام تر عربوں کی ایجاد ہے، ان تمام علما کی جنہوں نے عربوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، خصوصاً ہامبولڈ کی یہی رائے ہے، اس کا بیان ہے کہ ''عرب عملی علم میں جس درجہ کو پہنچے تھے اس سے قدما میں سے کوئی بھی واقف نہیں تھا'' سید یلیو

Marfat.com

لکھتا ہے کہ ''بغداد کا مدرسہ اپنے قیام کے آغاز ہی میں صحیح معنوں میں علمی فکر و نظر کے لیے مشہور ہو گیا تھا اور عربوں کے کاموں پر اس کا بڑا اثر پڑا تھا اور اسی فکر و نظر کے ذریعہ ان کا دماغ معلوم سے غیر معلوم چیزوں تک پہنچا اور انہوں نے سبب کے اسباب کا پتہ چلانے کے لیے محسوس چیزوں کے اسرار و حقایق معلوم کیے اور صرف ان ہی چیزوں کو تسلیم کیا جو تجربہ سے ثابت ہو سکیں اور آج کے علما اسی اصول کی تلقین کرتے ہیں جس پر عرب ساتویں صدی سے پوری قدرت کے ساتھ عامل تھے اور جس کو نئے علما و محققین نے اپنے اکتشافات کا ذریعہ بنایا، قرون وسطیٰ میں جب یورپ کا علم محض درسی کتابوں کی تعلیم اور معلمین کی رایوں کی تردید کرنے تک محدود تھا اس وقت عرب علما اپنی تحقیقات میں تجربہ و مشاہدہ سے کام لیتے تھے اور ان دونوں کا فرق ظاہر ہے، علمی درس و تحقیقات میں عربوں کے طریقہ کا اس وقت تک پورا اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک اس پر گہری نگاہ نہ ڈالی جائے۔

تجربہ و مشاہدہ پر اعتماد کی بنا پر عرب ساری دنیا پر بازی لے گئے اور ایک مدت دراز تک اس میں وہ منفرد رہے، انہوں نے اس طریقہ (عملی تجربات) کی قدر و قیمت کو پہچانا، یونان میں کیمیا وغیرہ میں ایک تجربہ کرنے والا بھی پیدا نہیں ہوا اور عربوں میں سیکڑوں تھے، ان کے ان ہی تجربات کی بدولت ان کے علمی کاموں میں ایسی وضاحت وجدت پائی جاتی ہے جس کی توقع ان لوگوں سے نہیں کی جا سکتی جو تجربہ و مشاہدہ کو صرف کتابوں میں پڑھتے ہیں، تجربہ و مشاہدہ کی عادت کی بنا پر عرب ان علوم میں جن کو تجربہ و مشاہدہ سے علاقہ نہیں ہے، مثلاً فلسفہ ان میں کوئی ایجاد وندرت نہ پیدا کر سکے اور تجربہ کے ان طریقوں کی بنا پر جن میں ان کو اولیت حاصل ہے وہ تین چار صدیوں تک نہایت اہم تحقیقات و اکتشافات کراتے رہے جو یونانی اس سے کہیں زیادہ طویل مدت میں بھی نہ کر سکے تھے، قدیم علوم کا ذخیرہ عربوں سے پہلے یونان میں منتقل ہوا تھا مگر وہ ایک مدت دراز میں بھی اس سے کوئی بڑا فائدہ نہ اٹھا سکے اور عربوں نے اس پورے ذخیرہ کو آیندہ نسلوں کے لیے منتقل اور محفوظ کر دیا، انہوں نے صرف اپنی ایجادات کے ذریعہ علم کو ترقی دینے پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنی یونیورسٹیوں اور کتابوں کے ذریعہ ان کو پھیلایا، درحقیقت اس حیثیت سے انہوں نے

Marfat.com

بڑا عظیم الشان اثر ڈالا اور چند صدیوں تک ان ہی کو نصرانی قوموں کی استادی کا درجہ حاصل رہا، یونانی اور لاتینی تہذیب سے ہماری واقفیت کا سہرا ان ہی کے سر ہے، اب اس دور جدید میں جا کر ہماری یونیورسٹیوں سے عربوں کی کتابوں کے تراجم پر اعتماد ختم ہوا ہے اور انہوں نے ان سے اخذ واستفادہ بند کر دیا''۔

انجینیئر نگ اور نقش وتصویر میں عربوں کی جدتیں: انجینیئر نگ میں عربوں کی ایجادات کا اعتراف ہر واقف کار کو ہے اور کسی معترض کو بھی اس سے اختلاف نہیں، اگرچہ عربوں نے کسی خاص قسم کی عمارتیں اختراع نہیں کیں لیکن ان کے فن تعمیر میں زینت وآرائش اور لطافت سے ان کا شغف ظاہر ہوتا ہے، انہوں نے پلوں کے محراب اور پرکاری کے نقش ونگار ایجاد کیے اور اپنی عمارتوں میں گنبدوں، چھتوں اور بیلوں اور پھولوں کی ٹٹیوں سے جدت پیدا کی، ان کی جامع مسجدوں اور قصور ومحلات میں ایسی حسن وخوبی پائی جاتی ہے جن میں کبھی کہنگی نہ پیدا ہوگی اور وہ ہمیشہ نقش ونگار اور زینت وآرائش سے عربوں کے شغف کا ثبوت دیتے رہیں گے، ایک فرنگی عالم کے بقول ''عربوں کی عمارتیں کیا ہیں مشرق کے پھول دار کپڑے ہیں جن میں بننے والوں نے مختلف رنگوں کی آمیزش اور نقش آرائی سے تفنن اور بوقلمونی پیدا کی ہے'' لیبان نے عمارتوں خصوصاً یورپ کی انجینیئر نگ میں عربوں کے اثرات پر ایک خاص باب لکھا ہے، اس میں وہ لکھتا ہے کہ ''بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ گاتھ کا فن تعمیر عربوں سے ماخوذ ہے، سراسر وہم ہے، جب ہم تیرہویں صدی کی کلیسائی گاتھ عمارتوں کا اس زمانہ کی مسجدوں سے موازنہ کرتے ہیں تو دونوں کے طرز تعمیر میں نمایاں اختلاف نظر آتا ہے، ہر زمانہ کے فنون اپنے دور کی ضرورتوں اور اس عہد کے لوگوں کے ذوق ورجحان کا مظہر ہوتے ہیں، اس لیے مغرب کا طرز تعمیر مشرق کے عربی طرز تعمیر سے مختلف ہے البتہ گاتھ نے تزیین وآرائش کی بہت سی چیزیں عربوں سے لی ہیں، فرانس کے بعض گرجوں میں پتھروں پر عربی حروف کندہ اور بعض قلعوں پر عربی طرز کے تاج بنے ہوئے ہیں، فرانس کے بہت سے گرجوں خصوصاً ان شہروں کے کتبوں پر جن کا مشرق سے زیادہ علاقہ رہا ہے، عربی طرز تعمیر کا اثر

Marfat.com

ہے، صلیبیوں نے فن تعمیر میں میناروں میں موذن کے ٹھہرنے کی جگہ بالکنی اور چھت دار چھجے پاسبانی کے برج، (۱) برج، بلند کنگرے، جالی دار چار دیواری وغیرہ بہت سی چیزیں مشرق سے حاصل کیں، فرانسیسیوں نے بہت سے غیر ملکی انجینیروں سے کام لیا ہے، جس میں عرب بھی تھے، حتی کہ فرانس کے پایہ تخت کے مشہور گرجے "نوتر دام دی باری" کی تعمیر میں عرب بھی شریک تھے اور اسپین کے طرز تعمیر میں عربوں کا اثر اظہر من الشمس ہے............قومیں مٹ جاتی ہیں ان کی کتابیں جل جاتی ہیں، مگر انہوں نے دوسری قوموں پر جو اثرات ڈالے ہیں وہ دھاتوں سے زیادہ پائیدار ہوتے ہیں اور ان کو انسانی طاقت نہیں مٹا سکتی"۔

آگے چل کر لیبان کہتا ہے کہ "جو شخص مسجدوں، محلات اور عربوں کے دوسرے منقولہ اور غیر منقولہ آثار پر نظر ڈالے گا وہ اس کی شہادت دے گا کہ وہ کوئی نمونہ سامنے رکھ کر نہیں بنائے گئے ہیں اور ان میں جدت و ایجاد محسوس اور نمایاں نظر آئے گی، البتہ عربی تہذیب کے ابتدائی زمانہ میں جب وہ اوج شباب پر تھی، اس میں ایرانی اور رومی صناعی کی تقلید نظر آتی ہے، مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر قوم اپنی پیشرو قوموں کی صنعتوں سے اخذ و استفادہ کرتی ہے اور یہ کلیہ ہر قوم پر صادق آتا ہے، کچھ دنوں پہلے تک یہ یقین کیا جاتا تھا کہ یونانی فنون بغیر نمونے اور مثال کے پیدا ہوئے مگر جدید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے پیشرو آشوریوں اور مصریوں سے ماخوذ ہیں اس لیے عرب، یونان، رومن، فینقی اور یہود وغیرہ سب نے اپنے ماضی سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر قوم نے دوسروں سے کچھ نہ کچھ لیا ہے اور اپنے امکان بھر اس میں اضافہ کیا ہے، اس لیے محض اس بنا پر کہ عربوں نے اپنے کاموں کے ابتدائی اصول اپنی پیشرو قوموں سے اخذ کیے ہیں، یہ گمان کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان کے کسی فن میں جدت و ایجاد نہیں ہے، دراصل جدت و ایجاد میں یہ دیکھنا چاہیے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جو مواد ملا ہے اس کو کتنی جلد اس نے اپنی ضرورت کے مطابق بنا کر ایک نیا فن پیدا کر دیا، اس وصف میں کوئی قوم عربوں پر فوقیت نہیں لے جا سکتی ان کی قوت ایجاد، ان کی

(۱) یعنی جن سے دشمنوں یا اجنبیوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی جاتی ہے۔

Marfat.com

پہلی عمارتوں مثلاً مسجد قرطبہ میں نمایاں ہے، انہوں نے بہت جلد دوسری قوموں کے فن کاروں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ وہ ایسے جدید طریقوں سے کام لیتے تھے جس میں فن کی پوری مہارت اور حذاقت موجود تھی، قدیم معبدوں کی عمارتوں کا جو نمونہ ان کے سامنے تھا، ان کے شکوہ اور عظمت و وسعت اور ان کے ستونوں میں کوئی تناسب نہیں تھا، عربوں نے اس عیب کو اس طرح دور کیا کہ وہ ستون پر نہایت خوبصورت محرابیں دے کر ان پر چھت دیتے تھے، اگر عربوں کے بجائے ترک ہوتے تو ان کے کند ذہنوں میں یہ بات ہر گز نہ آتی جو قومیں عربوں کی محکوم رہ چکی ہیں وہ عربوں سے پہلے کے طرز تعمیر میں کوئی جدت نہ پیدا کر سکیں، اس لیے ان کی تعمیر کردہ عمارتوں میں تقلید نمایاں ہے، ان کے مقابلہ میں عربوں نے جو عمارتیں بنائیں، مثلاً اسپین کے محلات اور قاہرہ کی جامع مسجدیں، ان کے پرانے ماخذ کو انہوں نے اس انداز سے بدل دیا اور اس میں اتنی جدتیں پیدا کیں کہ آج یہ بتانا دشوار ہے کہ یہ طرز کہاں سے آیا"۔

اس کے بعد لکھتا ہے کہ "جو شخص ان ادبی اور فنی کاموں پر نظر ڈالے گا جو عربوں کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچے، اس کو یہ نمایاں طور پر نظر آئے گا کہ انہوں نے ہمیشہ فطرت کو سنوارنے کی کوشش کی اور عربی فن میں ان کی فطرت کا ظہور، تخیل، حسن و زیبائی، روشنی، زینت و آرائش اور نزاکت و نفاست کی شکل میں ہوتا تھا، اس لیے کہ عرب شاعر قوم تھے اور شاعر اور فن کار میں بڑی یکسانیت ہوتی ہے، وہ اتنے دولت مند ہو گئے تھے کہ انہیں اپنے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے ایسے ایسے نادرۂ روزگار محلات تعمیر کیے جو دیکھنے والوں کو سونے اور جواہرات سے مرصع، مرمریں عمارتیں معلوم ہوتے ہیں، کوئی قوم بھی آج تک اتنے عجائبات نہ پیدا کر سکی جتنے عربوں نے پیدا کیے، ہر قوم فنی مہارت میں ان کی مقروض ہے ان عمارتوں کا مقابلہ اس زمانہ کی عمارتوں سے کرنا جن میں آج انسانیت داخل ہو گئی ہے، نہایت لغو ہے ان کے مقابلہ میں اس زمانہ کی صناعیاں نہایت مبتذل ہیں جن کا مقصد صرف نفع اندوزی ہے اور جن میں کوئی کیفیت اور آب و رنگ نہیں ہے"۔

Marfat.com

ایک دوسرے مقام پر لکھتا ہے کہ ''عربوں نے ساتویں صدی میں جب یونانی اور رومن کی دنیائے قدیم کے بڑے حصہ کو فتح کر کے یہ عظیم الشان سلطنت قائم کی تو اس کے ساتھ ہی ان کی حکومت اسپین سے وسط ایشیا اور پورے شمالی افریقہ تک پھیل گئی اور یونانی فن تعمیر سے جو مستقل فن کی حیثیت رکھتا تھا، ان کا سابقہ ہوا اس لیے شروع میں انہوں نے اسپین و مصر و شام کی جامع مسجدوں کی تعمیر میں اس سے فائدہ اٹھایا، بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ، مصر کی جامع عمرو بن العاص وغیرہ اس کا ثبوت ہیں لیکن زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ ملکوں اور زمانہ کے اختلاف مذاق کے ساتھ عمارتوں کا طرز اتنا بدل گیا کہ اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور کی تعمیر کردہ عمارتوں مثلاً جامع عمرو بن العاص قاہرہ (۶۴۲ء) اور آخری ترکی دور کی عمارتوں مثلاً جامع قایتبائی ۱۴۴۸ء میں کوئی ادنیٰ مشابہت بھی نظر نہیں آتی۔(۱)

میجون لکھتا ہے(۲) کہ ''اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تہذیب کی تعمیر میں عربوں کا بڑا حصہ ہے، وہ اس کے بانیوں میں تھے انہوں نے مختلف عناصر کو ایک متناسب قالب میں ڈھال کر ایک نئی تہذیب پیدا کی جس پر ان کی عظمت اور حسن مذاق کا نقش چھپا ہوا تھا، عربوں کی فتوحات اور مشرق، شمالی افریقہ اور اسپین تک ان کی حکومت کی توسیع پر ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ ان کے اثر سے مفتوحہ ملکوں کا نظام اجتماعی یکسر بدل گیا اور ایک نئے دین، نئے نظام اور نئے اخلاق نے اس کی جگہ لے لی، اسی قسم کا تغیر ان ملکوں کی صنعتوں، علوم وفنون اور ان کی ضروریات زندگی میں بھی پیدا ہو گیا اور بحر ظلمات سے لے کر بحر ہند تک ان ملکوں کی وحدت ایک حکومت کی ماتحتی، اس کے مکمل نظام، عسکریت کی جانب ان کی توجہ اور فریضۂ حج میں مسلمانوں کے اجتماع نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے درمیان تعارف آسان کر دیا، اس وسیلہ سے مختلف ملکوں کے مسلمانوں کو دوسرے اسلامی ملکوں کی جو چیز پسند آتی تھی، اس کو وہ اپنے ملک میں لے جاتے تھے، اسی لیے مغرب کی قدیم ترین اسلامی عمارتوں میں مشرق کا اثر نظر آتا ہے، مثلاً قرطبہ کی جامع کبیر

(۱) قوموں کی ترقی کے نفسی قوانین، لیبان۔ (۲) المجمع العلمی ج ۵۔

Marfat.com

اور قیروان کی جامع سیدی یہ دونوں اپنے طرزِ تعمیر کے اعتبار سے مغربی ہیں لیکن نقش ونگار اور زینت و آرایش کے لحاظ سے مشرقی۔

فی الجملہ اندلس اور سسلی میں فرنگیوں کا طبقہ خواص عربوں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ان کے علوم اور تہذیب سے مستفید ہوا اور صلیبی لڑائیوں میں عربوں اور فرنگیوں کے عام اختلاط کی وجہ سے عوام وخواص دونوں مستفید ہوئے، ان لڑائیوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ فرنگیوں نے مشرقیوں کے عادات سیکھے اور حمام کا استعمال اور ڈھیلے ڈھالے لمبے چوڑے لباس پہننا شروع کردیے، لیبان لکھتا ہے کہ ''صلیبیوں نے اپنے ابتدائی حملوں میں جو معرکہ آرائیاں کیں وہ ایک ایسی تہذیب کے ساتھ وحشی دنیا کی لڑائیاں تھیں جو تاریخ میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تہذیب تھی''۔

رکیہ اپنی کتاب 'فن اور تاریخ' میں لکھتا ہے کہ ''عربوں نے اپنی مفتوح اور محکوم قوموں سے علم وفن اور صنعت وحرفت کا جو روثہ پایا اس میں انہوں نے ان ہی کی درسگاہوں کے ذریعہ کمال پیدا کرنا شروع کیا، اس لیے کہ وہ حکومت کی طرح فوراً کوئی نیا فن نہیں پیدا کرسکتے تھے، اس کے باوجود تھوڑے ہی دنوں میں ان میں بڑے بڑے مہندس، معمار، سنگ تراش، مصور اور نقاش پیدا ہوگئے اور اس میں ان کو اپنی کتاب (قرآن مجید) کے احکام اور اپنی شریعت کی کوئی مخالفت نظر نہیں آئی (۱) انہوں نے ان فنون میں حصول کمال اور حذاقت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان میں بڑا تفنن پیدا کیا ان کو پاک وصاف اور صحیح ودرست کیا، ان میں حذف واضافے کیے اور ان میں اتنی جدتیں اور ندرتیں پیدا کیں کہ ان کو بالکل عربی قالب میں ڈھال اور اسلامی رنگ میں رنگ دیا، اس لیے ان فنون میں عربی روح نہایت واضح اور نمایاں ہے، دوسرے اثرات تو بالکل جذب ہوگئے لیکن عربی روح ان اثرات میں جذب نہ ہوسکی اور عربوں نے اپنے ذوق کے مطابق ایسے فنون ایجاد کیے جو ان کی فطرت سے ہم آہنگ ہوں اور یہ فنون بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ان کی

(۱) اسلام نے صرف جاندار چیزوں کی تصویر بنانا حرام کیا ہے، باقی نقش ونگار اور دوسری چیزوں کی تصویر کی کوئی مخالفت نہیں کی ہے۔ م

Marfat.com

وسیع مملکت میں پھیل گئے۔

اسلامی فنون میں یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے مختلف ملکوں کے طبعی حالات کا ساتھ دیا اور ہر ملک کے مقامی خاص رنگ کو اختیار کیا، مگر اس کے باوجود وہ فنون خواہ اندلسی ہوں یا مغربی، صقلی ہوں یا مصری، شامی ہوں یا عراقی، ایرانی ہوں یا ہندوستانی سب کا سرچشمہ اور اس کی بنیاد شریف و مغز اسلامی تھی جو اسلام کے وقار و خوداری اور بہادری کی شہادت دیتے ہیں، عربوں نے جن چیزوں کو دوسروں سے لے ان کی اصلاح وتہذیب کی اور جو ایجادات واکتشافات انہوں نے خود کیے، یہ ان کا نہایت مجمل خلاصہ ہے، ان چیزوں سے خود عرب بھی مستفید ہوئے اور جدید تہذیب کو بھی اس سے فائدہ پہنچایا، یہ تمام کام انہوں نے تنہا اور اپنی عقل وتجربہ سے انجام دیے، اس میں کوئی دوسری قوم ان کی شریک وسہیم نہیں تھی، کیوں کہ اس زمانہ کی علمی تحقیق وایجاد کا حال اس زمانہ سے مختلف تھا، آج ایک چیز کی تحقیق وایجاد میں اتنے لوگ شریک ہو جاتے ہیں کہ بعض اوقات کسی ایجاد واکتشاف کو کسی خاص قوم کی جانب منسوب کرنا محال ہو جاتا ہے، عربوں نے اپنے عملی علوم کو بہت تھوڑی مدت میں پیدا کیا اور وہ بغیر کسی اعلان، اشتہار اور پروپیگنڈے کے بہت جلد نمایاں، درخشاں وتاباں ہوگئی اور شہروں سے لے کر دیہات تک پھیل گئے اور ان کو انہوں نے حلال اور پاکیزہ مال کی طرح یورپ پہنچایا اور ان کو جو کچھ دیا نہ ان پر اس کا احسان رکھا اور نہ اس کی قیمت کے طلب گار ہوئے، مگر آج ان کے علمی صحیفے اور ان کے مسکن ایسے ویران ہو گئے کہ گویا کبھی تھے ہی نہیں، اس پر مستزاد یہ ہے کہ ان کے دشمن شعوبیوں نے ان کے درجہ کو گھٹانا اور ان کی چیزوں کو کھوٹا ظاہر کرنا شروع کر دیا اور ان کی تنقید اور ان کی تنقیص کو مستقل شعار بنالیا ہے، حالاں کہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو عرب صرف تعریف وستایش کے مستحق ہیں۔

Marfat.com

گیارہواں باب

عربی شاعری اور فنون لطیفہ کا اثر یورپ پر

اندلسی موشحات (۱) اور اندلس کے ادبیات میں اسپینی شاعری کا کلام: جب عربوں نے شام، عراق اور ایران میں سکونت اختیار کی تو ان کے ذہن ودماغ پر یہاں کے ماحول کا اثر پڑا اور جب وہ اندلس پہنچے تو ان کی شاعری میں معنویت، مصوری اور تاثیر کی وجہ سے بڑی دلکشی پیدا ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مشرق کی شاعری کی کوئی دوسری ہی قسم ہے، اس میں شاعری کے قوانین وضوابط کی پابندی کے ساتھ اشعار محض زبان سے نہیں بلکہ دل سے نکلتے تھے، عربی اندلس میں علوم وفنون، زراعت وصنعت وحرفت کی وسعت وترقی نے اندلسی عربوں کو اوج کمال تک پہنچنے میں بڑی مدد دی (۲) یہ سب کے سب علوم ومعارف کے لذت شناس اور ایسی چیزوں کی ایجاد میں مسابقت کی کوشش کرتے تھے جس سے ان کو امتیاز حاصل ہو سکے، شاعری ان کا درجہ بلند کرتی تھی، چنانچہ قضاۃ کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے ہوں تاکہ لوگوں میں ان کا اعزاز و وقار قائم ہو سکے، اس لیے فن تعمیر، موسیقی اور شاعری وغیرہ فنون لطیفہ میں عربوں کا درجہ بہت بلند ہوگیا اور تعلیم کی عام اشاعت کی وجہ سے تمام اہل اندلس حتی کہ یہاں کی عورتوں تک نے ادب میں بڑی ترقی کی اور اندلس کے خاص خاص علاقوں مثلاً ثلب (Salvaterra) اور

(۱) عربی شاعری کی ایک صنف کا نام موشحات ہے جو اندلسی عربوں کی ایجاد ہے، یہ ایک زمانہ میں بڑی مقبول تھی۔

(۲) تاریخ سیڈیلیو۔

Marfat.com

وادی آتش (The Guadix) میں شعروشاعری کا اتنا عام مذاق (۱) تھا کہ کم لوگ ایسے تھے جو شاعر نہ ہوں، یا اعلیٰ درجہ کے ادنیٰ کاموں سے دلچسپی نہ رکھتے ہوں، اگر کسی کسان سے اس کے ہل بیل کے پاس جا کر کسی مضمون کے شعر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فی البدیہہ کہہ کر سنا دیتا۔

موشحات کے ایجاد کا سہرا اندلسی عربوں کے سر ہے، یہ صنف شاعری افسردہ دل لوگوں میں جوش وجذبہ پیدا کر دیتی اور اپنی سادگی اور سلاست کی وجہ سے دلوں میں اتر جاتی ہے، اندلسیوں میں شعروشاعری کا جس قدر مذاق تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے آسمان نے ان پر ذوق شاعری کا کوئی ایسی وحی نازل کی تھی جو مشرق کے آسمان نے اپنے اور کسی حصہ پر نازل نہیں کی۔

شعروشاعری کے شیدائی موشحات کے نظم کرنے میں بڑے پرزور مقابلے کرتے تھے (۲) یہ صنف شاعری اپنی سادگی اور سہولت کی وجہ سے عام لوگوں میں بہت پسندیدہ اور مقبول تھی اور شعرا نے معانی میں بڑی جدتیں پیدا کیں، اس کو ایک نئے حسین اور دلکش طرز سے سنوارا جس سے بعض پرانے قیود شاعری ٹوٹ گئے، عراق اور شام کی ترقی کے زمانہ میں جب یہاں شعر وشاعری کا زیادہ چرچا تھا، اس کو نیا تمدنی لباس پہنایا، مثلاً عراقی لباس (طرز) یا شامی لباس، یعنی مختلف ملکوں کی شاعری کا طرز جدا جدا تھا۔ (جیسے لکھنؤ یا دلی کی شاعری)

عربوں نے اپنی جو شعری روح مغرب میں پھونکی تھی، اس سے ان لوگوں کو بڑی فریفتگی پیدا ہوگئی جو عربی زبان میں مہارت رکھتے تھے اس وقت تک بعض یورپین قوموں میں شاعری نے ترقی نہیں کی تھی اور عربوں کے ظہور کے زمانہ تک ان میں کوئی ایسا شاعر نہیں پیدا ہوا تھا جو اپنی شاعری کے ذریعہ اپنی قوم کو سربلند کرتا، ان کی شاعری کا سارا سرمایہ کچھ گانے اور گیتیں تھیں جو خواص کی شاعری سے زیادہ عوام کی شاعری سے قریب تھیں، اندلس، سسلی اور جزائر بالیار (۳) میں فرنگیوں سے عربوں کے اختلاط نے یورپ خصوصاً لاتینی قوموں کو شعر کے معنی بتائے اور ان کو اس کی جو صنف پسند اور اپنے مذاق کے مطابق نظر آئی اس کو انہوں نے عربوں سے سیکھا، عرب

---

(۱) معجم البلدان۔ (۲) مقدمہ ابن خلدون۔ (۳) جزائر شرق الاندلس میورقہ اور منورقہ وغیرہ) "م"

Marfat.com

شاعری کے علاوہ ادب کی اور اصناف مثلاً رزم و بزم، عشق و محبت اور شہ سواروں کی داستانوں کو بھی کام میں لائے (۱) ان داستانوں کے حیرت انگیز واقعات نے دلوں میں بڑا اثر پیدا کیا، اس لحاظ سے عرب بے نظیر فنکار تھے جن کی مثال نہیں مل سکتی، وہ اسپین میں شہسواروں کی داستانوں کے موجد تھے (۲) عربوں کا دستور تھا کہ وہ روزانہ شام کے وقت اپنے خیموں میں جمع ہو کر حیرت انگیز داستانوں کو سنتے تھے اور غرناطہ میں اس داستان سرائی کے ساتھ رقص و سرود بھی ہوتا تھا۔

اہل اسپین کے تاریخی قصائد اور اسپینی موالیا (۳) عربی شاعری سے ماخوذ یا ان کا ترجمہ ہیں، ان میں ان کے تہواروں، انگوٹھی کے کھیل، سانڈوں کی لڑائیوں اور شہسواروں کے رقص کا ذکر ہوتا تھا، خاص اسپینیوں نے ان میں سے کوئی چیز بھی پندرہویں صدی سے پہلے نہیں پیدا کی، عربوں کی اس خوش مذاقی نے ان کو یورپ بھر میں مشہور کر دیا تھا، اس زمانہ کے مشہور اسپینی شاعر ''فرنسیسکو فیلا سیا سا'' کا بیان ہے کہ:

کسی قوم کو شاعری کے عطیہ الٰہی سے اتنا نہیں ملا جتنا عربوں کو ملا، شاعری سے ان کی شیفتگی اور ان کی شجاعت و حریت پسند تہذیب نے ان کی شاعری کا ایک امتیازی رنگ بنا دیا تھا جو ابتداء ہی سے اس میں موجود تھا، اسلام کی فتح و کامرانی عربی شاعری کی بھی فتح تھی، عرب اپنی فتوحات کے دور میں اس زمانہ کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوموں کو مغلوب کر کے ان میں مل جل گئے تھے، اس لیے مصریوں، بیزنطینیوں اور رومیوں سب نے شاعری کے نئے اسلوب سیکھے اور یہ اسلوب ان کی پرانی بھدی شاعری کی کرختگی پر غالب آ گیا، مگر اس کا اثر ترکیبوں کی خوشنمائی اور الفاظ کے الٹ پھیر سے آگے نہیں بڑھا اور پرانے عربی قصائد ہمیشہ محفوظ رہے، ان پر دلوں کے بگاڑ کا اثر نہیں پڑا، نہ ان کے راویوں کی خواہشات سے ان میں تصرف ہو سکا اور لوگ قیمتی ورثہ کی طرح حفاظت کے ساتھ ان کو نسلاً بعد نسل منتقل کرتے رہے اور صحرا کے بدو اور چرواہے ہمیشہ تخیل شعری

(۱) تمدن عرب لیبان۔ (۲) تاریخ سیڈ یلیو۔ (۳) موالیا اسپین کی عربی شاعری کی ایک قسم ہے جس کے آخر میں یا موالیا کا ٹکڑا ہوتا تھا۔

Marfat.com

کے انتخاب میں دوسری قوموں سے زیادہ باخبر اور مواد شاعری میں ان سے زیادہ دولت مند رہے، عربوں نے جن جن ملکوں کو تسخیر کیا ان سب میں عربی شاعری کے لیے اندلس کی مٹی سب سے زیادہ زرخیز تھی اور اس نے اس ملک میں جتنی ترقی کی اور کسی ملک میں نہیں کی۔

ابتدا میں عرب افسران فوج، ان کے بعد ان کے خلفا اور امرا اندلس میں ادبی ذوق پھیلانے میں قوم کے لیے مثال اور نمونہ تھے اور جس زمانہ میں عبدالرحمن معاویہ اول (۱) نے اپنا وطنی سلام تصنیف کیا تھا جس میں اس نے اس کھجور کے درخت کو مخاطب کیا تھا جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے نہر کبیر (The Guadalguiver) کے کنارے نصب کیا تھا، اس زمانہ تک جب ابوعبداللہ (۲) نے اپنا دردانگیز موشحہ جس کو اس نے اپنے ٹوٹے ہوئے اور خونچکاں دل کے ٹکڑوں سے مرتب کیا تھا، مریم (۳) کی قبر کے سامنے پڑھا، مشکل ہی سے کوئی ایسا خلیفہ یا امیر ہوگا جس کے نام کو اس کے عاشقانہ قصیدے پارزمیہ نظم نے خلعتِ دوام نہ بخشا ہو، اگر ہم بھلانا بھی چاہیں تو اشبیلیہ کے آخری بادشاہ معتمد (۴) کو نہیں بھول سکتے، میرے نزدیک اس کے اشعار عربی شاعری کی روشن مثال ہیں، جمال شاعری کی حیثیت سے نہ سہی اس بدشگونی کی وجہ سے جو ان اشعار میں پائی جاتی ہے اور اس بدبختی کے اثر سے جو ساری زندگی اس کی رفیق رہی وہ دنیا کے ان بہادروں میں سے ایک تھا، تاریخ کے مختلف دوروں میں تقدیر نے جن کی مخالفت کی ہے۔

اسپین میں اشراف نے بھی سلاطین کے طرز پر شاعری شروع کر دی تھی جس سے غنائی ادب کا چمن سرسبز و شاداب ہوا اور تلواروں کے سایہ میں لہلہانے لگا اور اس زمانہ کے نصرانی پادریوں تک نے عربی تہذیب اختیار کر لی تھی، ان میں عربی ادب کا ذوق و شوق پھیل گیا اور وہ خالص

(۱) اندلس کا پہلا اموی خلیفہ عبدالرحمان بن معاویہ اول ۱۳۹ھ۔۷۶۲ء۔ (۲) غرناطہ کے نصری خاندان کا آخری فرمانروا محمد ابوعبداللہ ۸۹۷ھ جس کے بعد اندلس سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ (۳) مریم ابوعبداللہ کی محبوبہ تھی۔ (۴) اشبیلیہ کے عبادی خاندان کا آخری فرمانروا ابوالقاسم محمد بن معتضد الملقب بہ معتمد ۴۶۱ھ۔۴۸۴ھ یہ بڑا علم دوست فرماں روا تھا۔

Marfat.com

اور بلند عربی میں شعر کہنے لگے جو تاریخ میں اپنی نوعیت کا تنہا واقعہ ہے، اندلس کی زرخیز زمین میں اسلامی علوم کا سیلاب آ گیا جو ساری دنیا میں پھیل گیا اور دور دراز علاقوں کے شائقین علم انس ومحبت اور امن وسلامتی کے ان سرچشموں سے جو پہلے قرطبہ اور طلیطلہ میں اور آخر میں اشبیلیہ اور غرناطہ میں عربی شاعری میں سے پھوٹتے تھے، اپنی پیاس بجھاتے تھے، پاپائے روم سلفسر ڈ دوم تک نے عربی وزن وقافیے میں عربی زبان میں متعدد قصائد کہے تھے۔

عربی زبان سسلی، بروفنسا، اٹلی، بیزنٹائن بلکہ جرمنی کے قلب تک میں علم وفن اور شعر و شاعری کی عام زبان ہوگئی تھی، فتحمند عربی فوجوں اور ان کے بحری بیڑوں کے ساتھ عربی شاعری بھی چلتی تھی اور ان کے سپہ سالاروں کے جلو میں قافیوں کا جلوس ہوتا تھا جن کو وہ نیزوں کی نوک کے ذریعہ دلوں میں اتارتے تھے اور ان کی شاعت میں اتنے ہی سرگرمی دکھاتے تھے جتنی قرآن کی سورتوں کی اشاعت میں، ان مقامات کے پرانے طبقوں کے گیتوں کا بڑا حصہ اور ولایت جوالین کے شعرا کے بہت سے گانے صرف اندلس کے عربی شعرا کے قصائد پر مشتمل تھے جس میں صرف تھوڑا سا تغیر ہوا تھا اور وہ مشرقی روم کے اثر کی وجہ سے بالکل محفوظ ہوگئے تھے، سسلی کے بادشاہ فریڈرک روم نے عربی میں بہت مقطعات کہے تھے(۱) اور اس نے اپنے دربار میں بہت سے مسلمان علما اس لیے جمع کیے تھے کہ ان کے ذریعہ وہ اپنے ملک میں عربی زبان کو ویسا ہی فروغ دے سکے جیسا فروغ اس کو دمشق، بغداد، قرطبہ اور اشبیلیہ میں حاصل تھا، اس زمانہ میں ساری دنیا میں یہی چاروں شہر ادبی ترقی کی طالب نگاہوں کا قبلۂ امید تھے، اس زمانہ کے محققین پر اب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ دانتے کی شاعری (۲) جو اپنی قوم کے۔ لیے سرمایۂ افتخار ہے صریحاً عربی ادب سے ماخوذ ہے۔

شہسواری کی وہ روح جو قرون وسطیٰ میں چھائی ہوئی تھی اور جس نے جنگجوئی کی وحشت وبربریت کو شہسواری کے ورزشی کھیلوں اور تفریحات سے بدل دیا اور عشق ومحبت نے جو ادب العالیہ

---

(۱) چھوٹی بحر کی شاعری مثلاً رجز وغیرہ 'م'۔ (۲) اس سے مراد غالباً دانتے کی مشہور نظم طربیہ ربانی ہے جو واقعۂ معراج نبوی سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

پیدا کیا اور عورت سے جو بت تراشا یہ سب اسی روح کا فیض تھا جو عربی شاعری نے پیدا کی تھی اور موشحات کے ذریعہ اس کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایک ایسا دلکش اور پرکار ادب ساری دنیا میں پھیل گیا جو چند ہی پشتوں میں کلاسکل روحانی ادب سے بڑھ گیا، جب دنیا میں عربی ادب کے اثرات کا یہ حال تھا تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اندلس میں اس کا کتنا عظیم الشان اثر ہوا ہوگا، جہاں عربوں نے آٹھ صدیوں تک حکومت کی اور جہاں بڑی عالی شان عمارتیں تعمیر کیں اور بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیے، اگرچہ فتحمند کیتھلک بادشاہوں نے اسپین سے مسلمانوں کو نکال دیا لیکن ہماری لغت کی کتابوں میں ہمیشہ عربی کے ایک چوتھائی الفاظ موجود رہے اور اس کے ادب کی روشنی برابر اپنی شعاعوں سے ہمارے خیالات کو منور، اپنی حرارت سے ہمارے خون کو گرم اور ہمارے جذبات میں جنون انگیزی پیدا کرتی رہی، جس کا اثر ''دون کیشوت'' اور دوسرے شہسواروں کے قصوں میں نمایاں ہے، ہمارے افسانوی ادب اور ہماری شاعری کا بڑا حصہ خالص عربی اسلوب سے متاثر ہے، چنانچہ ہمارے شعرا نے بھی آٹھ مفاعیل (۱) کی بحریں بنائی ہیں اور ان میں وہ عربی شاعری کی طرح ایک ہی قافیہ میں نظم کہتے ہیں جو ہر شعر میں برابر آتا رہتا ہے۔

ہم اسپینی ہیں اور جب تک ہمارے مورخ اور نقاد علمی بحث وتحقیقات میں معتمد اور ابوالبقا کی زبان اور عربی کی ان قلمی کتابوں سے مدد نہ لیں گے جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں اس وقت تک اسپینیوں کے لیے اپنی تاریخی تحقیقات اور اپنی زبان کے نقد ونظر کو مکمل کرنا بہت دشوار ہے، ہمارے تمام قدیم مصنفین کے علمی آثار میں جو تنقیدی رنگ ہے وہ عربی علوم کا اثر ہے جس کی روشنی ''الدون خوان مانویل کی کتاب'' ''کوندہ لوکارنو'' کی تصنیف کے زمانہ سے لے کر ''روخاس'' کی کتاب ''کاسٹینیا'' کے زمانہ تک کی نئی زبان میں پھیلی ہوئی ہے (۲) ہم کو اللمح کے مؤلف اور

---

(۱) اس سے مراد غالباً تقطیع کے ارکان ہیں۔ (۲) اس سے معلوم نہیں کون سی کتاب اور کون سا مؤلف مراد ہیں، سیاق عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ عربی کی کوئی کتاب ہے اور بڑے انشا پردازوں سے مراد عرب انشا پرداز ہیں لیکن اللمح نامی کوئی کتاب فہرست کی کتابوں میں نظر نہیں آئی، اللمحۃ البدریہ فی علم العربیہ نحو میں شیخ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی المتوفی ۷۴۵ھ کی ایک کتاب ہے۔ 'م'

Marfat.com

دوسرے بڑے انشاپردازوں کی عظمت کی جانب سے غفلت نہ برتنا چاہیے، اسپین کے گانوں اور موسیقی کی کتابوں میں مختلف شعرا کے جس قدر قصائد ہیں وہ سب مشرقی دواوین کا سرقہ ہیں، چنانچہ رباب کے لحن پر جو گانے گائے جاتے ہیں ان کے مصنفین ان کی تصنیف میں ایقاع (۱) مکرر کا لحاظ رکھتے ہیں۔

ہم اندلسی جن کا نصرانیت پر ایمان ہے اپنے مسلمان اسلاف کے مذہب کا بھی انکار نہیں کر سکتے، اگر نصرانیت ہمارے قلب وضمیر کا مذہب ہے تو اسلام نے بھی ہمارے قومی خیالات کو نادر تصورات سے مزین کیا ہے اور ہم اپنے نئے لباس کے برخلاف اور اپنے عرب اسلاف کی زبان چھوڑ دینے کے باوجود ان ہی بدوؤں کی نسل سے ہیں جو بیابان کے سناٹے میں اونٹوں کے اون کے بنے ہوئے خیموں کے سامنے بیٹھ کر خدائے واحد کو مخاطب کرنے کے عادی تھے، اگر آج ہم اپنے بہت سے گرجوں کی دیواروں سے کلس اتار دیں تو ان کے نیچے سنہرے کوفی حروف میں خدا کا نام جگمگاتا نظر آئے گا اور اگر ناخن سے اپنی زرد یورپین کھال کو کھرچ کر دیکھیں تو اس کے اندر سے عربی جلد کا گندمی رنگ ظاہر ہو جائے گا، ہماری یورپین قومیت ظاہری اور اوپری ہے اور مشرقی قومیت ہماری ابدی حقیقت ہے، ہماری تمام نئی اور پرانی ادبی بغاوتیں زیادہ تر اس عربی روح کا نتیجہ تھا جو ہمارے دل کی گہرائیوں سے احتجاجاً وانتقاماً پھوٹی تھیں، کیوں کہ وہ آزاد اور خود سر صحرا زادے جو آفتاب کی روشنی اور کھلی فضا میں سانس لینے کے عادی ہیں، وہ گھنی شاخوں کے نیچے بند اور تاریک پنجڑوں میں جن کی فضا منطقی قواعد اور لغوی ضابطوں کی کثافت سے مکدر ہو زندگی نہیں بسر کر سکتے"۔

ہمارا سب سے زیادہ پاکیزہ خیال شاعر گانگورا، قرطبہ کے اموی دربار کے ان پڑھ شعرا کے مشابہ ہے، جن کے لیے حکم ثانی نے قصر مروان میں دنیا کا سب سے بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا اور ان کے فن اور تخیل کی جولانی کے لیے اس چمنستان ادب کو میدان بنایا تھا، گانگورا کی شاعری، بیان کی پیچیدگی اور ابہام میں مشہور ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس پر عربی اسلوب شاعری کا اثر بہت

(۱) ایک عربی لحن کا نام۔ م

Marfat.com

غالب تھا اور وہ اپنی تنگ زبان میں مشرقی تصورات کی بوقلمونی کی مصوری نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس کے خیالات پیچیدہ ہو جاتے تھے)

اندلس میں عربی شاعری کے اثرات کے متعلق یہ ایک نامور اور خالص اسپینی شاعر کے خیالات ہیں، اس سلسلہ میں وہ اسپینی، اطالوی اور جرمن شاعری پر عربی زبان کے اثرات دکھانے کے بعد کہتا ہے کہ ''جو لوگ روحانی شاعری کا جھنڈا بلند کرنے میں زیادہ ممتاز تھے ان پر عربی ادب کا سب سے زیادہ اثر تھا'' پھر ان شعرا کے نام گنانے کے جو عربی سے زیادہ متاثر ہوئے لکھتا ہے کہ ''اسپینی زبان کے ادب میں عربی ادب کا اثر ظاہر و باہر اور ان قومی گیتوں میں زیادہ نمایاں ہے جو اسپینی قوم کی روح کی مصوری کرتی ہیں اور ان میں دونوں قوموں (اسپینی اور مسلمان) کی اخوت و یگانگت جھلکتی ہے اور غرناطی گانے بغدادی گانوں سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔

اندلسی رقص و موسیقی: یہ تو عربی شاعری کے اثرات کا ذکر تھا، یہی حال عربی موسیقی کے اثرات کا تھا، عربوں نے جب سے بداوت کے دائرہ سے باہر قدم رکھا اسی وقت سے ان کو موسیقی سے بڑا شغف ہو گیا تھا جو ہر زمانہ میں قائم رہا اور خلفا، امرا، قضاۃ، علما، فلاسفہ اور ادبا سب نے اس کی قدر دانی کی اور اپنے تمدن میں اس کا درجہ اتنا بڑھایا کہ بعض علمائے دین کو اس سے خوف پیدا ہو گیا اور انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ موسیقی شرعاً جائز بھی ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس حد تک چنانچہ حسن و اخلاق اور تحفظ دین سے موسیقی کے تعلق کے مسائل و مباحث پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں، (۱) امام غزالی نے احیاء العلوم میں ایک مستقل باب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے اور بڑے بڑے مسلمانوں نے موسیقی شرعاً جائز بھی ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس حد تک چنانچہ حسن اخلاق اور تحفظ دین سے پر کتابیں لکھی ہیں اور ان میں بڑی جدت پیدا کی ہے، عربی موسیقی کی ابتدا حجاز سے ہوئی تھی، یہاں اس کو ایران و روم کے موالی لائے تھے جو لونڈی موسیقی سے واقف ہوتی تھی

---

(۱) یعنی مذہب و اخلاق پر موسیقی کا کیا اثر پڑتا ہے اور اس اثر کے لحاظ سے وہ کہاں تک جائز ہے۔ ''م''

Marfat.com

اس کی قیمت بہت لگتی تھی اور سلاطین امرا اور اصحاب ثروت میں ایسی لونڈیوں کی خریداری میں مقابلہ ہو جاتا تھا، یہی حال ایران، عراق، شام، مصر اور اندلس میں تھا، موسیقی پر کم لوگ نکیر کرتے تھے اور اس کے سننے اور سنانے والے زیادہ تھے۔(۱)

مغنیہ اور موسیقار لونڈیاں ادب کی مختلف اصناف کی تعلیم حاصل کرتی تھیں اور اپنے گانے سے دلوں کو مسحور کرتی تھیں، بعض لونڈیاں اتنے علوم سے واقف ہوتی تھیں جن کا اجتماع مردوں میں بھی کم ہوتا ہے، مثلاً پانچویں صدی کے نصف اول میں اندلسی طبیب ابوعبداللہ کی لونڈی مجموعۂ اوصاف وکمالات تھی، اس کے زمانہ میں ذہانت وذکاوت طبیعت کی براقی، پھرتیلے پن، جسمانی لوچ، خوش گلوئی، موسیقی کی مہارت، خط کی خوبی، تحریر کی پاکیزگی، ادبی جدت واختراع اور ادبی شواہد کے پیش کرنے میں اس کی کوئی نظیر نہ تھی، اس کو نحو، لغت اور عروض میں پوری مہارت تھی اور وہ بولنے، لکھنے اور گانے میں کبھی زبان کی غلطی نہیں کرتی تھی، اس کے علاوہ طب، طبعیات، تشریح وغیرہ جیسے بہت سے فنون میں پوری دستگاہ رکھتی تھی جن کو بہت سے علما بھی نہیں جانتے، نیزہ بازی، پھری گتکہ اور شمشیر زنی کے کھیلوں میں اتنی ماہر تھی جس کی نظیر سننے میں نہیں آئی، امیر ہذیل نے ایسی بہت سی لونڈیاں خریدی تھیں جو شمشیر زنی کے فن میں مشہور تھیں، اس نے ان کو مختلف مقامات سے منگایا تھا، اس کی پردابردار لونڈی اندلس کے تمام بادشاہوں کے پردہ برداروں (۲)

---

(۱) ان علما ومحدثین نے جو مذہب کے محافظ و پاسبان تھے، موسیقی میں غلو اور حدود سے تجاوز کی ہمیشہ مخالفت کی لیکن یہ ظاہر ہے کہ..... کے مقابلہ میں عام شایقین موسیقی کا گروہ ہمیشہ زیادہ رہا۔'م'

(۲) خلفا اور سلاطین مغنیوں اور ندیموں کی نگاہ سے دور رہنے کے لیے پردہ کی آڑ سے گانا سنتے تھے، بلکہ ایک زمانہ میں تو یہ حجاب اتنا عام ہو گیا تھا کہ عام لوگوں کو بھی پردہ کی آڑ سے مخاطب کرتے تھے جو لوگ پردہ کی خدمت پر مامور ہوتے تھے وہ اصحاب الستائر یا ستائر کہلاتے تھے جو عموماً مرد ہوتے تھے لیکن جب تعیش زیادہ غالب ہوا تو یہ خدمت حسین لونڈیوں کے سپرد ہو گئی خصوصاً گانے کی محفلوں میں یہ خدمت زیادہ تر لونڈیاں ہی انجام دیتی تھیں۔

Marfat.com

سے بہتر تھی، اس کو تین ہزار دینار میں اس نے خریدا تھا، بعض عباسی خلفانے اس قسم کی لونڈیاں ایک ایک لاکھ تک میں خریدی تھیں۔

اندلس کا شہر آمدہ اپنی تفریحات کے لیے مشہور تھا، اس میں ہر قسم کے کھیل تماشے اور اور ماہر فن اور مشہور مقبول، رقاصائیں تھیں، جو شمشیر زنی، وکر، قرزی، مرابط اور فتوخہ (۱) وغیرہ مختلف کھیلوں اور تماشوں کی بھی ماہر ہوتی تھیں، اہل مشرق کی طرح اہل اندلس کے بھی بہت سے آلات موسیقی اور مختلف اقسام کے کھیل تماشے تھے، مثلاً خیال الظل ،خیال الرقص، کرج، عود، روطہ، رباب، قانون، مونس، کثیرہ، قیثار، زلامی، قشرہ، نورہ اور بوق (۲) وغیرہ اندلس میں ناچ گانے اور کھیل تماشوں کا رواج عربوں کے یہاں سے نکلنے تک برابر رہا، اس لیے اہل یورپ نے ان چیزوں کو ان ہی سے سیکھا اور اسپینیوں کے گانے اور رقص وسرود تو آج تک عربوں کے گانوں اور ان کی موسیقی اور راگوں سے بہت ملتے جلتے ہوئے ہیں، دونوں کے کھیل تماشوں کے سامانوں میں بڑی مشابہت ہے۔

اسپین، پرتگال بلکہ جنوبی امریکہ کی جمہوریتوں خصوصاً ارجنٹائن اور برازیل کے باشندوں کی موسیقی اور راگ راگنی وغیرہ کے طریقے آج تک عربی یا ان سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں عرب اسپین کے حکمراں تھے اسی زمانہ میں مشہور عرب مغنی زریاب نے عربی موسیقی کے قواعد مرتب کرکے اس کو مستقل فن بنا دیا تھا، عربی موسیقی کو زریاب ہی مشرق سے مغرب لایا، اسی سے اہل اندلس اور ان کے پڑوسیوں نے اس کو حاصل کیا، اس لیے اسپین اور ان ملکوں میں جو کسی زمانہ میں اسپینیوں کے قبضہ میں رہ چکے تھے (۳) آج تک عربوں کے یہ فنون رائج ہیں اور ان میں مرور زمانہ کے خفیف اثرات کے علاوہ بہت زیادہ فرق نہیں ہوا ہے۔

---

(۱) وکر ناچ کی ایک قسم تھی، قرزی ایک قسم کی شعبدہ بازی، مرابط جس سے مویشی باندھے جاتے تھے، فتوخہ بڑا اچھلہ بارنگ یہ سب کھیل تماشے تھے۔ (۲) یہ سب آلات موسیقی کے نام ہیں۔ (۳) مثلاً جنوبی امریکہ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بارہواں باب

عربوں کا تمدن اندلس میں

اندلس کا ملک اور عربوں کی فتح: عربوں نے اندلس کے لیے جزیرہ کا لفظ اسی طرح تغلیباً استعمال کیا جس طرح جزیرہ نمائے عرب کے لیے جزیرہ کا، ورنہ اندلس کے انتہائی شمالی حصہ میں کوہ بیرنیر (جبل البرتات) اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں، عربوں کے نزدیک اندلس کے رقبہ کی مسافت طول میں ایک مہینہ کے بقدر ہے اور عرض میں بیس دن سے کچھ اوپر اندلس شمال مشرقی سمت کے علاوہ باقی تین سمتوں میں بحر ظلمات اور بحر متوسط سے گھرا ہوا ہے، عربوں کے دور حکومت میں اندلس کا تحقیقی رقبہ نہیں بتایا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پرتگال کا علاقہ اور مشرق میں برشلونہ اندلس میں داخل تھے، جس کو آج کل جزیرہ نمائے ایبریا اسپین و پرتگال کہا جاتا ہے اس کے تھوڑے سے شمالی کوہستانی اور پتھریلے علاقہ کو چھوڑ کر جس کو عرب بلاد جلالقہ اور اشتوریا یا کوہستان قرقشونہ اور کوہستان بلبلونہ یا سنکستان جلیقیہ کہتے تھے، باقی کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس میں عربوں کی حکومت نہ رہی ہو۔

جزیرہ نمائے ایبریا کے بڑے حصہ پر ۹۲ھ میں موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے ذریعہ عربوں کا قبضہ ہوگیا تھا، طارق بن زیاد نے با . . ہزار بربری فوج اور کچھ عربوں کو لے کر اندلس پر فوج کشی کی اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، ان میں سے ایک کی کمان خود اپنے ہاتھ میں رکھی اور آگے بڑھ کر جبل الفتح پر جاکر ٹھہرا اسی دن سے اس کا نام جبل طارق (جبرالٹر) پڑ گیا اور

Marfat.com

دوسرے حصہ کی کمان طریف بن مالک نخعی کے سپرد کی، اس نے اس مقام پر فوجیں اتاریں جس کو اس کی نسبت سے اب تک مدینہ طریف کہا جاتا ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابنائے جبرالٹر کو عبور کرنے کے بعد طارق نے کشتیاں جلادیں اور جب فرمانروائے طلیطلہ کی فوج نے جنگ کو زیادہ طول دیا تو طارق نے اپنی فوج کو مخاطب کرکے یہ پر جوش تقریر کی۔

لوگو! اب مفر کی کوئی راہ نہیں ہے تمہارے سامنے دشمن ہے اور پیچھے سمندر، اس لیے عزم کی پختگی اور صبر واستقامت کے ساتھ مقابلہ ہی میں نجات ہے اس کو خوب سمجھ لو کہ (اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو) اس جزیرہ میں تمہارا حشر وہی ہوگا جو بخیلوں کے دسترخوان پر یتیموں کا ہوتا ہے، دشمن اپنی افواج قاہرہ کے ساتھ تمہارے سامنے آچکا ہے اس کے پاس اسلحہ اور غذا کا بڑا ذخیرہ ہے اور تمہارے لیے تلواروں کے علاوہ اور کوئی سہارا نہیں ہے اور اپنے دشمن سے چھین کر جس قدر غذا حاصل کرسکو اس کے علاوہ اور کوئی غذا کا سامان نہیں ہے، اگر تمہاری احتیاج کچھ دنوں اور قائم رہی اور تم حصول مقصد کی کوئی تدبیر نہ کرسکے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، لوگوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھ جائے گا اور وہ تمہارے مقابلہ میں جری ہوجائیں گے، اس لیے اس سرکش ظالم (والی طلیطلہ) کا پوری قوت سے مقابلہ کرو، اگر اس وقت تم نے تھوڑی تکلیف برداشت کرلی تو مدتوں آرام وراحت کی لذت سے لطف اٹھاؤ گے، اس لیے اپنے معاملہ میں جس میں تمہارا حصہ مجھ سے زیادہ ہے، مجھے چھوڑ کر تنہا اپنی فکر نہ کرو، اس جزیرہ میں یونان کی حسین وخوب رولڑکیاں ہیں اور امیر المومنین ولید بن عبدالملک نے تم میں سے عرب بہادروں کا انتخاب کیا ہے اور اس جزیرہ کے حکمرانوں سے تمہارا اسرالی رشتہ پسند کیا ہے۔

عربوں نے صوبہ برشلونہ کو مشرقی سمت سے فتح کیا اور قشتالہ (۱) کے قلعے اور اس کا میدانی علاقہ شمال مغربی سمت سے ان معرکوں میں گاتھ تو تقریباً ختم ہوگئے اور جلالقہ اور دوسری جو قومیں باقی رہ گئیں وہ کوہستان قشتالہ، اربونہ (فرانس کا شہر ناربن) اور پہاڑی دروں میں پناہ گزین

(۱) شمال وسطی اسپین کا وسیع علاقہ جس کو کسٹیلا یا کسٹیل کہتے ہیں۔

Marfat.com

ہو کر قلعہ بند ہو گئیں اور اسلامی فوج برشلونہ کو پار کر کے میدانی علاقہ میں ہوتی ہوئی ارض افرنجہ (۱) میں گھس گئی اور کچھ دنوں کے بعد اربونہ میں ٹھہر کر دریائے رڈونہ (The Rdone) کے کنارہ چھاونی قائم کی اور موسیٰ بن نصیر فتح کا مژدہ اور مال غنیمت کے ذخائر کو لے کر جسے دیکھ کر عقل دنگ ہو جاتی تھی، خلیفہ کے پاس دمشق واپس گیا اور اس کے حضور میں قیدی پیش کیے، ان قیدیوں میں بربر، روم، اسپین اور افرنجہ کے بادشاہوں کے لڑکے تھے، اہل اسپین سے ان شرائط پر صلح ہوئی تھی کہ ان کی جان کی حفاظت کی جائے گی ان کو اور ان کے بچوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے گا ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، ان کے گرجے نہ جلائے جائیں گے اس کے معاوضہ میں اہل اسپین کے ہر آزاد بالغ پر ایک دینار نقد، چار مد گیہوں، چار مد جو، افشردہ، انگور، سرکہ، شہد اور روغن زیتون کی ایک مقررہ مقدار سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا، غلاموں پر اس کا نصف تھا۔

اندلس میں عربی فوج، ان کے قبیلے اور ان کی حکومتیں: اندلس کی فاتح فوج کا بڑا حصہ بربر پر مشتمل تھا اس میں عربوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی سب سے پہلے طارق بن زیاد کے ساتھ دس ہزار بربر اور تین سو سے کچھ اوپر عرب اندلس گئے تھے، پھر مکمل قبضہ کے بعد امویوں نے شام سے عربی قبائل بھیجے، انہوں نے اندلس کے خاص حصوں میں سکونت اختیار کی، اندلس میں قیام کی ترغیب کے لیے عربوں کو ذمیوں کی ایک تہائی املاک دے دی گئی تھی، اس لیے عربوں کے بہت سے قبائل اندلس جا کر آباد ہو گئے، ان کی ترتیب یہ تھی، دمشق کی چھاؤنی کے مضری عرب جس میں زیادہ تر تعداد قبیلہ قیس اور کچھ مختلف قبیلوں کی تھی، البیرہ میں آباد ہوئے، اردن کی چھاؤنی کے یمنی عربوں نے ریہ میں سکونت اختیار کی، حمص کی چھاؤنی کے عربوں نے جن میں بیشتر یمنی قبائل تھے، شذونہ میں قیام کیا، بربری اور کچھ تھوڑے سے مختلف قبیلوں کے عربوں نے جزیرہ میں توطن اختیار کیا، قنسرین اور عواصم کی چھاؤنی کے عرب جس میں معد، یمن اور مختلف قبیلوں کے لوگ تھے،

(۱) افرنجہ سے مراد اندلس کے شمال مشرقی علاقہ، قبطلونیہ اور اس سے ملے ہوئے علاقے اور ارغون کا وہ شمالی حصہ ہے جو جبل البرانس کے مغربی سلسلہ سے ملا ہوا ہے۔ "م"

Marfat.com

جیان میں آباد ہوئے اور بربری قبائل نے بلنسیہ اور اکشونیہ میں طرح اقامت ڈالی، مصر کے عربوں نے باجہ اور تدمیر میں قیام کیا اور یہ کل عرب ملکی باشندوں سے بالکل خلط ملط ہوگئے۔

عربوں کی آمد سے پہلے اٹھاسی سال سے لے کر نوے سال تک اندلس میں بڑے سخت قحط پڑتے رہے تھے، اس کے بعد وبائیں پھوٹ پڑی تھیں، ان سے نصف سے زیادہ آدمی لقمۂ اجل ہوگئے، اس لیے اندلس کے باشندے آئندہ بھلائی کی امید میں عربوں کی آمد سے بہت خوش اور مسرور ہوئے، لسان الدین الخطیب کا بیان ہے کہ ''جب عربوں کی فتوحات مکمل ہوچکیں اور وہ اندلس کے مختلف حصوں میں آباد ہوچکے تو امیر بلج میں بشیر القشیری دس ہزار سواروں کے ساتھ جن میں شام کے بڑے بڑے عمائد تھے، اندلس پہنچا، یہ لوگ ''الطالعۃ البلجیہ'' کہلاتے تھے اور موسیٰ بن نصیر کے ساتھ آنے والے عرب اور بربر سرکاری تحریروں، مراسلات اور جاگیروں کے کاغذات میں ''بلدیین'' لکھے جاتے تھے اور بلج کے ساتھ آنے والے شامی عربوں کی آمد کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اہل اسپین نے ان کی اور گاتھوں کی حکومت کا فرق محسوس کرلیا، انہوں نے نئے فاتحین میں دلوں کو مطمئن و مسرور کردینے والی رواداری اور عدل و انصاف کے قیام میں بڑا انہماک پایا، عربوں نے اندلس کے پرانے انتظامی اور عدالتی نظام کو قائم رکھا اور ابتدا میں اہل اندلس کو معمولی اور بعد میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا، اس لیے وہ مسلمانوں سے مخلصانہ محبت کرنے لگے اور ان کو ان کی بلند اور گاتھوں کی پست تہذیب میں جو وحشت و بربریت سے زیادہ قریب تھی، نمایاں فرق نظر آیا اور ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ اندلس کے دیہات سرسبز و شاداب ہوگئے، زراعت بہت بڑھ گئی اور آبادی موسلا دھار بارش کی طرح مسلسل اور گھنی ہوگئی، شہروں میں آدمیوں کے اژدہام سے کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور خلافت اندلس کا پایہ تخت قرطبہ یورپ کے آج کل کے پایہ تختوں کا ہم سر ہوگیا تھا، وہ رات کو روشنی کی کثرت سے بقعۂ نور بنا رہتا تھا اور راہ گیر کوسوں روشنی میں چلتے تھے، شہر کی تمام گلیاں پختہ تھیں جن میں کوڑا کرکٹ نہیں رہنے پاتا تھا، اس زمانہ میں ان خصوصیات کا دنیا میں یہ پہلا شہر تھا اور علم و فن، صنعت و حرفت،

Marfat.com

تجارت ہر چیز کا مرکز بن گیا تھا اور یہ تہذیب مدتوں قائم رہی، مگر قرطبہ جس کی آبادی کسی زمانہ میں کئی ملین تھی اور لوگ وہاں سیر وتفریح کے لیے جاتے تھے، آج ایک بوسیدہ اور غمناک مقبرہ بن گیا ہے، لیبان کا بیان ہے کہ ''قرطبہ میں ہلال پر صلیب کا غلبہ عیسائیوں کی سب سے بڑی فتح سمجھی جاتی ہے لیکن اس زمانہ میں جب ہلال وہاں حکمران تھا، قرطبہ سب سے زیادہ دولت مند، سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ آباد شہر تھا اور صلیب کا علم آج اس عظیم الشان شہر کے ملبہ پر لہراتا ہے''۔

اس شہر کی وسعت وعظمت کا کیا ٹھکانا جس میں وہ دو ہزار چھ سو مسجدیں، چھ سو حمام، دو لاکھ گھر، اسی ہزار بڑے بڑے محل تھے جس میں بنی امیہ کا قصر دمشق بھی تھا، یہ قصر پتھر کی چٹانوں اور ستونوں سے بنی امیہ کے مشرقی محلوں کے نقشہ پر بنایا گیا تھا اور اس میں بڑی جدتیں پیدا کی گئی تھیں، اس کے صحنوں اور سامنے کے میدانوں کو بہت خوبصورت اور آراستہ کیا گیا تھا، قرطبہ کا دور بیلسیں ہزار ذراع تھا اس کے اطراف میں تین ہزار دیہات تھے اور ہر دیہات میں مسجد اور فقیہ کا انتظام تھا، قرطبہ کے مشرقی حصہ میں ایک سو ستر عورتیں خط کوفی میں قرآن مجید لکھتی تھیں، اسی سے دوسری سمتوں کا بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، اس کی مسجد میں جو دمشق کی مسجد کے نمونے پر بنائی گئی تھی (۱۴۱۸) ستون تھے جو کثرت کی وجہ سے گھنی جھاڑی معلوم ہوتے تھے لیکن جب میں نے ۱۹۲۱ء میں اس مسجد کو دیکھا ہے تو صرف ۸۶۰ ستون باقی رہ گئے تھے۔

اندلس کے شہر اور اس کی عرب تہذیب: عربوں کے زمانہ میں اندلس کے اہم شہر حسب ذیل تھے۔

جزیرۃ الخضرا، المریہ، بطلیوس، برشلونہ، بسطہ، باجہ، قادس، شنترہ، ثلب، قلمریہ، صلمنقہ، (یہ دونوں شہر آج کل اسپین اور پرتگال کے علمی مرکز ہیں) غرناطہ، وادی آش، وادی الحجارہ، شاطبہ، شریش، بشبونہ، لوشہ، بورقہ، مجریط، مالقہ، ماردہ، لاردہ، مرسیہ، رندہ، ریہ، شنترین، اشبیلیہ، شذونہ، طرطوشہ، طرکونہ، طلیطلہ امدہ، ولنسیہ، بلنسیہ، ارجدونہ، ارجونہ، فحص البلوط، الزہرا، لبلہ، البہ، اخشنبہ،

Marfat.com

قصرابی دانس، یابرہ، جلیانہ، طلبیرہ، قلعہ رباح، مدینہ سالم، دانیہ، شقورہ، قلعہ حماد تدمیر، استجہ، قبرہ، غافق، المدور، بیاسہ، قسطلو، المنکب، باغہ، اندراس، اودریولہ، جزیرہ، شقر، تطیلہ، قرقشونہ، اکشونیہ، قسطلیہ۔

اندلسی عربوں کے تمدنی کارناموں کا احاطہ اور ان کی عمارتوں خصوصاً مدینۃ الزہرا کے تعمیری کمالات، اس کی صناعیوں، جدتوں اور ندرتوں کی توصیف دشوار ہے، مدینۃ الزہرا قرطبہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، اس کو الملک الناصر نے بنوایا تھا، اس نے اندلس کے خراج کی آمدنی تین حصوں میں تقسیم کر دی تھی، ایک حصہ فوج پر صرف کرتا تھا، ایک حصہ جمع کرتا تھا اور ایک حصہ مدینۃ الزہرا کی تعمیر میں صرف کرتا تھا، اس زمانہ میں خراج کی آمدنی (۵۴۸۰۰۰۰) دینار سالانہ تھی، مؤرخین کا بیان ہے کہ الزہرا اندلس کی سب سے بڑی اور عظیم الشان عمارت تھی اور آج تک طلیطلہ، غرناطہ اور اشبیلیہ وغیرہ کے محلات کے کھنڈر ترقی یافتہ قوموں کے سیاحوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں، عربوں کی صنعت وحرفت اور ان کی ایجادات واختراعات نے یورپ میں ایسی چیزیں پیدا کیں جن کا وہاں وجود نہ تھا، انہوں نے علم وادب کی اشاعت کی اور زراعت، صنعت وحرفت وغیرہ کو مستقل فن بنا دیا اور صوبہ بلنسیہ میں جو بند بنائے تھے وہ آج تک ان کی علمی وفنی برتری کے شاہد ہیں، عربوں کے ان عجیب وغریب ہندسی کارناموں کے بدولت ان کے اندلس سے نکلنے کے بعد بھی اندلسی چار صدیوں تک عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے رہے، اس انجینیر نگ کی وجہ سے اندلس کے پورے میدانی علاقہ میں پانی کی نہریں جاری تھیں، جس سے پورا علاقہ سرسبز وشاداب اور عربوں کے علمی ذوق کی وجہ سے ہر طبقہ میں عقلی لذتوں کا مذاق پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس شریفانہ مقابلہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، تمام عمارتوں میں ان کے بانیوں اور معماروں کے نام لکھے جاتے تھے کہ قوم اپنے محسنوں کا تذکرہ مدح وستائش کے ساتھ کرتی رہے، یورپ آج تک عربوں کے تعمیری اصولوں کا مطالعہ کرتا ہے اور انہوں نے جو نقش آرائیاں کی ہیں اور عمارتوں کے استحکام اور عظمت وشکوہ کو زینت وآرائش کے ساتھ جس

Marfat.com

طرح ہم آہنگ کیا ہے اس پر آج تک حیرت زدہ ہے، اندلس میں عربوں کی عظمت وشرف کی آخری پائیدار یادگار قصر حمرا اور غرناطہ کی جنۃ العریب ہیں، بعض یورپین علما کا بیان ہے کہ ''اندلس میں عربوں کے تمدن کے زمانہ میں وہاں چالیس میلین کاریگر اور اہل حرفہ تھے اور آج پورے اندلس کی کل آبادی بائیس ملین اور پرتگال کی چھ ملین ہے''۔

اندلس میں عربوں کے کارنامے : عربوں نے چند صدیوں کے اندر علم وفن اور مادی وسائل دونوں پہلوؤں سے اندلس کی شکل بالکل بدل دی اور اس کو تمام ملکوں سے زیادہ بلند کردیا، لیبان لکھتا ہے کہ ''اندلس کا یہ انقلاب محض مادیات اور عقلیات تک محدود نہیں رہا، بلکہ اخلاقیات پر بھی اثر انداز ہوا، عرب خود انسانیت کے سب سے قیمتی وصف ''رواداری'' سے واقف تھے اور نصرانی قوموں کو بھی اس کے سکھانے کی کوشش کی، مفتوح قوموں کے ساتھ ان کے لطف واحسان کا یہ حال تھا کہ اسپین کے اسقفوں نے ۷۸۲ء میں اشبیلیہ میں اور ۸۵۲ء میں قرطبہ میں اپنے دینی اجتماع منعقد کیے جو عربوں کے حسن سلوک کی ایک بڑی مثال ہے، اس کی دوسرے مثال اندلس کے وہ گرجے اور کنیسے ہیں جو عیسائیوں نے اسلامی دور میں تعمیر کیے، یہ واقعات اس کا ثبوت ہیں کہ جو لوگ عربوں کے قانون کی حفاظت میں تھے ان کے عقائد کا وہ کتنا احترام کرتے تھے، اسی حسن سلوک اور طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ بہت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کرلیا، حالاں کہ اس میں ان کا کوئی بڑا فائدہ نہیں تھا، کیوں کہ جو عیسائی عربوں کے تحت تھے ''وہ مستعربین'' کہلاتے تھے اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ویسے ہی مساوات برتی جاتی تھی جیسی یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان تھی، حکومت کے تمام عہدوں کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے تھے، اس زمانہ میں سارے یورپ میں اندلس ہی ایک ایسا ملک تھا جس میں یہودیوں کے حقوق محفوظ تھے، اسی لیے ان کی آبادی یہاں بہت بڑھ گئی تھی، اندلس میں جس طرح اسلامی حکومت کے محکوم عیسائیوں کو مستعربین کہا جاتا تھا، اسی طرح اسپین کے عیسائی حکومت کے محکوم مسلمانوں کو ''بدجنین'' کہا جاتا تھا'' سیڈ ملیو اور لیبان وغیرہ کا بیان ہے کہ ''اسپین کے عرب اخلاق علم اور صنعت وحرفت میں

Marfat.com

عیسائیوں سے بہت زیادہ ترقی یافتہ تھے،ان میں لطف وکرم واحسان کے ایسے اخلاق واوصاف تھے جو ان کے علاوہ دوسروں میں نہیں پائے جاتے تھے،نخوت وخودداری بھی ان کا امتیازی وصف تھا جس میں افراط بعض اوقات منحوس لڑائیوں کا جنون پیدا کردیتی تھی''۔

عربوں نے زراعت وباغبانی کے جدید طریقوں کو جو تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی تھے اور جن میں ان کو بڑی مہارت تھی اور وہ ان کا مخصوص فن تھا،اسپین میں پھیلایا اور اس سے حیرت انگیز نتائج پیدا کیے،اوسر اور چٹیل میدانوں کو قابل کاشت بنایا،شہروں کو آباد کیا،پڑوسی قوموں سے تجارتی تعلقات پیدا کیے جس سے زندگی نہایت خوشگوار ہوگئی،ان کے تجارتی جہاز مالقہ،بجایہ،مریہ،بلشونہ اور برشلونہ سے اندلس کی پیداوار مشرق اور مغرب میں لے جاتے تھے اور وہاں کی پیداوار اور سامان ساتھ لاتے تھے،اندلس کے عربوں نے خصوصاً عباسیوں سے تعلقات منقطع ہوجانے کے بعد اس کی بڑی کوشش کی کہ ان کا ملک ترقی کے کسی میدان میں عراق،ایران اور شام ومصر سے پیچھے نہ رہنے پائے،اس لیے انہوں نے عباسیوں کے پہلے اور دوسرے دور کی علمی رفتار سے باخبر رہنے کے لیے مشرقی ملکوں کے صدر مقامات میں اپنے گماشتے مقرر کردیے تھے کہ وہاں جو نئی کتابیں تصنیف ہوں ان کی نقل حاصل کرکے اور جو پرانی نادر کتابیں مل سکیں ان کو خرید کر بھیجیں ،تاکہ مشرقی علما کے علمی کام ان کی نگاہ سے مخفی نہ رہیں،حدیث کی طلب وتحصیل کے لیے اندلس اور مشرق کے درمیان سفر اور آمدورفت کا سلسلہ برابر قائم رہا،اسی طریقہ سے اہل مشرق بھی اندلس کے علما سے استفادے اور مغرب کے جو علوم ان کے یہاں نہیں پہنچے تھے ان کو حاصل کرنے کے لیے برابر اندلس آتے رہے،صاحب فرحۃ الانفس نے عربوں کے اوصاف وخصوصیات کا نہایت جامع نقشہ کھینچا ہے وہ لکھتے ہیں:

''اہل اندلس نسب کے تحفظ،عزت وخودداری،عالی ہمتی،زبان کی فصاحت،نفس کی خوبی وپاکیزگی،ظلم وزیادتی اور ذلت کے تحمل سے ابا،ملک میں فیاضی وسیر چشمی کسی کے سامنے سرخم کرنے اور پست ومبتذل باتوں سے اجتناب میں عرب ہیں اور علم کی جانب توجہ وانہماک،اس

Marfat.com

سے شغف اور اس کی تحریر وروایت میں ہندوستانی ہیں، طبیعت کی نفاست ونظافت، حسن مذاق، خوش اخلاقی، ذہانت وذکاوت، دقت نظر، طباعی، ذہن کی لطافت، فکر ونظر کی تیزی اور انتقال ذہنی میں بغدادی ہیں اور زمین سے پانی نکالنے، مختلف چیزوں کی باغبانی میں مشق ومہارت اور مختلف میووں کے انتخابات میں یونانی ہیں اور وہ اپنے تمام کاموں میں حسن وخوبی اور صناعی میں خوشنمائی پیدا کرنے کے لیے مسلسل محنت ومشقت کرنے میں بڑے صبر واستقلال سے کام لیتے ہیں شہسواری کے مشاق اور نیزہ بازی اور قادر اندازی میں بڑے ماہر ہیں''۔

اندلس اور علم: اندلسیوں نے ملک کے ہر حصہ میں مدرسے اور کتب خانے اور پایہ تختوں میں یونیورسٹیاں قائم کیں جو یورپ میں مدتوں تنہا علم کا مرکز تھیں، شاطبہ کے کاغذ سازی کے کارخانوں نے کتابوں کی کثرت میں بڑی مدد پہنچائی اور تعلیم کے ان نئے طریقوں سے مرد، عورت، موافق ومخالف سب علم کی روشنی سے منور ہو گئے اور قرطبہ تین صدیوں تک دنیائے قدیم کے سارے شہروں میں علم کی روشنی سے بقعہ نور بنا رہا اور علم وفن سے اندلس کے خلفا وسلاطین کی غیر معمولی دلچسپی اور دور دراز کے علما کو جمع کرنے کی حرص کی وجہ سے ان کے دربار اور محل علمی مجلسوں کے مشابہ اور ان کے کتب خانے گویا بیت الحکمۃ تھے، جن میں کتابوں کی نقل وکتابت، ان کی اصلاح ومرمت، جلد سازی اور کتابوں کے سنہرے کام اور نقش آرائی کے مستقل شعبے تھے یہ کتب خانے اتنے عظیم الشان تھے کہ ان کی کتابوں کی فہرستیں بیسیوں جلدوں میں تھیں۔

حکم ثانی (۱) علم وادب کا بڑا قدردان وسرپرست تھا، اس نے اندلس میں علم کی اتنی اشاعت کی کہ یہاں بہت کم لوگ ان پڑھ باقی رہے، اپنے پایہ تخت میں اس نے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا، جس میں مختلف علوم وفنون کی چار لاکھ کتابیں تھیں، حکم تاریخ کا بڑا عالم (۲) تھا، اس کے زمانہ میں جامعۃ قرطبہ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی جس میں طبعیات، ریاضی، فلکیات اور کیمیا جملہ علوم پڑھائے جاتے تھے، عبدالرحمن ثانی بھی بڑا عالم، ادیب، شاعر اور فلسفیانہ

(۱) المستنصر حکم بن عبدالرحمن الناصر ۳۵۰ھ۔ ۳۶۶ھ۔ (۲) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

Marfat.com

علوم کا ماہر تھا۔

اندلس پر امیر یوسف بن تاشفین کے قبضہ (۱) کے بعد جزیرہ کے ہر علم وفن کے بڑے بڑے علما اس کے پاس چلے آئے تھے اور اس کا دربار عباسیوں کے ابتدائی دور کے مشابہ ہو گیا، اس کے اور اس کے لڑکے (علی بن یوسف) کے دربار میں اتنے بڑے بڑے نامور کاتب، انشا پرداز اور میدان فصاحت کے شہسوار جمع ہو گئے تھے کہ اتنے کسی ایک زمانہ میں ایک جگہ جمع نہیں ہوئے تھے، مشہور فلسفی ابن طفیل اس کا خاص درباری عالم تھا، اسی نے دنیا کے گوشہ گوشہ سے علما کو بلا کر امیر یوسف کے دربار میں جمع کر دیا تھا اور اسی نے اس کی توجہ مشہور فلسفی ابن رشد کی جانب دلائی تھی۔

اندلس کے سلاطین کو بڑے بڑے علما کو وزیر بنانے کا بڑا شغف تھا جو حکومت کا نظام بھی بڑی حسن وخوبی سے چلاتے تھے ان میں سے اکثروں نے علم وفن کی مسند کی طرح ملکی سیاست، انتظام حکومت اور فوجوں کی قیادت میں بھی بڑا نام پیدا کیا، مثلاً ابن زیدون، ابن عبدون، ابن ابی الخصال، ابن خلدون، ابن الخطیب، ابن زہر، ابن سعید، ابن عمار، ابن الجد، ابن ایمن، ابن ہود، ابن سوار، ابوعبداللہ طاہر، ابن فرج، ابن لبون، ابن زرین، ابن ارقم، ابن القلاس، ابن غیطون، ابن القاسم، ابن زمرک، ابن حزم، ابن جبیر، ابن عبدالبر، ابن السید اور بکری وغیرہ جنہوں نے

(۱) پانچویں صدی کے وسط میں اندلس کی طوائف الملو کی اور یہاں کے چھوٹے چھوٹے مسلمان امرا کی خانہ جنگی کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی اور عیسائی حکمرانوں کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا، حتی کہ الفانسو ششم نے اسپین کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمان حکمرانوں سے خراج وصول کرتا تھا اور قریب تھا کہ اندلس سے اسلامی حکومت ختم ہو جائے، یہ صورت حال دیکھ کر اسپین کے مسلمانوں نے امیر یوسف بن تاشفین فرمانروائے مراکش جو اس زمانہ کا بڑا طاقت ور حکمراں تھا، مدد کے لیے بلا بھیجا، اس نے اسپین پر فوج کشی کر کے الفانسو کو بڑی فاش شکست دی اور مسلمانوں سے چھینے ہوئے مقامات اس سے واپس لے لیے اور اس کی کوشش سے مسلمانوں کی گرتی ہوئی عمارت کچھ دنوں کے لیے سنبھل گئی۔ ض م

Marfat.com

اپنے کارناموں سے اندلس کا چہرہ روشن کر دیا، امویوں، مرابطین، موحدین، پھر ان کے بعد بنی احمر اور دوسرے ملوک طوائف کا بھی یہی طریقہ رہا اور انہوں نے بھی معاف پروری میں عباسی، فاطمی، اخشیدی، طولونی، حمدانی، بنی بویہ، سامانی اور غزنوی وغیرہ مشرقی حکومتوں کی تقلید کی۔

عباسیوں سے تعلق منقطع کرنے کے بعد عبدالرحمن بن معاویہ چاہتا تھا کہ اندلس کے عرب اس کو اپنا اصلی وطن سمجھنے لگیں اور چوں کہ اس کو فوجوں اور بحری بیڑوں کی زیادہ ضرورت نہیں تھی، اس لیے وہ ملک کی آمدنی مفید اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کرتا تھا، اس کے جانشینوں نے بھی اس کی تقلید کی، ان میں سے بعد کے بعض سلاطین کے پاس اتنی مستعد اور ساز و سامان سے تیار فوجیں تھیں جو ادنیٰ اشارہ پر کوچ کے لیے تیار رہتی تھیں، جس سے یورپ اس زمانہ میں بالکل ناواقف تھا اور بہت بعد میں اس نے اس کو مشرقی سلاطین سے سیکھا، ہشام اموی کے زمانہ میں جس کو زہد و تقویٰ کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز کہا جاتا تھا، اسلام کا غلبہ و اقتدار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک شخص نے مرتے وقت وصیت کی تھی اس کے بعد اس کے ترکہ سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا جائے مگر اس زمانہ میں مسلمانوں کا اقتدار اتنا بڑھا ہوا تھا اور ان کے دشمن اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ جنگ کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، اس لیے آزاد کرنے کے لیے ایک غلام بھی نہیں مل سکا، اندلس کے عربوں نے یونانی اور لاتینی کتابیں بھی ترجمہ کیں، کتابوں کی نقل و ترجمہ میں ان کا حصہ مشرق کے عباسی خلفا سے کم نہیں رہا ہے اور انہوں نے ریاضی فلکیات، طبعیات، کیمیا اور طب کے درس و مطالعہ میں انتہائی کامیابی حاصل کی، اس کے لیے تجربہ گاہیں اور معمل تھے، صنعت و حرفت و تجارت میں ان کی ترقی آج کل کی ترقی یافتہ قوموں سے کم نہیں تھی اور وہ ہر قسم کے معدنیات، اسلحہ حریر، بانات، کھالیں، شکر اور کاغذ، افریقہ اور دوسرے مشرقی ملکوں میں بھیجتے تھے، آج بھی اسپین میں زمین کی سیرابی اور آب پاشی کے تمام اہم ذرائع عربوں ہی کی یادگار ہیں، انہوں نے وادی اندلس کے نام قابل کاشت علاقہ مختلف قسم کی زراعت رائج کی اور ان کی بلند تہذیب کے طفیل میں اندلس ایک ''جنت کبریٰ'' بن گیا، ان کی بلند ہمتی نے علم و فن اور صنعت و حرفت کی ہر شاخ کو حاصل کیا،

Marfat.com

ان کے عمومی قوانین (۱) اپنی عظمت و وسعت کے لحاظ سے روما کے قوانین کے مشابہ تھے، انہوں نے مسافروں کی سہولت کے لیے سڑکیں، پل اور سرائیں بنوائیں اور ملک کے ہر حصہ میں شفاخانے، جامع مسجدیں اور مسافر خانے تعمیر کیے، رینالڈی کا بیان ہے کہ ''مشرق کے عباسیوں کی طرح مغرب کے اموی بھی ہر کلیس کے عہد زرین کی یاد تازہ کرتے تھے'' اندلس کے سلاطین میں علم کے ذوق، اس کی اشاعت، اس سے شغف، اس کی جانب توجہ اور اس کی راہ میں فیاضی کے لیے حکم ثانی سب میں ممتاز تھا، اس نے ایک شہر قرطبہ میں ۲۷ درسگاہیں قائم کی تھیں، جن میں غربا کے لڑکے مفت تعلیم پاتے تھے، ڈوزی کا بیان ہے کہ ''اس زمانہ میں جب کہ یورپ کے سارے عیسائی ان بڑے بڑے اشراف و عمائد تک تعلیم کے متعلق سوچتے بھی نہ تھے، اندلس کا ہر فرد لکھنا پڑھنا جانتا تھا (۲) وزیر رضوان النصری نے ۷۶۰ھ میں غرناطہ میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، ابن الخطیب کا بیان ہے کہ ''رضوان النصری جیسے ذکی لوگوں کی مثالیں حکومتوں میں کم ملتی ہیں، اس نے صرف تجارت اور زراعت کے ذریعہ دولت پیدا کی اور ایسے تمدنی کام انجام دیے جس پر بڑے بڑے سلاطین تک رشک کرتے ہیں۔

مشرقیات کا پرتگالی عالم بولس لکھتا ہے کہ ''ہمارے روشن خیال پرتگالی ہم وطنوں کو اب جا کر برگزیدہ عربی قوم کے مرتبہ کا پورا اندازہ ہوا ہے اور انہوں نے اس کی قدردانی کا حق ادا کیا اور ان کے کارناموں کے جو آثار باقی رہ گئے ہیں ان کا درس و مطالعہ شروع کیا ہے، خصوصاً ان کے تعمیری ہندسہ کا جو ان کا خاص حصہ تھا اور جس پر ہمارے زمانہ کی متمدن قومیں بھی فخر اور حیرت کا اظہار کرتی ہیں... عربوں کی تاریخ جملہ علوم و فنون حتی کہ زراعت تک میں ان کی ذہانت و ذکاوت ترقی اور سیادت کے واقعات سے معمور ہے، اگر وہ جنگ میں کسی علاقہ کو ویران کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے تو اپنی کوشش زراعت میں فنی مہارت اور عجیب و غریب تدبیروں سے چند ہی سال میں

(۱) یعنی شرعی قوانین کے علاوہ دوسرے ملکی و شہری قوانین۔ (۲) تاریخ اسپین ڈوزی۔

Marfat.com

اس کو پھر صحیح معنوں میں باغ و بہار بنا دیتے تھے۔(۱)

اندلس کی حکومتوں کے امتیازی خصوصیات: اگر ہم علم و ادب کی تمام شاخوں میں اندلسی عربوں کی خدمات اور ترقی کی تفصیل میں پڑیں گے تو بحث بہت طول ہو جائے گی، گذشتہ ابواب ''عربی زبان کے توطن کے علاقے اور مشرقی و مغربی زبانوں پر اس کے اثرات''''اسلام کے عروج کے زمانہ میں یورپ کا حال''''یورپ میں عربی علوم کے اثرات''''عربوں کی شاعری اور ان کے فنون لطیفہ کا اثر یورپ پر''اور''مفتوحہ ملکوں میں عربوں کے اثرات''میں ہم ان میں سے بعض امور کی جانب اشارہ کر چکے ہیں، اس لیے آئندہ صفحات میں صرف عربوں کے عہد میں اندلس اور اس کی تہذیب کی ہلکی سی تصویر دکھانے کی کوشش کریں گے، کیوں کہ اسی جزیرہ سے عربوں کی روشنی مغربی یورپ میں پہنچی جس طرح سسلی سے وسط یورپ میں پہنچی تھی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک طرف انہوں نے جنوبی یورپ کو جنگ آزما فوجوں سے فتح کیا تو دوسرے طرف انہوں نے اپنے علم و فن اور صنعت و حرفت کی فوجیں بھی وہاں اتار دیں اور ان کے ذریعہ دور دراز علاقوں کے مردوں کو زندہ کیا، ان کو دہقانیت سے نکالا اور ان کو ترقی یافتہ زندگی کے معنی بتائے اور فلاح و سعادت کی لذت سے آشنا کیا، اگر چہ ان ملکوں میں عربوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی لیکن انہوں نے آٹھ صدیوں تک یہاں اپنی تہذیب کی جڑیں پیوست کیں اور اندلس میں بڑے بلند علمی و عملی کارنامے انجام دیے اور اپنا علمی ذخیرہ اور پاکیزہ اخلاق، لاتینی اور جرمنی اور انگریزی ملکوں میں منتقل کیا، مگر پاپاؤں کے تعصب کی وجہ سے یورپ کی بہت سی قوموں نے ان سے جنگ کی اور سب نے مل کر ان کو یورپ سے نکالنے کی کوشش کی لیکن اگر خود مسلمانوں کے حکمران طبقہ میں اختلاف نہ پیدا ہو گیا ہوتا تو وہ مدتوں وہاں حکومت کرتے اور اپنے کارناموں سے سارے روئے زمین کو فائدہ پہنچاتے۔

بعض فرانسیسی محققین کا بیان ہے کہ ''عرب جب ناربن اور بروفیسا وغیرہ پر قابض ہو گئے

---

(۱) موسیٰ کریم کی کتاب سیاحت کے اثرات''۔

Marfat.com

تو اس کو نہایت عمدہ طریقہ سے آباد کیا، صوبہ لیون کا فرمانروا شانچہ اپنے علاج میں عربی طبیبوں سے مشورہ لیتا تھا اور فرانس کے علما میں لفنر ایل اور لا بیہ دی کلونی نے قرطبہ کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی تھی اور فرانسیسوں نے زراعت کے طریقے، نہر کھودنے، دریاؤں سے کاٹ کر نہر نکالنے اور آب پاشی اور سیرابی کے نظام کو عربوں سے سیکھا تھا، انہوں نے اندلس میں ایسے ایسے درخت اور نباتات لگائے جو وہاں نہیں پائے جاتے تھے، یہاں سے وہ یورپ کے دوسرے ملکوں میں پہنچے اور قالین بافی اور جہاز سازی کی صنعت عربوں سے ہمارے یہاں آئی اور سینٹ ٹروفیم بارل، سینٹ سیزر اور سینٹ آن کے گرجوں میں اس کی بنی ہوئی بیش قیمت چیزوں کے نمونے موجود ہیں اور سینٹ بیر بارل کے گرجے میں انتہائی خوبصورت عربی نقش و نگار ہیں، عربوں نے دسویں صدی میں ہمارے ملک کو رومن نقش و نگار سے روشناس کیا۔

عربی سیاست کا ضعف: اندلس میں عربوں کے اس عروج و اقبال کے بعد ان کے حکمراں طبقہ کی باہمی پھوٹ کی وجہ سے ان پر ادبار و انحطاط طاری ہو گیا اور گو ان کی تہذیب پر زوال نہیں آیا لیکن ان کی حکومت و سیاست پر زوال آ گیا ان میں اتنی پھوٹ اور ایسی طوائف الملوکی پیدا ہو گئی تھی کہ بعض بعض صوبوں کے حکام بلکہ قضاۃ تک بادشاہ یا کم از کم اپنے صوبے کے آزاد حکمران بن جانا چاہتے تھے، بعض زمانوں میں مدعیانِ خلافت اور امیر المومنین کا لقب چاہنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی جن کی حکومت کے حدود حد نظر سے آگے نہیں بڑھتے تھے، ایک زمانہ میں بکثرت چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں، ابن حزم کا بیان ہے کہ:

طرطوشہ، سرقسطہ، افراغہ، لاردہ اور قلعہ ایوب بنی ہود کے قبضہ میں تھے، بلنسیہ کا علاقہ عبدالملک بن عبدالعزیز کے پاس تھا، طلیطلہ کے اس پار شمالی جانب کے سرحدی علاقہ میں بنی ذوالنون کی حکومت تھی، قرطبہ پر بنی جہور قابض تھے، اشبیلیہ پر بنی عباد کا قبضہ تھا، مالقہ اور جزیرہ خضرا پر بنی برزال بربری حکمراں تھے، مریہ کچھ دنوں تک زہیر عامری اس کے بعد ابن صمادح کے قبضہ میں رہا، صوبہ دانیہ اور مشرقی جزائر ''بالبار'' پر مجاہد عامری کی حکومت تھی، غرض امویوں کے

Marfat.com

خاتمہ ۴۰۷ کے بعد اندلس میں انیس چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوگئی تھیں، چنانچہ قرطبہ، اشبیلیہ، جیان، قرمونہ، غرب، جزیرۃ الخضراء، مرسیہ، بلنسیہ، دانیہ، طرطوشہ، لاردہ، سرقسطہ، طلیطلہ اور بشتونہ وغیرہ میں الگ الگ حکومتیں تھیں، اگر پانچویں صدی کے آخری میں مغرب اقصیٰ (مراکش) کا مرابطی (۱) فرماں رواں ابن تاشفین اس کے تدارک کے لیے اندلس نہ پہنچ گیا ہوتا تو ۸۹۷ تک اندلس عربوں کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتا تھا اور اگر ۶۳۵ھ میں سرخیل سلاطین (۲) بنی احمر غرناطہ اور اندلس کے دوسرے شہروں کو فتح کر کے دوبارہ شیرازہ مجتمع نہ کرتا تو وقت سے بہت پہلے مسلمانوں کی حکومت اندلس سے ختم ہوگئی ہوتی، مسلمان امرا کے اس اختلاف اور طوائف الملوکی سے ان کے پرانے دشمن عیسائی حکمرانوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع مل گیا اور وہ پرانی دشمنی کا انتقام لینے (اور ان کو آپس میں لڑانے) کے لیے ان کا ساتھ دینے لگے جس کے نتائج بہت برے ظاہر ہوئے، مسلمان امرا کی غفلت کا یہ حال تھا کہ ان کو صرف ''شراب کے ساغر مغنیہ عورتوں کے گانوں سے لطف اندوزی اور عمر گذاری کے لیے لہو ولعب کے علاوہ اور کسی چیز سے سروکار نہ تھا اور ان کی کمزوری اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ عیسائی سلاطین ایک عرصہ تک ان سے خراج وصول کیا، ان میں ایسے بدبخت بھی تھے جو اپنے باپ اور بھائی کے مقابلہ کے لیے ان کے فرنگی دشمنوں سے مدد لیتے تھے، اس لیے اندلس نے عربوں کی بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ خود ان کے اختلاف اور پھوٹ نے ہلاکت میں ڈالا اور اندرونی بیماری بیرون سے زیادہ سخت اور مہلک ہوتی ہے۔

یہ اندلس کی سیاست کے بگاڑ کا حال تھا، اس کے علاوہ اندلسی عربوں کی کمزوری اور زاول کے اجتماعی عوامل واسباب بھی تھے، ان میں سے بعض کی جانب ابن خلدون نے آٹھویں صدی میں اشارہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ''دوصدیوں سے اہل اندلس کی آبادی گھٹ جانے کی وجہ سے ان سے تعلیم کا چرچا ختم ہوگیا ہے اور علوم کی جانب ان کی توجہ بہت کم ہوگئی ہے، علم کی نشانی میں صرف عربی زبان وادب کی تعلیم رہ گئی ہے، فقہ کی اصلی حقیقت ختم ہوگئی ہے، اس کا صرف اثر ونشان

---

(۱) اس کی تفصیل اوپر لکھی جا چکی ہے۔ (۲) نصر بن یوسف بانی خاندان بنی احمر۔

Marfat.com

باقی ہے اور عقلی علوم کا نشان تک بھی باقی نہیں رہ گیا ہے، دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے تعلیم کی سند ختم ہوگئی ہے، لوگ ذریعہ معاش کے علاوہ عموماً دوسری چیزوں کی جانب بہت کم توجہ کرتے ہیں، مسلمان اپنے لباس، وضع قطع اور بہت سے عادات وخصائل حتیٰ کہ عمارتوں گھروں اور دیوراوں کی مصوری میں جلالقہ کی تقلید کرتے ہیں، یہ باتیں حکیمانہ نظر سے دیکھنے والے کے لیے جلالقہ کے غلبہ واقتدار کی نشانی ہیں''۔

مسلمانوں کا زوال اور اسپینیوں کا تعصب: عربوں کے دور میں ان کی حکومت سے اندلس اور اس کے اس پار کے ملکوں کو جو تمدنی فوائد حاصل ہوئے ہم نے اوپر اس کی ایک ناتمام تصویر دکھائی ہے، اب یہ دکھانا باقی ہے کہ عربوں کے ضعف وزاول کے بعد ان کے دشمنوں نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا، عربوں نے جب سے اندلس کی سرزمین پر قدم رکھا تھا اسی وقت سے انہوں نے یہاں ایسے کام انجام دیے جس سے ملک کے اصل باشندوں کو بڑا فائدہ پہنچا اور عرب اپنی حکومت کے پورے طویل زمانہ میں جو قریب قریب رومن دور حکومت کے برابر تھا رواداری، لطف ومدارات اور آزادی کا نمونہ رہے، مگر جب عیسائیوں کا زمانہ پھر پلٹا اور انہوں نے اندلس میں اسلام کے آخری قلعہ غرناطہ کو فتح کرلیا تو انہوں نے اس رواداری کی تقلید نہیں کی جو عربوں نے کئی صدی تک برتی تھی، بلکہ اس معاہدہ کے خلاف جو انہوں نے مسلمانوں سے کیا تھا ان کو انتہائی بے دردی سے مٹانے کی کوشش کی، اگرچہ وہ ان کو اندلس سے پوری طرح نکالنے میں ایک صدی کے بعد کامیاب ہوسکے۔

ان بربادیوں کے باوجود اتنے دنوں تک اندلس میں عربوں کے باقی رہ جانے کا سبب ان کی ذہنی برتری تھی، ملک کی ساری صنعت وحرفت ان کے ہاتھ میں تھی، ان پر اسپینیوں کا یہ الزام بالکل صحیح ہے کہ وہ اسپین کے سارے کاموں پر چھائے ہوئے تھے، اسی لیے اسپینی قوم نے ان کو اندلس سے نکالنے کا مطالبہ کیا تھا، مگر مذہبی پیشواؤں نے اس میں بڑی زیادتی سے کام لیا، انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سارے عربوں کو ایک سرے سے قتل کردیا جائے ان کا ایک گھر بھی باقی نہ

Marfat.com

رہنے پائے، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کسی کو بھی نہ چھوڑا جائے، فلپ روم نے ۱۶۱۰ء میں ظاہر میں تو یہ اعلان کیا کہ سب کو اندلس سے جلاوطن کر دیا جائے اور خفیہ ہدایت کر دی کہ قبل اس کے کہ عرب اندلس سے نکلنے پائیں ان کا بڑا حصہ قتل کر دیا جائے، چنانچہ اس ہدایت کے مطابق ایک چوتھائی عرب قتل کر دیے گئے۔

عربوں کی جلاوطنی اور ان کے قتل عام سے ملک میں خوشی اور مسرت کی ایک عام لہر دوڑ گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ملک ایک نئے انقلابی دور میں داخل ہوگا، اس ہلاکت آفرینی سے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، بڑے زبردست نتائج پیدا ہوئے، فرڈنینڈ نے عربوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ان کو مذہب اور زبان کی پوری آزادی دی تھی، مگر ۱۴۹۹ء میں جب عربوں کو مٹانے کا دور شروع ہوا تو اسپینی اس غلط دعویٰ پر کہ عرب عیسائی تھے ان کے بچوں کو زبردستی پکڑ کر تحقیق مذہبی کی عدالت (۱) میں لے جاتے تھے اور ان میں سے جس پر قابو پاتے اس کو زندہ جلا دیتے لیکن لاکھوں انسانوں کا جلا دینا مشکل کام تھا اور اس کام کی رفتار سست تھی، اس لیے اندلس کی سرزمین کو عربوں سے پاک کرنے کے لیے لارڈ بشپ کرڈینل (۲) نے جو مذہبی عدالت کا حاکم مطلق تھا اور بڑا عابد و زاہد شمار کیا جاتا تھا، یہ حکم دے دیا کہ ان تمام عربوں کو جو عیسوی مذہب قبول نہ کریں تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، ڈومینکی بلیڈا اس سے بھی سنگ دل تھا اس نے کہا کہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ جن لوگوں نے عیسائی مذہب قبول کیا وہ صدق دل سے بھی عیسائی ہوئے ہیں اور ان کا فیصلہ خدا ہی آخرت میں کر سکتا ہے کہ کون اس کے عذاب کا مستحق ہے اور کون نہیں ہے، اس لیے

(۱) تحقیق مذہبی کی عدالت سے مراد انکوئیزیشن ہے، یہ عدالت یورپ میں سب سے پہلے ان لوگوں کو سزا دینے کے لیے قائم کی گئی تھی جو رومن کیتھلک کے عقائد کے خلاف عقیدہ رکھتے ہوں، اس نے رومن کیتھلک کے علاوہ دوسرے عیسائی فرقوں کے لاکھوں آدمیوں کو بڑی دردناک سزائیں دیں اور ان کو زندہ آگ میں جلوا دیا، اندلس میں مسلمانوں کے خلاف بھی یہی عدالت تحقیقات اور فیصلے کرتی تھی۔ م

(۲) کرڈینل قرون وسطیٰ کے عیسائیوں کا ایک مذہبی عہدہ تھا۔ م

Marfat.com

بلا استثنا تمام عربوں کو قتل کر دیا جائے'' والٹیر کا بیان ہے کہ ''جس زمانہ میں عربوں نے اندلس فتح کیا تھا تو کسی ملکی نصرانی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا، مگر جب عیسائی غرناطہ پر قابض ہوئے تو کرڈینل کیمنس نے دینی حمیت کے جذبہ میں یا اس لیے کہ وہ ایک ایسا طبقہ پیدا کرنا چاہتا تھا جو اس کے دبدبہ کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہے، سارے عربوں کو عیسائی بنانا چاہا اور پچاس ہزار عربوں کو مجبور کیا کہ وہ اس مذہب کو قبول کریں جس پر ان کا ایمان نہیں ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بلیڈا ڈویلنکی نے تین چوتھائی جلاوطن عربوں کو اندلس سے نکلنے کے بعد راستہ میں قتل کرا دیا، ان میں سے ایک لاکھ اس مہاجر گروہ میں سے تھے جو افریقہ جا رہے تھے اس طرح چند مہینوں کے اندر اسپین نے اپنی کئی لاکھ رعایا کھودی سیڈ یلیو اور بہت سے مؤرخین کا بیان ہے کہ ''فرڈ ننینڈ کی فتح سے لے کر عربوں کی آخری جلاوطنی تک اسپین کے تیس لاکھ آدمی ضائع ہوئے'' اسپین کے سب سے بڑے مؤرخ فاڑیٹی (۱) کا بیان ہے کہ ''اسپین کے مختلف زمانوں میں جو عیسائی عرب ہلاک ہوئے یا غلام بنائے گئے ان کی تعداد ایک لاکھ سے اوپر ہے'' لیبان کا بیان ہے کہ ''ان مقتلوں کے مقابلہ میں سینٹ برتھالیمیو (۲) کے قتل گاہ کی کوئی حقیقت نہیں تھی، ان تینوں (۳) مقتلوں کا جیسا وحشیانہ اور سنگ دلانہ حادثہ بڑے سے بڑے وحشی اور سنگ دل فاتحوں سے بھی ظاہر نہیں ہوا، یہ اسپین کی بڑی بدقسمتی ہے کہ اس نے جس تیس لاکھ رعایا سے اپنے ہاتھوں اپنے کو محروم کیا اس میں تمام تر اونچے طبقہ کے علما اور صناع تھے۔

باوجودیکہ غرناطہ حوالہ کرنے کے معاہدہ میں مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت اور ان کی مذہبی آزادی کی تمام شرطیں موجود تھیں (۴) کہ وہ جس طرح چاہیں گے اپنے دینی مراسم ادا کرسکیں گے لیکن ایک مدت دراز تک ان شرائط پر عمل نہیں کیا گیا اور لارڈ بشپ کرڈینل سیزمروس

(۱) دیوان التحقیق محمد عبداللہ عنان۔ (۲) سینٹ برتھالیمیو ایک رومن کیتھلک ولی تھا ۱۵۷۲ھ میں اس کے عرس کے دن چارلس دہم بادشاہ فرانس کے حکم سے فرانس کے پانچ سو معزز پروٹسٹنٹ اور دس ہزار عوام قتل کیے گئے۔

(۳) اندلس میں ایک صدی کے اندر تین مرتبہ مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ (۴) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لفظ مورس۔

Marfat.com

کے بھڑکانے سے ۱۴۹۹ء میں غرناطہ کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مہم شروع ہوگئی، اسی کے ساتھ اس نے اسلامی علوم کی تمام کتابیں جمع کر کے جلوادیں، اس سے بیازین، بشرات، مریہ، باجہ، قادس اور رمدہ کے مسلمانوں میں شورش پھیل گئی، اس کی سزا میں ۱۵۰۱ء میں ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اسپین سے نکل جائیں یا عیسائی مذہب قبول کریں لیکن اس پر پورا عمل نہیں ہوسکا اور مسلمان نصف صدی سے زیادہ پہاڑی علاقوں میں نیم خودمختاری کی حالت میں موجود رہے، پھر قشتالہ کے تمام مسلمان عیسائی بنائے گئے اور ارجون کے مسلمانوں کو چھوڑ دیا گیا، مگر سولھویں صدی کے ابتدائی برسوں میں وادی کبیر کے مشرقی سینٹ میری کے بہت سے مسلمان عیسائی ہو گئے اور ۱۵۶۶ء میں ہیڈرڈ میں یہ حکم صادر ہوا کہ جو مسلمان اسپین میں باقی رہ گئے ہیں وہ عربی زبان استعمال نہ کریں، جس سے مسلمانوں میں بھی عربی زبان کو نقصان پہنچا، پھر ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے رسوم ورواج چھوڑ دیں، اپنا لباس اور طرز زندگی بدل دیں، اس حکم سے غرناطہ اور بشرات کے مسلمانوں میں بغاوت پھیل گئی اور کئی سال تک ان میں اور عیسائیوں میں جنگ کا سلسلہ قائم رہا تا آنکہ ۱۶۰۴ء میں مسلمانوں کی آخری جلاوطنی کا حکم صادر ہوا اور دو سال کے اندر تقریباً پانچ لاکھ مسلمان اسپین سے نکل گئے اور اس جزیرہ سے تاریخ اسلام کا صفحہ ختم ہو گیا۔

یہ تو اسپین میں مسلمانوں کے خاتمہ کی سرگذشت تھی، یہی انجام پرتگال کے مسلمانوں کا بھی ہوا، وہ کچھ دنوں تک تو پرتگال میں جمے رہے مگر پھر یہاں سے بھی نکلنا پڑا، مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد پھر واپس آ گئے، مگر غرناطہ سے ان کی جلاوطنی سے بہت پہلے جب وہ لشبونہ سے نکالے گئے تھے تو پرتگالیوں نے فرانسیسی، انگریز، جرمن اور بلجیم کے بحری ڈاکوؤں کی مدد سے مسلمانوں کے ساتھ بڑا وحشیانہ اور سنگ دلانہ برتاؤ کیا (۱) ان کے مردوں اور بچوں کو قتل اور عورتوں کو قید کر لیا، مسلمانوں کی ہر چیز برباد کر دی حتی کہ غذا کا ذخیرہ تک جلا دیا، اس قتل عام میں بیس ہزار سے زیادہ مسلمان مارے گئے، پرتگالی مؤرخ ہرکولانے دوسرے مؤرخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”جب

(۱) سیاست کے اثرات موسیٰ کریم۔

Marfat.com

فرنگیوں نے ۶۰۵ھ میں اندلس سے موحدین کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہا تو پاپائے روم نے مقدس جنگ کا اعلان کر دیا، اس اعلان پر اٹلی، فرانس اور جرمنی کی عیسائی فوجیں استنبول میں آکر مل گئیں اور ان کی دلی مراد پوری ہوگئی۔

اسپینیوں نے اندلس سے مسلمانوں کی ہر نشانی مٹادی، ان کے گھروں تک کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کیا، ان میں سب سے زیادہ اہم واقعہ عربی کی کتابوں کی بربادی تھی، اسلام اور تہذیب وتمدن کے سب سے بڑے دشمن کرڈنیل کسمینس نے غرناطہ میں عربی کتابوں کی بڑی تعداد خصوصاً کلام مجید کے نسخوں کو جلوانے کے بعد ۱۵۱۱ء میں عام حکم جاری کر دیا کہ پورے اندلس کی عربی کتابیں برباد کر دی جائیں (۱) چنانچہ پوری نصف صدی تک اس اندھے تعصب پر عمل ہوتا رہا، اگر عربی کتابوں کے لاتینی ترجمے باقی نہ رہ گئے ہوتے تو عربی تمدن کی نشانی کا بالکل خاتمہ ہو جاتا، مذہبی عدالت جس نے عربوں کے تمام آثار کو مٹانا اپنا فرض بنالیا تھا، عربی کے ان بیش قیمت مخطوطات کو بھی جو آج کل اسکوریال کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں آگ کا ایندھن بنادینا چاہا تھا، مگر مرکیز فیلاڈالا کے دل میں کچھ رحم آگیا اس نے ان کو بچالیا۔

عرب کئی صدی تک اپنے کاموں سے اسپین کو متمدن اور مہذب بناتے رہے اور یورپ کے دوسرے ملکوں کو بھی تہذیب سکھائی، مگر اس کا بدلہ ان کو یہ دیا گیا کہ جب ان کی سیاسی قوت کمزور پڑی تو وہ بڑی بے دردی سے قتل کیے گئے اور ان کے آثار مٹائے گئے، یورپ کے تمام ملکوں میں عربوں سے سب سے زیادہ ان ہی نے فائدہ اٹھایا تھا، مگر جب وہ اسپین سے جلاوطن کیے گئے تو وہ بالکل ویران ہوگیا اور ان کی صنعت وحرفت، زراعت اور علوم وفنون سب ختم ہوگئے اور عربوں کے نکلنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسپین یورپ کا سب سے پسماندہ ملک بن گیا، لین پول لکھتا ہے کہ "سرزمین اسپین سے اسلام کی جلاوطنی کے بعد اسپینیوں کی وحشت وجہالت اور ترقی کے میدان میں ان کی رجعت وپستی کی وجہ سے اسپینی مسلمانوں کی فضیلت اور زیادہ نمایاں

(۱) اسپین اور عربی تمدن از کاباٹون فرانسیسی رسالہ عالم اسلامی۔

Marfat.com

ہوگئی" لیبان کا بیان ہے کہ "غرناطہ میں کرڈینل کسمینس کو عربی کے جو مخطوطات مل سکے اور جن کی تعداد اسی ہزار تھی (یہ ایک شہر غرناطہ کی کتابوں کی تعداد ہے) ان کو جلانے کے بعد اس کو یہ یقین تھا کہ اب اس کے دین کے دشمنوں (مسلمان) کا نام تاریخ سے ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا" اس میں شک نہیں کہ اس نے ان کے تحریری آثار مٹا دیے، مگر انہوں نے سرزمین اندلس میں جو کارنامے انجام دیے ہیں، وہ رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

Marfat.com

تیرہواں باب
جزیرہ سسلی میں عربوں کا تمدن

عرب بحر روم کے جگر میں اور سسلی پر ان کی فوج کشیاں: عربوں کی ابتدائی فتوحات ہی کے زمانہ سے ان کے مسلسل حملوں سے بحر روم بھی، بحر فارس، بحر ظلمات اور بحر ہند کی طرح بحر عرب بن گیا تھا، ابن خلدون کا بیان ہے کہ:

''اس سمندر (بحر روم) کی ہر سمت میں وہ (عرب) چھا گئے تھے اور اس میں ان کا اقتدار اور دبدبہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ عیسائی قوموں کے جہاز کسی سمت نہیں آسکتے تھے اور عربوں نے اپنے پورے دور میں اس سمندر کو اپنی فتوحات کا بازی گاہ بنائے رکھا، بحر روم میں ان کے معرکے اور فتوحات مشہور ہیں، میورقہ، منورقہ، سردانیہ، یابسہ، صقلیہ، قوصرہ (پنٹیلیریا) مالٹا، کریٹ اور قبرص وغیرہ بحر روم کے تمام جزیروں پر وہ قابض ہو گئے تھے............ اور اپنی فتوحات کے دوران میں وہ اس سمندر کے تمام حصوں پر چھا گئے اور ان کے جہاز اس میں رواں دواں رہے، اسلامی فوجیں جنگی بیڑوں میں سسلی سے اس بڑے علاقہ تک جو سسلی کے مقابل اس کے شمال میں ہے، بحر روم کو عرضاً عبور کر کے فرنگی سلاطین پر حملے اور ان کے ملکوں پر تاخت کرتی ہیں، جیسا کہ فاطمیوں کے داعی اور سسلی کے حکمران خانوادہ بنی ابوالحسین کے زمانہ میں ہوتا رہا، اس زمانہ میں عیسائی قومیں اپنے جہازوں کو لے کر فرنگی، صقلی اور رومانی جزائر کے ساحل کے شمال مغرب میں ہٹ گئی تھیں اور اس سے آگے قدم نہ بڑھاتی تھیں اور اسلامی بیڑے غضبناک شیر کی طرح ہر طرف جھپٹتے

Marfat.com

تھے اور اس پورے سمندری علاقے کو مسلمانوں اور ہر قسم کے ساز و سامانوں سے بھر دیا تھا، وہ ان فوجکشیوں میں کبھی جنگ اور کبھی صلح کی روش اختیار کرتے تھے اور اس زمانہ میں بحر روم میں عیسائیوں کا ایک تختہ بھی تیرتا نظر نہ آتا تھا''۔

ابن خلدون کا یہ بیان بحر متوسط میں مسلمانوں کی حالت کا بہت اچھا نقشہ اور اس پر جامع تبصرہ ہے، عربوں نے سسلی اور بحر متوسط کے اکثر جزیروں پر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اس زمانہ میں پہلا حملہ کیا تھا جب ۳۴ھ میں امیر معاویہ نے غزوہ صواری میں اسکندریہ کے قریب پورا رومی بیڑا تباہ کر دیا تھا جس کی کمان قسطنطین بن ہرقل کر رہا تھا، اس میں ایک ہزار اور بعض روایتوں کے مطابق سات سو جہاز تھے اور اسلامی بیڑے کے جہازوں کی تعداد کل دو سو تھی اس کے باوجود رومیوں کو بڑی فاش شکست ہوئی۔

سسلی پر سب سے اول معاویہ بن خدیج کی جانب سے عبداللہ بن قیس فزاری نے حملہ کیا تھا، اس حملہ میں بعض فتوحات اور کچھ مال غنیمت بھی حاصل ہوا تھا، اس کے بعد ۴۵ھ۔۶۶۵ء میں وہ سسلی کے حالات کی تحقیقات کے لیے گئے ان کے بعد مختلف وقتوں میں مختلف فوجی افسر سسلی کی مہم پر جاتے رہے، پہلے حملہ میں عبداللہ بن قیس کو جواہرات سے مرصع سونے کے بت ہاتھ آئے تھے جن کو امیر معاویہ نے دمشق سے بصرہ بھیج دیا تھا، یہاں سے وہ فروخت کرنے کے لیے ہندوستان بھیجے گئے اور اس بارہ میں امیر معاویہ نے مسلمانوں کی نکتہ چینی کی پرواہ نہ کی، اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت عثمانؓ کے پاس بھجوا دیا اور سسلی کے حملہ میں مسلمانوں کی سلامتی، ان کی فتوحات اور حالات کی اطلاع دی اس کو سن کر حضرت عثمانؓ بہت مسرور ہوئے۔

سسلی کی مہم کی ذمہ داری والی تونس کے سپرد تھی، اس لیے مختلف اوقات میں اس پر حملوں کا سلسلہ جاری رہا، پہلی صدی کے آخر میں عیاش بن اخیل نے موسیٰ بن نصیر کے آدمیوں کے ساتھ سسلی پر حملہ کیا پھر دوسری صدی کے شروع میں محمد بن یزید انصاری حملہ آور ہوئے، ۱۳۰ھ میں عبدالرحمن فہری نے سسلی اور سرڈانیہ پر فوج کشی کی اور یہ سلسلہ برابر قائم رہا تا آنکہ ۲۱۲ھ میں

Marfat.com

زیادۃ اللہ بن اغلب کی جانب سے قاضی اسد بن فرات نے اس کو مستقل فتح کرلیا اور مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوگیا، زیادۃ اللہ نے اسد بن فرات کو دس ہزار جنگ آزما سپاہیوں اور ایک سو جہازوں کے ساتھ سسلی بھیجا تھا پھر بیس ہزار سپاہ اور تین سو جہاز کمک میں روانہ کیے تھے اور اس کی فتح کے بعد مامون کو اس کی اطلاع دی، اس کے بعد ۲۱۵ھ سے لے کر ۲۲۲ھ تک سسلی کے پایہ تخت پلرمو کا محاصرہ برابر جاری رہا اور بعض غیر مفتوحہ علاقوں پر فوج کشی ہوتی رہی، چنانچہ ۲۲۹ھ میں واثق باللہ عباس نے مسینی فتح کیا، ۲۴۴ھ میں اغلب نے فوج کشی کی، چوتھی صدی کے آغاز میں مسینی کے باشندے باغی ہوگئے تھے، اس لیے ۳۰۴ھ میں عبیداللہ المہدی فاطمی نے فوج کشی کر کے اس کی شہر پناہ مسمار کی اور ۳۴۵ھ میں معزالدین اللہ نے اس کو دوبارہ فتح کیا، ۵۱۵ھ میں علی بن یوسف بن تاشفین نے اس کے بعض شہر فتح کیے۔

انگریز مورخ سنگر لکھتا ہے کہ ”سسلی کو جو بیزنطینی شہنشاہیت کے ماتحت تھا، عربوں نے فتح کیا اور ۸۳۱ء میں اس کے پایہ تخت پلرموپران کا قبضہ ہوگیا اور فتح وکامرانی برابر ہلال کے ہمرکاب رہی، تا آنکہ ۸۴۰ء میں اس کا اقتدار روما پر بھی قائم ہوگیا اور جس طرح نیپلز اور سلرنو پران کا قبضہ ہوگیا تھا، اسی طرح جنوبی اٹلی کے صوبوں میں بھی ان کی حکومت قائم ہوگئی، البتہ ماؤنٹ کا سینیو پر جو وینس کے دو بڑے راہبوں کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ”دیر الرہبان“ کہلاتا تھا اور اندرونی اٹلی سلرنو سے ستر میل کی مسافت پر نہایت سنگین اور مستحکم شہر تھا، ۸۸۴ء میں قبضہ ہوسکا اور اس پران کی اٹلی کی فتوحات کا خاتمہ ہوگیا۔

عرب جنوبی اٹلی میں: سسلی پر عربوں کے قبضہ کے حالات معلوم ہوجانے کے بعد جہاں دو صدیوں تک ان کی مضبوط حکومت قائم رہی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی پتہ چلایا جائے کہ بحر روم کے جزیروں، شہروں اور قلعوں کو فتح کرنے کے بعد عربوں کے قدم اس حد پر رک گئے یا آگے بڑھے، تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ عرب اسی حد پر نہیں رکے، بلکہ انہوں نے جنوبی اٹلی کے بعض حصوں پر بھی قبضہ کرلیا تھا، چنانچہ کلبریا، ٹرنٹو، باری، ریگیو وغیرہ لنگو برڈیا (موجودہ لمبارڈیا)

Marfat.com

اور پولیا وغیرہ بھی انہوں نے زیرنگیں کر لیے تھے اور دوسری سمت جنیوا فتح کرتے ہوئے روما تک پہنچ گئے تھے۔

اس زمانہ میں لنگوبرڈیا کا اطلاق حسب ذیل علاقوں پر کیا جاتا تھا۔ اس سے مراد اٹلی کی لنگوبرڈی حکومت تھی یعنی جو حکومت لنگوبرڈی بہادروں نے قائم کی تھی یہ حکومت ۵۶۸ء سے لے کر ۷۷۴ء تک قائم رہی اور اس کے دور عروج میں اس کا اطلاق پورے شمالی اٹلی پر ہوتا تھا۲۔ اس سے مراد لنگوبرڈین ڈیوکس کی وہ جاگیردارانہ ریاستیں بھی تھیں جو مرکزی لنگوبرڈی حکومت کے خاتمہ کے بعد باقی رہ گئی تھیں، مثلاً جنوبی اٹلی میں بنونٹو، کپوا اور سالرن کی ریاستیں۳۔ تیسرے اس سے مراد وہ علاقہ تھا جس کو یونانی یوکلیہ (اپولیا) کہتے تھے، اس کو انہوں نے دسویں صدی عیسوی میں چھڑانے کی کوشش کی تھی، لنگوبرڈیا کا نام اس زمانہ میں لبارڈیا ہو گیا ہے، اس میں وہ کل علاقہ شامل ہے جس سے لنگوبرڈی خاندان کی حکومت کا تعلق تھا، آج کل یہ علاقہ میلان، برکامو، برشیا، کومو، کرسمیونا، مانٹوفا، بافیا، ساندریو اور فاربسی پر مشتمل ہے، شریف ادریسی اسی علاقہ کو انبرضیہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

نویں صدی عیسوی میں جنوبی اٹلی کا پورا علاقہ لنگوبرڈی ریاست میں تھا جو نبونٹو کے نام سے موسوم تھی، یہ ریاست اس حیثیت سے ڈیوکی رومیہ اور اسپالٹو سے ملی ہوئی تھی کہ اس کی شمالی سرحد اس مقام سے شروع ہوتی تھی جہاں دریائے ٹرنٹو بحر ایڈریاٹک میں ملتا ہے اور دریائے ٹرانو سے ہوتی ہوئی ٹریسینا تک چلی جاتی تھی اور جنوب میں اس کی سرحد صوبہ اپولیا کے بڑے حصہ سے ملی ہوئی تھی جس میں ٹارنٹو، برنڈیزی، باری اور شمالی کلبریا کے تمام شہر جنوبی کوزنزا تک شامل تھے اور جنوبی سمت کا اپولیا اور کلبریا کا علاقہ بیزنطینی حکومت کے ماتحت تھا، مگر دریائے ٹرانٹو کی تین ساحلی نوابیوں نیپلز، گٹیا اور امالفی نے اپنی آزادی قائم رکھی تھی اور ان پر نبونٹو ریاست کا کوئی اقتدار نہ تھا جو بیزنطینی حکومت کے نام سے حکمرانی کرتی تھی، نبونٹو حکمران ان تینوں ریاستوں پر ہمیشہ حرص وطمع کی نگاہ ڈالتے رہتے تھے اس لیے ۸۳۵ء میں نیپلز کی ریاست اپنے بقاو تحفظ کے لیے سسلی کے

Marfat.com

عربوں سے دوستی کا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئی جو ۹۰۰ء تک قائم رہا۔

۸۳۹ء میں اس نواح کے دو حکمرانوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی اور دونوں عربی فوج سے مدد لینے پر مجبور ہوئے، مگر پھر ۸۴۹ء میں دونوں نے صلح کر لی اس کی رو سے ان کی ریاست دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، ایک بنونٹو ریاست کہلانے لگی اور دوسری سالرن کی، اس زمانہ میں عربوں نے سسلی کے پایہ تخت پلرمو سے مشرقی اٹلی پر حملہ کیا اور برنڈیزی پر قابض ہوگئے، یہاں کے حکمران نے مدافعت کی کوشش کی مگر اس کی کوئی سبیل نہ نکل سکی، عربوں کو اطلاع ملی کہ وہ ایک بڑے حملہ کی تیاری کر رہا ہے اس لیے انہوں نے برنڈیزی کو تباہ کر دیا اور سسلی لوٹ آئے، ۸۴۰ء میں انہوں نے ٹرنٹو پر قبضہ کر لیا جو دریائے اڈریاٹک پر نہایت اہم بحری مرکز تھا اس کے کچھ دنوں بعد ۸۴۲ء یا ۸۴۳ء میں کریٹ کے عرب وہاں پہنچ گئے۔

عربوں کے ان حملوں سے وینس کے باشندوں کو اپنی تجارت کے متعلق خطرہ پیدا ہوگیا تھا، قیصر روم تھوفیل نے بھی ان کو عربوں کے خلاف ابھارا اس لیے وہ ساٹھ جنگی جہازوں کا بیڑا لے کر سسلی کی طرف بڑھے، ٹرنٹو کے مقابل میں دونوں کا سامنا ہوا، عربوں نے اہل وینس کو بڑی فاش شکست دی اور ان کے بیڑے کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا جو لوگ زندہ بچ رہے وہ گرفتار ہوئے اور مسلمان دریائے اڈریاٹک کے شمالی سمت ڈلماسیا تک بڑھتے چلے گئے اور ۸۴۰ء میں جزیرہ اوسرد کے شہر کوسو کو تباہ کر دیا اور دریائے اڈریاگ کو عرض میں عبور کر کے انکونا کے کچھ آدمی گرفتار کر لیے اور واپسی میں اہل وینس کے کئی جہاز مال غنیمت میں حاصل ہوئے، ابن اثیر نے ۲۲۵ھ کے حوادث کے تحت ان ہی لڑائیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "اسلامی بیڑے نے قلوریہ پر فوج کشی کر کے اس کو فتح کیا اور بادشاہ قسطنطنیہ کو فاش شکست دی وہ شکست کھا کر قسطنطنیہ لوٹ گیا اور مسلمانوں کو بہت بڑی فتح حاصل ہوئی" قلوریہ سے اس کی مراد وہ علاقہ ہے جس کو آج کل جزیرہ نمائے سالنٹیسنا کہا جاتا ہے اور جو اپولیا کا جنوبی حصہ ہے، ٹرنٹو اور برنڈزی اسی علاقہ میں واقع ہیں۔

Marfat.com

۸۴۱ء میں عرب کارنز میں داخل ہوئے اور وینس کے بیڑے کو بڑی فاش شکست دی، اس مرتبہ سسلی اور کریٹ کے عربوں نے مل کر باری پر قبضہ کر کے شہر کپوا کو تباہ کر دیا اسی زمانہ میں اس نواح کے دو اطالوی حکمرانوں میں سخت مخالفت پیدا ہوگئی ان میں سے ایک نے افریقہ کی اسلامی فوجوں سے مدد مانگی اور دوسرے نے کریٹ کے مسلمانوں سے اس سے مسلمانوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے دوبارہ ٹرنٹو پر جوان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا قبضہ کر لیا، اس کے بعد ۸۴۶ء میں حالات بدل گئے، دونوں حکمرانوں نے آپس میں ملک تقسیم کر کے صلح کر لی اور طے کیا کہ دونوں میں سے کوئی مسلمانوں سے مدد کا طالب نہ ہوگا، ۸۵۰ء میں مسلمانوں اور بادشاہ فرانس لوئی روم کی فوج میں معرکہ ہوا اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کا سپہ سالار کام آیا اور پھر ٹرنٹو مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، اس لیے امیر عباس بن فضل کے حکم سے جس نے قلوریہ میں مسلمانوں کو بسایا تھا دوبارہ ٹرنٹو کا محاصرہ کیا گیا۔

باری کی اسلامی ریاست اس نواح کے سرحدی علاقوں پر برابر حملے کرتی رہتی تھی، اس کے سرغنہ زیادہ تر مفرج بن سلام تھے جنہوں نے بلاذری کے بیان کے مطابق چوبیس قلعے فتح کیے اور مصر کے عباسی صاحب البرید (اخبار نویس) کو اس کی اطلاع دے کر اس سے خواہش کی کہ اس وقت اس کی حیثیت ایک غاصب کی ہ اور اس کی اور اس کے ساتھوں کی نماز بھی جائز نہیں ہوتی، اس لیے وہ کوشش کر کے امام وقت (عباسی خلیفہ) سے اس کو اس کے مفتوحہ علاقہ کی سند حکومت دلوا دے تاکہ اس کی حیثیت غاصب اور متغلب کی نہ رہ جائے، اس نے باری میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی تھی اس کا تعلق غالباً شمالی افریقہ کے اغالبہ سے نہیں تھا، بلکہ کریٹ کے عربوں سے تھا، اسی لیے اس نے اپنی حکومت کے جواز کے لیے خلافت بغداد کی جانب رجوع کیا تھا ظن غالب یہ ہے کہ اپولیا کے پورے علاقہ پر مفرج کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، اس کے بعد امیران اٹھا جس نے پورے جنوبی اٹلی کو تاخت و تاراج کر ڈالا اور اس کی تاخت جنوبی نیپلز اور رسالرن تک پہنچ گئی تھی، وہ یہاں کے باشندوں میں خونریزی میں مشہور تھا، اس کے بعد ۸۷۱ء میں بادشاہ فرانس لوئی دوم

Marfat.com

اٹلی پہنچا اور باری پر قبضہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا اور ۲۹ رسال کے بعد یہاں سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی، مگر ان کی حکومت یہاں اتنی کم رہی تھی کہ سسلی کی طرح انہوں نے کوئی علمی اور صنعتی آثار نہیں چھوڑے۔

اس کے بعد جنوبی اٹلی کے باشندوں اور عربوں کے درمیان ۸۷۰ء سے لے کر ۹۰۲ء تک بڑے خونریز معرکے برپا رہے، اٹلی میں عربوں نے دوسری ریاست ۸۸۳ء میں اس علاقہ میں قائم کی جہاں دریائے گری گلیانو دریارے ٹیرین میں گرتا ہے، یہ حکومت ۹۱۵ء تک قائم رہی، ۹۳۴ء میں عرب جنیوا پر بھی قابض ہو گئے تھے، مگر پھر اس کو لوٹ کر چھوڑ دیا، کلبریا کے علاقہ پر ان کا قبضہ متفرق طور سے رہا، یعنی اس کے مختلف حصے کبھی عربوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے قبضہ میں چلے جاتے تھے اور کبھی عیسائیوں کے علاقے عربوں کے قبضہ میں چلے آتے تھے لیکن رومیہ عربوں کا قبضہ کبھی نہیں ہوا اور وہ ۸۴۶ء میں اس کے شہر پناہ کے قریب تک پہنچ کر رہ گئے اور پٹیر اور پولس مقدس کے گرجوں کو جو اس زمانہ میں شہر پناہ کے باہر تھے لوٹ لیا تھا، مگر اس کے آس پاس دیہات کے باشندوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو واپس جانے پر مجبور کر دیا، بنی الحسن بن علی نے بکیو میں ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کی تھی، اس کے ایک گوشہ میں اذان دینے کے لیے منارہ بھی تھا، مسلمانوں نے رومیوں سے یہ شرط کر لی تھی کہ وہ ان کو اس مسجد کی آبادی اور اس میں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے نہ روکیں گے اور کسی عیسائی کو اس میں آنے کی اجازت نہ ہوگی اور جو مسلمان قیدی خواہ مرتد ہو چکا ہو یا اپنے مذہب پر قائم ہو جب مسجد میں آجائے گا تو اس کی جان محفوظ رہے گی، اگر مسجد کی ایک اینٹ کو بھی عیسائیوں نے نقصان پہنچایا تو سسلی اور شمالی افریقہ میں ان کے سارے گرجے مسمار کر دیے جائیں گے اس لیے رومیوں نے ان تمام شرائط کو پورا کیا لیکن یہ مسجد کل چار سال آباد رہ سکی۔

سسلی کا نقشہ اور اس میں عربوں کا کارنامہ: قدیم جغرافیہ کے بیان کے مطابق سسلی کا طول سات دن کی مسافت کے بقدر تھا اور پورے جزیرہ کا دور پندرہ دن کا تھا، نئی اصطلاح میں

Marfat.com

اس کی مسافت ۲۴۰ و ۲۵ کیلومیٹر ہے، یہ جزیرہ افریقہ، یورپ اور ایشیا کا اہم نقطۂ اتصال ہے اس لیے ہر زمانہ میں بحری حکومتوں کے فاتحوں کا ہدف رہا ہے، عربوں کے آخری دورِ حکومت میں چھوٹے چھوٹے مواضعات اور مزرعوں کے علاوہ سسلی میں ایک سوتیس شہر اور قلعے تھے جن میں خاص شہر ٹراپنی، زارا، گرگنٹی، ٹیرا، سراکیوز، کٹانیا، بطرنوا، بیقس، مسینا، رقطہ، ومنس، قلعۃ القوارب، قلعۃ الصراط، قلعۃ البلوط، قلعہ ابی ثور، بطرلیہ، ترمینی، قریوں، برطفیف اور برطنہ تھے۔

عرب فاتحوں نے سسلی پر قبضہ کے بعد اس کے باشندوں کے عادات و رسوم، قوانین اور مذہبی آزادی میں کوئی مداخلت نہیں کی، ان کو بجنسہٖ قائم رکھا اور صرف معمولی خراج لینے پر اکتفا کیا جس کی مقدار یونانیوں کے زمانہ کے خراج سے بہت کم تھی (۱) اس سے بھی راہبوں، عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ کر دیا جو گرجے موجود تھے ان کی پوری حفاظت کی، البتہ اندلس کے برخلاف یہاں نئے گرجے بنانے کی اجازت نہیں دی، زراعت اور صنعت و حرفت کو زندہ کیا اور بہت سی نئی چیزوں مثلاً بردی اور مران (۲) کی کاشت جو پہلے سسلی میں نہیں تھا، شروع کی اور آب پاشی کا ایسا بہتر نظام قائم کیا جو ہمیشہ آنکھوں کو دعوت نظارہ دیتا رہا اور سسلی کے باشندوں کو نل اور پمپ کی نالیوں کا طریقہ سکھایا جس سے وہ بالکل ناواقف تھے، کاغذ سازی کے کارخانے قائم کیے اور یہ صنعت سسلی ہی سے اٹلی پہنچی، سسلی میں سونے، چاندی، پھٹکری، سرمہ، لوہا، سیسہ، و رنوشادر کی کانیں کھودیں اور اہل جزیرہ کو ریشم بنانے کی صنعت سکھائی، نورمبرگ میں سسلی کے کسی مسلمان بادشاہ کی ایک ریشمی چادر اب تک موجود ہے جس میں خط کوفی میں ۵۲۰ھ چھپا ہوا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کپڑوں کو رنگنے کی صنعت بھی سسلی ہی سے یورپ میں پہنچی، یہاں کے کارخانوں میں جواہرات سے مرصع کپڑے، منقش و مصور قالین مدلع کھالیں اور خوبصورت زیوارت تیار ہوتے تھے اور دوسرے ملکوں میں دساور کیے جاتے تھے، یہ چیزیں پلرمو اور مزارا کے کارخانوں میں بنتی تھیں، ان

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ (۲) بردی ایک قسم کی گھاس ہے جس سے کاغذ بنایا جاتا تھا، مران پتلے بانس کی قسم کی ایک لکڑی جو نیزوں میں استعمال ہوتی تھی۔

Marfat.com

کی بڑی مانگ اور مشرقی و مغربی بادشاہوں کے درباروں میں ان کی بڑی شہرت تھی (۱) عربوں سے پہلے سسلی میں تجارت بہت معمولی حالت میں تھی ان کے زمانہ میں بہت سی قسموں اور چیزوں کی تجارت رائج ہوگئی، عرب تونس اور سسلی کی بعض بندرگاہوں نے جہاز سازی کے کارخانوں میں جہاز تیار کرتے تھے۔

ڈیبل کا بیان ہے کہ ''عرب اپنے ساتھ سسلی میں خوبصورت، بڑے پل، حسین کاشانی پردے، رنگین پتھروں کی پچہ کاری، ان کے خوبصورت نقش ونگار اوران کی دوسری حسین وجمیل اور خوش نما صناعیاں وغیرہ اپنے فنی کمالات کے عجیب وغریب مظاہر ساتھ لائے، یہ چیزیں ارباب ثروت اور عیش پرستوں کے لیے مخصوص تھیں، جب سسلی میں نئے حکمرانوں نے ان کی جگہ لی اس وقت بھی یہ چیزیں بالکل ختم نہیں ہوگئیں، بلکہ ان کے اثرات باقی رہے، چنانچہ نارمنون کے زمانہ میں عربوں کے طرز تعمیر کے مطابق عمارتیں بنائی جاتی تھیں اور نارمن امرا کی عمارتیں عرب معمار اور انجینیر بناتے تھے، اس طرح انہوں نے اپنے علوم اور اپنی وراثت نارمن سلاطین کو منتقل کردی جو اپنے پیش رووں سے زیادہ خوش قسمت تھے، اس لیے ان کے کام زیادہ پائیدار ثابت ہوئے اور وہ سب ان کے حصہ میں رہے.........۸۳۱ء میں جب پلرمو پایہ تخت بنا تو اس پر ہر شعبہ اور ہر فن میں ترقی کے دروازے کھل گئے اور چند صدیوں میں وہ تہذیب وتمدن کے درجۂ کمال کو پہنچ گیا تھا۔

یہ مصنف لکھتا ہے کہ ''سسلی میں عربوں نے یونانیوں کی جگہ لی تھی اور دو صدیوں تک ان کی بڑی ترقی یافتہ اور پرشکوہ حکومت قائم رہی اور انہوں نے یہاں بہت عرب آباد کیے، ان کی تعداد مغربی اور وسطی حصہ علاقہ میں زیادہ تھی، چنانچہ گیارہویں صدی کے آخر میں سسلی کی آدھی آبادی عرب تھی اور باقی یونانی عربوں کے بعد نارمنون نے بھی سسلی میں رومن کیتھلک، یونانی اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہیں کیا جس طرح تھوڑے دنوں کے بعد شام میں کیا، انہوں

(۱) سسلی پر اسلامی اقتدار از حسن حسنی عبدالوہاب۔

Marfat.com

نے اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا کہ وہ اس طرح رعایا کے عادات و اخلاق اختیار کریں اور جس میں دونوں کے حقوق کی رعایت ہو اور دونوں کو اس کا حصہ برابر ملے، اس طرح وہ اپنے اصول وعقائد کے لحاظ سے نارمن تھے لیکن تمدن کے لحاظ سے بیزنطینی اور عرب ہو گئے تھے اور وہ گیارہویں صدی کے وسط میں سیاسی رواداری اور مذہبی گروہ بندی سے علاحدگی کا نہایت دلکش اور نادر نمونہ تھے۔

فی الجملہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عرب اس زمانہ میں سسلی پر قابض ہوئے جب مشرق ومغرب دونوں میں اس کی تہذیب تاباں اور درخشاں تھی، اس لیے انہوں نے اپنے تمام علوم اور صناعیاں اور عادات و اخلاق سسلی میں منتقل کر دیے اور جیسا کہ اماری نے اپنی کتاب ''مسلمان سسلی میں'' لکھتا ہے کہ سسلی کی محکومی رعایا مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں بڑی راحت و مسرت کی زندگی بسر کرتی تھی اور اس کی حالت اس کے ان اطالوی بھائیوں سے کہیں بہتر تھی جو جرمنوں اور فرنگیوں کے ماتحت پرمحن اور بے کسی کی زندگی بسر کر رہی تھی توفتز کا بیان ہے کہ ''مسلمانوں کے قبضہ کے بعد سے لے کر انیسویں صدی تک سسلی کا ملک برابر ایک اجنبی کے ہاتھ سے دوسرے اجنبی کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہا اور خود اہل ملک اپنے حکمراں نہ بن سکے، اس سارے زمانہ میں وہ تہذیب وتمدن کے اعلیٰ درجہ پر مسلمانوں کے عہد یا ان نارمنوں کے زمانہ میں پہنچا جو نئے نئے عیسائی ہوئے تھے۔

سسلی کی آبادی: سسلی کے تمام بڑے اور مرکزی شہروں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ان میں سے بعض شہر نہایت خوبصورت تھے، ادریسی، قزوینی، یاقوت اور ابن حوقل نے ان کے اوصاف تحریر کیے ہیں، چنانچہ پلرمو کی جامع مسجد کے حالات میں ہے کہ ''اس کی صناعیوں کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جاسکتا، پلرمو میں تین سو سے زیادہ اور اکثر شہروں مثلاً قسطانیہ وغیرہ میں بکثرت مسجدیں تھیں، قریۃ البیضاء میں دوسو مسجدیں تھیں، ابن حوقل لکھتا ہے کہ ''میں نے اس سے بڑے اور اس سے دوگنے شہروں میں بھی مسجدوں کی اتنی تعداد نہیں دیکھی اور نہ کبھی سننے میں آئی'' ادریسی پلرمو کے حالات میں لکھتا ہے کہ ''اس شہر میں ایسی خوبصورت عمارتیں ہیں کہ سیاح ومسافر ان کے تعمیری حسن وجمال کا اشتہار دیتے پھرتے ہیں، اس کے دو حصے ہیں، ایک قصر دوسرا ریض

Marfat.com

قصر سے وہ قدیم اور مشہور قصر مراد ہے جس کی شہرت ہر ملک و دیار میں ہے، اس کے تین حصے ہیں، ایک حصہ میں عالی شان محلات، بلند و بالا عمارتیں، بہت سی مسجدیں، سرائیں، حمام اور بڑے تاجروں کی دوکانیں اور کوٹھیاں ہیں، باقی دونوں حصوں میں بھی بڑے بڑے محل اور عالی شان عمارتیں ہیں، گیارھویں صدی عیسوی میں سسلی کے ہر شہر میں مسلمانوں کے خاص خاص محلے تھے جن میں وہ رہتے تھے اوران کے خاص بازار اور حکام تھے ہر شخص کو پوری آزادی حاصل تھی، جامع مسجدیں سب کے لیے کھلی ہوئی تھیں، مذہبی آزادی عام تھی اور گرجے مسجدوں کے برابر تھے۔

سسلی کے اکابر: سسلی میں بہت سے علما، محدثین، فقہا، ادبا، اطبا اور فلاسفہ پیدا ہوئے، ان کے گروہ اسد بن فرات امام مالک کے اصحاب میں تھے، فقہ میں ان کی تصنیف اسدیات ہے، وہ نامور کاتب بھی تھے، قاضی میمون بن عمرو بن حمدیس شاعر اور صاحب دیوان تھے انہوں نے سسلی سے جلاوطنی کے وقت یہ مرثیہ کہا تھا:

ذكـرت صـقلية والأسـى یهیج بها النفس تذكارها
فـان كـنـت اخرجت من جنة فــانـى احـدث اخبــارهــا
ولــولا مـلـوحة ماء البكـاء حسبت دموعي انهارها
ضحكت ابن عشرين من صبوة بيكت ابن ستين اوزارها

ان کے علاوہ سسلی کے بڑے لوگوں میں حسب ذیل مشاہیر تھے۔

ابوعرب الصقلی، ابن بشرون، ابن الفحام، شریف ادریسی، ابن ظفر، ابن القطاع صاحب الدرة الخطیر ہ والمختار من شعراء الجزیرہ، اس میں ایک سو ستر صقلی شعرا کا تذکرہ ہے، حسن بن یحی المعروف بابن خزاز صاحب تاریخ صقلیہ، ابن حوقل جغرافی ۳۶۲ھ میں سسلی آیا تھا، اس نے اہل صقلیہ کے محاسن پر ایک کتاب لکھی ہے، ابن سابق، عیسی بن عبدالمنعم محمد بن عیسی یہ ہندسہ، نجوم اور حکمت کے بڑے عالم تھے، ابوسعید بن ابراہیم طبیب صاحب المنہج فی التداوی، ابن القونی کاتب، ابوعبداللہ الصقلی فیلسوف، عبدالعزیز اغلبی کاتب، مہری، قضاعی، صباغ، سرقوسی، مازری صاحب تصانیف

Marfat.com

مشہورہ بشیری، کرکنتی، شافی، طرابنشی، بلنوبی اور سمنطاوی وغیرہ جو جزیرہ کے مختلف شہروں کی نسبت ہے مشہور تھے ان کے علاوہ اور بہت سے علما اور مشاہیر تھے جنہوں نے اپنی تصانیف، تحقیقات اور صفتوں کے ذریعہ عربی قوم پر بڑا احسان کیا ہے جن میں بڑے بڑے عالم، ادیب، فلسفی، طبیب اور مہندس تھے اور جزیرہ سسلی کی مادی اور معنوی ترقی میں ان کا بڑا ہاتھ تھا،

سسلی سے مسلمانوں کا اخراج اور نارمنون کا قبضہ: باشندگان سسلی کا بڑا حصہ اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا تھا اور اس کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب ۱۰۹۰ء میں نارمنون کے اس پر قبضہ ہوا ہے تو اس کی ایک وادی مزارا کے باشندوں کی تعداد بیس لاکھ تھی جس میں چار قومیں تھیں، روم، عرب، لنگوبرڈین (یعنی نارمن اور پروٹونین) اور یہودی ہر قوم اپنی زبان بولتی تھی اور اپنے ملکی قانون پر عمل کرتی تھی، سسلی کے مسلمان امرا و حکام اپنی پڑوسی عیسائی حکومتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے، ان امر میں بنی ابی الحسن کی حکومت کا زمانہ جو کلبیین کے نام سے موسوم ہیں زیادہ طویل تھا (۱) ابن خلدون نے ان ہی کی جانب یہ اشارہ کیا ہے کہ وہ سسلی کے حکمراں تھے، عربوں کے آخری زمانہ میں سسلی کا والی ایک شخص بعباع تھا، بعض راویتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے حاکم نے اس سے مال طلب کیا جس کو وہ ادا نہیں کرسکتا تھا، اس لیے اس نے اس کے انتقام میں فرنگیوں کو بلا کر شہر حوالہ کردیا، اس کے بعد انہوں نے پورے جزیرہ پر قبضہ کرلیا، فرنگی سے مراد اٹلی، لنکوبرڈیا اور قلوریہ کا بادشاہ ہے، دوسری راویت یہ ہے کہ سسلی کے مسلمان عمال میں باہم اختلاف پیدا ہوگیا تھا اور ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے علاقہ کا خودمختار حکمراں بن گیا تھا ان کے ایک حکمران ابن التمنہ نے جو سرقوسہ اور قسطانیہ پر قابض تھا، مالٹا کے فرنگیوں سے مدد مانگی اور یہاں کے فرمار روا (۲) راجر کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کو زیر کرلینا بہت آسان ہے، چنانچہ ان دونوں نے مل کر ۴۴۴ھ میں سسلی کے بہت سے اسلامی مقبوضات چھین لیے، یہ صورت دیکھ کر یہاں کے بہت سے علما و صلحا نے سسلی کو چھوڑ دیا، ایک

(۱) تاریخ تونس حسن حسنی عبدالوہاب۔ (۲) تاریخ ابوالفداء۔

Marfat.com

جماعت معز ابن بادیس کے پاس افریقہ چلی گئی اور مسلمانوں کے قبضہ میں صرف قصریانہ جرجنٹ رہ گئے، اس زمانہ میں بڑی بدامنی تھی، ہر طرف فتنہ بپا تھا اور مسلمانوں کو باہر سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی اس لیے راجر (۱) نے ایک طویل محاصرہ کے بعد ۴۸۴ھ میں قصریانہ اور جرجنٹ پر بھی قبضہ کرلیا، ابن التمنہ نے یہ خیانت اور غداری محض اس لیے کہ اس میں اور حاکم قصریانہ میں مخالفت ہوگئی تھی، اس کو زیر کرنے کے لیے اس نے ٹینکرڈ آف ہاٹول کے لڑکوں رابرٹ گوسکارڈ اور یولیہ اور کلبریہ کے ڈیوکس سے امداد طلب کی انہوں نے ابن التمنہ کے مصالح کو نظر انداز کر کے محض اپنے اغراض کو پیش نظر رکھا اس طرح سسلی کا پورا جزیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

۵۲۹ھ میں صنہاجہ (شمالی افریقہ) کے مسلمان حکمرانوں خصوصاً ابن بادیس نے عیسائی سلاطین سے صلح کرلی اور دونوں کے درمیان اتنے تعلقات قائم ہوگئے کہ باہم ہدیوں کا تبادلہ ہونے لگا، ادریسی کا بیان ہے کہ راجر نے ۴۵۳ھ میں سسلی کا مغربی علاقہ فتح کیا اور باقی حصوں پر حملہ کا سلسلہ جاری رہا تا آنکہ تیس سال مین پورے جزیرہ پر اس کا قبضہ ہوگیا، مگر اس نے تمام باشندوں کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک کیا ان کی جان مال اور اہل وعیال کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا، ان کا مذہب قائم رکھا، اس کے زمانہ میں سسلی کی تہذیب اوج شباب پر پہنچ گئی اور عربوں کو بھی آئے دن کی جنگ وخونریزی سے نجات مل گئی، یہ نیا فاتح ان کا حامی ومددگار تھا اس لیے وہ پھر علم وفن کی خدمت میں لگ گئے اور راجر (۲) کے زمانہ میں بڑے امن وعافیت کے ساتھ رہے، مسلمانوں کے ساتھ اس کا سلوک اتنا بہتر تھا کہ اس پر اسلام قبول کرلینے کا الزام لگایا گیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو مسلمانوں پر مسلط ہونے کا موقع نہیں دیا اور جو مسلمان عربوں کے زمانہ سے حکومت اور فوج کے عہدہ دار چلے آرہے تھے ان کو ان کے عہدوں پر قائم رکھا، مسلمان تجارت پر بھی قابض ہوگئے، چنانچہ سسلی کے بڑے بڑے اصحاب ثروت

(۱) اس سے مراد راجر اول کا لڑکا راجر دوم ہے۔ (۲) اس سے مراد راجر دوم ہے کیوں کہ راجر اول مسلمانوں کا دشمن تھا اس کا لڑکا راجر دوم مسلمانوں کا ہمدرد تھا اس نے ان کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ 'م'

Marfat.com

مسلمان ہی تھے، راجر کے اس حسن سلوک کا سبب یہ تھا کہ اس نے اس نکتہ کو سمجھ لیا تھا کہ سیاست میں سسلی کے سواد اعظم کا ساتھ دینے ہی میں کامیابی ہے جو تمام تر عرب تھے، اس نے اپنے دربار میں بھی مسلمان اطبا، منجموں اور شاعروں کو جمع کیا تھا اور خراج کے نظام میں بھی مسلمانوں کے اصول کا لحاظ رکھا، وہ عربی سے پوری طرح واقف تھا اور اس کو بہت پسند کرتا تھا، نارمن ابتدا میں ناروے سے شمالی یورپ میں آئے تھے، دسویں صدی تک مجوسی مذہب پر تھے اور اسی صدی میں انہوں نے عیسائیت قبول کی تھی۔

اسی راجر نے مشہور جغرافی شریف ادریسی صاحب ''نزہتہ المشتاق فی اختراق الآفاق'' کو کائنات کا نقشہ تیار کرنے کے لیے شمالی افریقہ سے بلایا اور بڑی عزت وتکریم کے ساتھ پیش آیا، اس کی فرمائش پر شریف ادریسی نے مطلوبہ نقشہ تیار کیا (۱) جو راجر کو بہت پسند آیا اور شریف ادریسی کے اپنے پاس مستقل قیام کرنے کے لیے ان سے کہا ''تم خاندان خلافت سے ہو اس لیے جب بھی مسلمانوں میں رہو گے مسلمان سلاطین تم کو قتل کرنے کی کوشش کریں گے اور جب تک میرے یہاں قیام رہے گا بالکل محفوظ رہو گے'' اس دلیل پر شریف ادریسی نے اس کے یہاں مستقل قیام منظور کر لیا اور راجر نے ان کے مصارف کے لیے بادشاہوں کے برابر ان کا وظیفہ مقرر کیا اور ان سے خواہش کی کہ وہ جغرافیہ کی ایک ایسی کتاب لکھیں جس کے معلومات محض کتابی نہ ہوں، بلکہ عینی مشاہدہ پر مبنی ہوں اور اس کام میں ادریسی کی مدد کے لیے کئی ذہین علما مامور کیے اور سفر کے جملہ سامان مہیا کر کے ان کو مشرق ومغرب، شمال وجنوب چاروں سمتوں کے ملکوں میں تحقیقات کے لیے روانہ کیا اور مختلف چیزوں کی تصویریں بنانے کے لیے چابک دست مصور اور نقاش بھی ان کے ساتھ کر دے اور تاکید کر دی کہ جو معلومات ضروری ہوں ان کو پورے استقصا اور تحقیق کے ساتھ لکھا جائے اس اہتمام کے ساتھ یہ علمی مہم روانہ ہوئی اور مختلف ملکوں کے حالات کا چشم دید معائنہ کیا، مصور تمام چیزوں کی تصویر بناتے جاتے تھے اور شریف ادریسی ان کو درج کرتے جاتے تھے،

(۱) یہ نقشہ چاندی کے کرہ کا تھا جس میں افلاک اور زمین کا پورا نقشہ دکھایا گیا تھا۔

Marfat.com

اس اہتمام اور تحقیق وتدقیق سے جغرافیہ کی وہ کتاب تیار ہوئی جو نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق کے نام سے مشہور ہے۔

عربوں کے ساتھ اور ان کے علم سے فائدہ اٹھانے میں راجر کا یہ طرزِ عمل تھا اس لیے نارمنون کے سسلی پر قبضہ کے بعد جو عرب سسلی چھوڑ کر شمالی افریقہ چلے گئے تھے ان کی بڑی تعداد راجر کی رعایا نوازی اور ملک کے امن وامان کو دیکھ کر پھر واپس آ گئی، چنانچہ مشہور سیاح ابن جبیر جو ۵۸۰ھ میں یعنی سسلی سے عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے چھیانوے سال بعد وہاں گیا ہے، یہاں کے فرمانروا ولیم (دوم) کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''وہ نیک سیرت فرمانروا ہے، مسلمانوں کو عہدوں پر مامور اور ان پر اعتماد کرتا ہے اور اس کو اپنے تمام اہم امور ومعاملات میں ان ہی سے تسکین خاطر ہوتی ہے اس کے مسلمان اطبا اور..... ہیں جن کے ساتھ اس کو بڑا تعلق ہے.......... سسلی کی عیسائی عورتوں کی پوشش مسلمان خواتین جیسی ہے وہ برقع اور نقاب میں گھر سے نکلتی ہیں''۔(۱)

مسلمانوں کو عہدوں اور ملازمتوں پر مامور کرنے میں راجر دوم اور اس کے لڑکے ولیم نے راجر (۲) اول کی روش کی پوری پابندی کی، ان کی مذہبی آزادی برقرار رکھی اور وہ اپنی جائداد، مال ودولت، تجارت اور کارخانوں سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے یہ سب حکمران عربی سے پوری طرح واقف تھے اور اس کی شاعری اور ادب سے لطف اندوز ہوتے تھے، فریڈرک دوم کو عربی سے وافر حصہ ملا تھا اور اس کی جانب اس کی بڑی توجہ تھی اور ایک عرصہ تک عربی حکومت کی زبان رہی، تمام معلمین، اساتذہ اور ماہرین فن عرب ہوتے تھے اور نارمن حکمرانوں کے احکام وفرامین عربی،

---

(۱) سفرنامہ، ابن جبیر۔ (۲) تاریخوں سے مصنف کے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، سسلی سے اسلامی حکومت کے زوال کے بعد یہاں سب سے پہلا نارمن فرمانروا راجر اول ہوا، اس کے بعد اس کا لڑکا راجر دوم اس کا جانشین ہوا، راجر دوم کے اس کا لڑکا ولیم اول اور اس کے بعد اس کا لڑکا ولیم دوم یکے بادیگرے تخت نشین ہوئے، ان میں راجر اول اور ولیم اول مسلمانوں کے دشمن تھے، البتہ راجر دوم اور ولیم دوم ان کے ہمدرد وہوا خواہ تھے۔ ''م''

Marfat.com

لاتینی اور یونانی تینوں زبانوں میں لکھے جاتے تھے، سکوں پر عربی عبارت نقش کی جاتی تھی، بلکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی تحریر کیا جاتا تھا، نارمنون کے بعد ان کے جانشین بھی ایک عرصہ تک سکوں پر عربی عبارت نقش کرتے رہے۔

غرض نارمن فرمانروا عربوں پر اعتماد اور ان کے ساتھ ظاہری اور باطنی رعایت میں برابر راجر اول کی روش پر قائم رہے اور عربوں کا تعلق بھی اس سے مخلصانہ رہا، ملک ظاہر بیبرس نے مشہور مؤرخ و فلسفی اور حماۃ کے قاضی جمال الدین بن واصل کو ۶۵۹ھ میں سسلی کے امپرر (۱) کے پاس ایک سفارت میں بھیجا تھا، ان کا بیان ہے کہ ''امپرر مسلمانوں کا مخلص اور ان کے علما سے محبت کرتا ہے جس شہر میں مقیم تھا اس کے قریب ہی شہر لوگارہ کے تمام باشندے مسلمان تھے جو سسلی کے باشندے تھے، اس شہر میں جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور اسلامی شعائر علانیہ ادا کیے جاتے تھے، خود بادشاہ کے بہت سے مصاحب مسلمان تھے جو اس کے لشکر گاہ میں بھی اذان دیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے'' ان ہی کا یہ بھی بیان ہے کہ ''مینفرڈ کے یہاں سے ان کی واپسی کے وقت اس کی مسلم نوازی کے جرم میں پاپا پائے روم (۲) اور (۳) ریدافرنس اس کے خلاف متحد ہو گئے اور پاپا نے اس کو تاج و تخت سے محروم کر دیا اور عیسائیوں نے شکست دے کر قتل کر دیا اور ۶۶۳ھ میں ریدافرنس کے بھائی کو تخت نشین کیا۔ (۴)

باقی ماندہ مسلمانوں کا تبدیلی مذہب: ابن واصل کے بیان کے مطابق نارمنون کے عہد حکومت میں ۱۷۰ سال تک سسلی کی حالت بہت اچھی رہی اور مسلمانوں کو بھی امن و سکون حاصل رہا لیکن ریناڈلڈی کا بیان ہے کہ ''سسلی میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی عیسائیوں کا تعصب شروع ہو گیا تھا اور وہ عیسائیت قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور تبدیل مذہب کے بعد وہ سسلی کے اصل باشندوں میں خلط ملط ہو گئے، شہر نوسیرا میں بھی یہی صورت پیش آئی، چارلس دوم

(۱) اس سے مراد سسلی کا جرمن فرمانروا مینفرڈ ہے۔ (۲) پوپ اربن چہارم (۳) لوئی نہم بادشاہ فرانس۔

(۴) اس سے مراد چارلس اول آف انجو ہے۔ ''م''

Marfat.com

نے ان کے ساتھ اتنی رعایت برتی کہ اگر وہ عیسائیت قبول کرلیں تو ملک میں رہ سکتے ہیں ان مسلمانوں کی اولاد بعد میں مرانیہ (Marrani) کہلائی، یہ دراصل عربی لفظ ہے جس کو اسپین سے اطالیہ نے لیا تھا اور وہ اسپین کے ان مسلمانوں کو جو عیسائی ہوگئے تھے مرانی کہتے تھے، لوسیرا خالص اسلامی شہر تھا، چنانچہ (Lucerine) سے مراد ہی مسلمان اور مشرقی تھے، ۱۱۹۴ء میں سسلی پر (۱) سواب کے بادشاہ کے قبضہ کے بعد مسلمانوں پر اسپین کے مسلمانوں کی طرح بڑے سخت مظالم ہوئے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں افریقہ خصوصاً اس کے ساحلی علاقوں کی جانب ہجرت کر گئے اور جو لوگ نہ جاسکے ان کو بڑی ذلت کی زندگی بسر کرنا پڑی، وہ کھیتی کرتے تھے، مویشی چراتے تھے اور شاہی جاگیر میں اسی قسم کے دوسرے پر مشقت کام انجام دیتے تھے، اس طریقہ سے جزیرہ کے باقی ماندہ مسلمانوں نے نصرانیت قبول کرلی اور اندلس کے دردناک حادثہ کی طرح سسلی کے مسلمان جلاوطن نہیں ہوگئے، اندلس میں قسیس، اسقف، کرڈینل روسا، مذہبی عدالت، بادشاہ، ملکہ غرض پوری قوم مسلمانوں کو مٹانے کے لیے متحد ہوگئی تھی۔

اطالوی زبان میں عرب اور عربیت کے اثرات: عربوں نے اپنے بعد سسلی میں اپنے بہت سے عادات و اطوار اور سسلی اور اطالوی زبانوں میں عربی کے بہت سے الفاظ یادگار چھوڑے جو اب تک باقی ہیں، چنانچہ سسلی کے بہت سے مقاموں خصوصاً قلعوں، بندرگاہوں اور عام شاہراہوں کے نام برابر عربی رہے، قلعوں کے نام کے شروع میں قلتا کا لفظ ان کے ناموں کا جز ہے، ان میں سے بعض قلعے اب شہر بن گئے ہیں، مثلاً قلعۃ النساء، قلعہ فیمی، قلعۃ الحسن، قلعۃ البلوط اسی طرح بندرگاہوں میں مرسیٰ علی (۲) مرسی المینا، منزل یوسف، رمل الموز، رمل السلطانہ، وادی الطین، راس القلب، راس الخزیر اور راس القرن وغیرہ عربی ہیں، پلرمو کی سب سے بڑی سڑک کا نام آج بھی القصر ہے اور اس شہر میں دو بڑے محل عربوں کی یادگار ہیں، ان میں سے ایک کا نام

(۱) اس سے مراد ہنری ششم ہے جو ولیم ثالث کو شکست دے کر سسلی پر قابض ہوگیا تھا۔ (۲) اسی مرسی علی نے اب مارسلیز کی شکل اختیار کرلی ہے۔ م۔

Marfat.com

قبہ اور دوسرے کا قلعۃ العزیزہ ہے، عربوں نے سسلی میں تعمیری آثار سے زیادہ علمی اثرات چھوڑے، رینالڈی کا بیان ہے کہ ''ان بے شمار الفاظ کا بڑا حصہ جو اطالوی زبان میں پائے جاتے ہیں، عربوں کے حاکمانہ اقتدار کے راستہ سے نہیں بلکہ اس تہذیب کی راہ سے داخل ہوا جو زندگی کے مختلف مظاہر کو ایک دوسرے سے مربوط کرتی ہے'' اس سلسلہ میں رینالڈی نے بہت عربی الفاظ خصوصاً ان کی علمی اصطلاحات شمار کرائی ہیں، اس کے بعد لکھتا ہے کہ ''جنیوا ۱۴۰۷ء میں عربی تعلیم کے لیے ایک درسگاہ قائم کرنے پر مجبور ہوا'' یہ اس کا ثبوت ہے کہ اس زبان میں عربی کے الفاظ پائے جاتے ہیں، اطالیہ کے ان تمام شہروں کے عوام کی زبان میں جو مشرق اور سسلی سے تجارتی تعلقات رکھتے تھے بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کی اصل عربی ہے، یہ الفاظ عربی تجارت کی راہ سے داخل ہوئے اور ان میں سے بہتیرے الفاظ اب تک ان کی لغت کی کتابوں میں موجود ہیں، اس کے بعد اس نے اوزان اور پیمانوں کے نام اور بحری عربی الفاظ پیش کیے ہیں جو عربی سے اطالوی زبان میں لیے گئے ہیں اور لکھا ہے کہ سسلی کے مشہور مستشرق اماری نے یہ ثابت کیا ہے کہ وطنی شاعری کی ایجاد میں اس حیثیت سے سسلی عربوں کا مقروض ہے اور اٹلی سسلی کا کہ جب سسلی کے دربار نے اسلامی بادشاہی کا لباس پہنا اس وقت سے اس کی توجہ شاعری کی جانب ہوئی جو اطالوی شاعری کی بھی ترقی کا وسیلہ بنی، رینالڈی کا بیان ہے کہ ''عربوں نے تنہا سسلی اور اطالیہ ہی کی شاعری کو مدد نہیں پہنچائی بلکہ ہمارے قصص وافسانوں کی شکل وصورت اور اس کے مواد میں بھی مدد دی'' اس بیان سے اسپین کے نامور مستشرق آسین کی اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ اطالوی شاعر دانتے نے اپنے قصہ ''المنہر الالہیہ'' کا مواد معری کے رسالہ الغفر ان سے اخذ کیا ہے۔

عربوں نے پلرمو میں طب کا سب سے پہلا مدرسہ قائم کیا جس کی مثال سارے یورپ میں نہ تھی اور سسلی کی اس عربی درسگاہ کے قیام کے بہت بعد یورپ میں دوسری طبی درسگاہیں قائم ہوئیں جن سے اٹلی کے شہروں میں طب کی اشاعت ہوئی اور پاپاؤں کے افینسیو ں (فرانس) چلے جانے کے بعد اٹلی میں عربی علوم کے لیے فضا اور بھی سازگار ہوگئی اور وہ ان لوگوں میں آہستہ

Marfat.com

آہستہ پھیلنے لگے جو اطالویوں سے اس کو حاصل کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے، حالاں کہ سسلی میں عربوں کی تہذیب مصر و اسپین کے مقابلہ میں کمزور تھی، سسلی میں عربوں کے آثار بتاتے ہیں کہ جس زمانہ میں انہوں نے اس جزیرہ کو خیر باد کہا، اس زمانہ میں وہ عربوں کے ابتدائی داخلہ کے زمانہ سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا اور یہاں ان کے بڑے مفید اثرات ظاہر ہوئے، لیبان کے قول کے مطابق ایک قوم دوسری قوم میں جو خوبیاں پیدا کرتی ہے وہی اس تہذیب کے اثر و نفوذ کا معیار ہے جو وہ دوسری قوم کو دیتی ہے۔

سسلی اور اندلس کا موازنہ: اس زمانہ میں جب رومی اور عرب دونوں مل کر سسلی کی بہی خواہی میں کوشاں تھے وہ یورپ کے تمام ملکوں میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھا، مگر اندلس میں جتنے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے اور ان کے جو اثرات ظاہر ہوئے ان کے مقابلہ میں سسلی میں بہت کم پیدا ہوئے، اس کا سبب یہ کہ اولاً جزیرہ بہت چھوٹا ہے دوسرے یہاں کے خالص عربوں کی حکومت کا زمانہ بہت کم رہا اور وہ زیادہ تر افریقہ کی حکومت کے تابع رہا جو اغالبہ اور عبیدیوں کے ماتحت تھا، اس کے مقابلہ میں اندلس میں اموی خاندان کے بڑے بڑے حکمراں رہے، ان کی حکومت کا زمانہ بھی طویل تھا اور انہوں نے اس کو عربوں کا مستقل وطن بنا دیا اور دوسرے ملکوں کی جانب سے ان کی توجہ ہٹا دی اور ان سے ان کا تعلق صرف اس قدر رہ گیا تھا جتنا ایک قوم کو دوسری دور دراز بسنے والی اپنی ہم مذہب اور ہم خیال قوم سے ہوتا ہے اور ان کے اصل وطن میں جس قدر علوم و فنون اور صنعت و حرفت اور قوت کے اور جو اسباب و وسائل تھے ان سب کو پوری صحت کے ساتھ اندلس منتقل کرا دیا اور اپنی ذہانت و ذکاوت سے یہاں کے مذاق اور حالات کے مطابق اس میں اور اضافہ کیا۔

عربی سسلی کی تاریخ کے متعلق جو تھوڑے بہت حالات ہم تک پہنچے ہیں ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں کے ممتاز اہل علم کی تعداد اور ان کے اثرات اندلس کے علما کے مقابلہ میں بہت کم تھے اور اندلس کے سیکڑوں حاملین علم و ادب اور علمائے شریعت کے مقابلہ میں ان کے ہم پایہ علما کی

Marfat.com

تعداد چند دہائیوں سے زیادہ نہیں ہے، اندلس میں ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کے ترجمے کیے گئے اور سسلی کے امراو سلاطین میں اندلس کے خلفا عبدالرحمن الداخل، عبدالرحمن الثالث اور حکم جیسی شہرت رکھنے والا نامور کوئی نہیں پیدا ہوا اور نہ سسلی کے علماو مفکرین میں ابن رشد، ابن ازہر، ابن باجہ اور ابن الخطیب کی جیسی شخصیتیں تھیں، اندلس کے اس تفوق و امتیاز کے بعض دوسرے اسباب بھی تھے، مثلاً عربی ملکوں سے اس کی دوری کے باوجود ہزاروں خالص عرب وہاں جا کر آباد ہو گئے جن کی نسلوں میں وہاں کے اثرات ظاہر ہوئے اس اختلاط سے ایک باعمل اور ذہین قوم کی طرح مشرق و مغرب کی بہترین مخلوط نسل پیدا ہوئی، اس کے مقابلہ میں سسلی میں زیادہ تر بربر آبادی تھی، خالص عربوں کی تعداد بہت کم تھی اور سسلی کی فتح کے زمانہ میں وہ ان لوگوں کی ہجرت گاہ تھا جو افریقہ چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے تھے، اس کے بعد عرب فاتحین بھی آباد ہوئے، مگر وہ یہاں کے باشندوں میں خلط ملط ہو گئے اس لیے گو سسلی میں مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں اور اس زوال کے بعد یہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی لیکن درحقیقت اندلس کی طرح یہاں کوئی مستقل قومیت نہ بن سکی۔

سسلی چھوڑنے کے بعد یہاں مسلمانوں کے آثار: سسلی کے مقبروں وغیرہ میں جو آثار پائے جاتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں نویں صدی ہجری کے آخر تک عربی زبان رائج رہی اور ان شواہد و اکتشافات سے جن کا جدید علمائے اثریات نے قبروں سے پتہ چلایا ہے اس کی تائید ہوتی ہے، ان میں ایک قبر پر ایک بڑے فوجی افسر ''ابی النصر بن قائد ابی المسر ورالجالخیری ۸۷۳ھ کا نام ہے، دوسری پر القسطینی القاضی ۸۹۴ھ کا نام اور تیسری پر ۸۵۹ھ کا ایک کتبہ ہے، اس کے علاوہ چھٹی اور ساتوی صدی کے بہت سے کتبات و شواہد ہیں، ان میں سب سے زیادہ نادر اور حیرت انگیز ایک عیسائی عورت کی قبر کا عربی کتبہ ہے، یہ کتبہ عربوں کے سسلی چھوڑنے کے ساٹھ سال بعد کا ہے، اس میں ہجری تاریخ ہے کتبہ کی پوری عبارت یہ ہے:

''توفيت انه ام القيس اكريزنت قسيس الخضرة المالكة الملكية

Marfat.com

العالية العلية المعظمة السنية القدبسيه البهية المعتزة بالله الملزوزة بقدرته المصورة بقوته مالكة نيطاليه ولنكبرده وقلوريه وصقليه وافريقيه معزة امام رومية الناصرة للملة النصرانية صرمد الله مملكتها يوم الجمعة والعشر العشرين من او سة سنة ثلاث واربعين وخمس مئة ودفنت بالجامع الاعظم ثم نقلها ولدها بالمستجد الى هذه الكنسة مخايله يوم الجمعة لولا ساعة العشاء،العشرين مائة سنة سنة اربع واربعين وخمس مائة وبنى على قبرها هذه الكنيسة وسماها صنت آنه على اسم امه مريم.........ودعالها بالرحمة،امين امين امين"۔

اس کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی زبان ملک کے باشندوں میں اتنی سرایت کر گئی تھی کہ عربوں کے ملک سے نکلنے کے بعد بھی اس کو یہاں کے عیسائی ایک مدت تک گفتگو اور تحریر میں استعمال کرتے اور ہجری تاریخ لکھتے رہے، ان حالات میں سسلی کے نارمن فاتح راجر اور اس کے جانشینوں کا مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی رعایت اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا اخلاص کوئی تعجب انگیز نہیں ہے، ہمارے مؤرخوں کے بیان کے مطابق راجر اول ۴۹۰ھ سے پہلے مر گیا تھا اس کے بعد اس کا لڑکا راجر دوم جانشین ہوا جس نے مسلمان بادشاہوں کی طرح جنائب، حجاب، سلاحیہ اور جاندار یہ وغیرہ مسلمان شاہی درباروں کے تمام عہدے اور آداب و رسوم قائم رکھے جن سے یورپ کے سلاطین بالکل ناواقف تھے اور ان میں اس کا رواج نہ تھا، راجر نے مسلمان بادشاہوں کی طرح مظلوموں کی دادرسی کے لیے دیوان المظالم بھی قائم کیا تھا اور اپنی اولاد کے مقابلہ میں بھی وہ عدل و انصاف سے فیصلہ کرتا تھا، اس نے مسلمانوں کو عزت و توقیر کے ساتھ رکھا ان کو مقرب بنایا اور فرنگیوں کو ان پر زیادتی کرنے سے روکا، اس لیے وہ بھی اس سے محبت کرتے تھے۔

Marfat.com

چودہواں باب

مسلمان اور اہل یورپ جنگ صلیبی میں

مسلمانوں سے جنگ کے لیے صلیبیوں کی بہانہ جوئی: اندلس سے اموی حکومت کے خاتمہ کے ۴۰۷ھ کے بعد مسلمانوں کی سیاست بگڑ گئی تھی جس کا فطری نتیجہ ان کا زوال تھا، اس لیے اہل یورپ نے سمجھا کہ ان کا زوال فوری شروع ہو گیا ہے اور وہ ان کو لقمۂ تر بنالیں گے، مگر مرابطی فرماں روا یوسف بن تاشفین افریقہ سے اندلس پہنچ گیا اور از سر نو مسلمانوں کا منتشر شیرازہ مجتمع کر کے ۴۸۰ھ میں جنگ زلاقہ میں عیسائی فرمانروا (الفانسو) پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اندلس کے مسلمانوں میں از سر نو زندگی پیدا ہو گئی اور اہل یورپ کے دلوں میں ان کا وقار دوبارہ قائم ہو گیا، اس سے پہلے مسلمان اپنے دشمنوں کے سامنے اتنے ذلیل ہو چکے تھے کہ اندلس کے عیسائی حکمرانوں کو خراج دینے لگے تھے اور جزیرہ سسلی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

جس زمانہ میں عرب فوجیں بحر متوسط میں نمودار ہوئی تھیں اور اس کے جزیروں میں ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی، اسی زمانہ سے یورپ کے سیاسی مدبرین راہ فرار ڈھونڈھنے لگے تھے جو ان کو یورپ کے ساحل تک صحیح و سلامت پہنچادے، کیوں کہ ان کو یقین تھا کہ عرب فنون جنگ میں اس سے زیادہ ماہر اور ترقی یافتہ ہیں اور ہر زمانہ میں ان میں کوئی نہ کوئی ایسا بڑا آدمی پیدا ہوتا رہتا ہے جو ان کو آگے بڑھا دیتا ہے، مثلاً ۳۹۲ھ میں اسپین میں ابن عامر جس نے اہل یورپ سے ۵۷ کامیاب مقابلے کیے اور اندلس کو بچا کر اس کا درجہ بلند کر دیا۔

Marfat.com

اتفاق سے قریب قریب اسی زمانہ میں سلجوقیوں نے قیصر روم فرمانروائے قسطنطنیہ کو زیر کر کے جزیہ دینے پر مجبور کر دیا تھا، قیصر نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے یورپ کے بادشاہوں سے مدد طلب کی اور پاپائے مقدس کی رگ حمیت کو بھڑکایا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کے سیلاب کو روکنے میں اس کی مدد کرے تو وہ مشرق کے آرتھوڈیکس کلیسا کو چھوڑ کر روم کے کلیسا کی اطاعت قبول کر لے گا، اتفاق سے اسی زمانہ میں بیت المقدس کے بعض عیسائی زائرین کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ فاطمی حکومت زائرین سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے ان کے مذہبی پیشواؤں نے اس واقعہ کو بہت زیادہ بڑھایا اور پیٹر راہب جیسے لوگوں نے اس واقعہ کو آڑ بنا کر اہل یورپ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اور عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت میں جو معمولی مشکلات پیش آتی تھیں بڑے مبالغہ سے ان کی تشہیر کی، حالاں کہ ان زائرین کے ساتھ انفرادی اور اتفاقی واقعات کے سوا جن سے کوئی ملک اور کوئی قوم بھی خالی نہیں ہے، زیادتی کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں پیش آیا، خود ایک عیسائی مصنف برنارڈ فیس کا بیان ہے کہ:

اس پورے علاقہ (فلسطین و بیت المقدس) کے مسلمان اور عیسائیوں میں امن و سلامتی اتنی عام ہے کہ اگر میں وہاں کا سفر کروں اور میرا بار بردار اونٹ یا گدھا راستہ میں جاتا رہے اور میں اپنا سامان سفر بغیر کسی محافظ کے چھوڑ کر قریب کی آبادی میں دوسری سواری کی تلاش میں چلا جاؤں تو واپس آ کر میرا مال و متاع بالکل صحیح و سلامت ملے گا، کوئی شخص اس کو ہاتھ نہ لگائے گا، جنگ صلیبی کی تیاری کی ابتدا میں یورپ کے بعض مذہبی پیشواؤں نے محض اپنے اغراض نفسانی کے لیے ارض مقدس کے زائرین پر زیادتیوں کے افسانوں کو بڑھا چڑھا کر مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں میں بغض و کینہ کے جذبات ابھارے''۔

منرو لکھتا ہے کہ ''مسلمانوں کی جانب جو قابل اعتراض واقعات منسوب کیے جاتے ہیں ان میں اس زمانہ کے مطابق جو ہمارے زمانہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ وحشیانہ تھا، بڑی آمیزش اور حاشیہ آرائی ہے، عیسائی ان افسانوں کی پوری تشہیر کرتے تھے جس سے دوسرے عیسائیوں کی

Marfat.com

رگ حمیت بھڑک اٹھتی تھی، اہل یورپ نے اس کے علاوہ بھی اپنی دعوت کی تبلیغ واشاعت اور مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے جذبات بھڑکانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے، مثلاً ان پر بت پرستی کا الزام لگایا کہ وہ محمد کی الوہیت کے قائل ہیں، پاپائے مقدس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کلرموں (فرانس) کی کانفرنس میں بیت المقدس کے عیسائی زائرین کی مشکلات اور تکلیفوں کو بیان کر کے عیسائیوں کو ابھارا کہ وہ مقدس صلیب ہاتھ میں لے کر بیت المقدس کے فتح کرنے کا عہد کریں اور اس کار خیر کے صلہ میں ان کو گناہوں کی بخشش کا پروانہ دے کر ان کے تمام اعمال جائز قرار دے دیے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع کی روحانی رہنمائی اور حفاظت کا وعدہ کیا اور یہ یقین دلایا کہ جب وہ بیت المقدس فتح کرلیں گے تو ان پر دنیاوی دولت کی بھی بارش ہوگی، پاپائے مقدس کی اس ترغیب پر کچھ لوگوں نے تو مذہبی دفاع کے لیے مذہبی پیشواؤں کا ساتھ دیا اور کچھ لوگ دنیاوی مال ودولت کی طمع میں ساتھ ہو گئے، کیوں کہ اس زمانہ میں یورپ میں فقر وافلاس عام تھا اور وباؤں نے ان کو تباہ وبرباد کردیا تھا، سارے یورپ میں قحط پھیلا ہوا تھا، عین ان حالات میں ان کے سرداروں نے ان کو یہ سبز باغ بھی دکھلایا کہ اسلامی مشرقی ممالک میں سونے کی کانیں ہیں جو شخص بھی وہاں جائے گا جاتے ہی مالا مال ہوجائے گا"۔

ان ترغیبوں اور تحریصوں کے بعد صلیبی مجاہدین یورپ سے روانہ ہوئے اور راستہ میں ایشیائے کوچک میں بڑے سخت مصائب برداشت کرتے ہوئے ۴۹۰ھ۔۱۰۹۶ء میں قسطنطنیہ میں جمع ہوئے، پھر یہاں سے چل کر شام پہنچے اور اس کا ساحلی علاقہ فتح کیا، اس کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کر کے اس غلط فہمی میں بڑی وحشت ودرندگی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کہ مسلمان اپنے قبلۂ اول یعنی بیت المقدس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور اگر ان کے ملک کے کسی خاص حصہ پر قبضہ کرلیا جائے تو وہ اس کی پرواہ نہ کریں گے اور اگر اس وقت ان کو ذلت کا مزہ چکھا دیا جائے تو وہ آیندہ کا خیال نہ لائیں گے، ان کو اس کا اندازہ نہیں تھا کہ جب مسلمان حملہ کرتے ہیں تو بنے ہوئے نہیں

Marfat.com

بلکہ اصلی شیر ہوتے ہیں۔

صلیبیوں کی جہالت اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان موازنہ: صلیبیوں نے ابتدائی لڑائیوں میں فنون جنگ سے انتہائی جہالت کا ثبوت دیا اور ان کو جو کچھ کامیابی ہوئی وہ صرف فوجوں کی کثرت تعداد کے بل پر جب سے انہوں نے اپنا ملک چھوڑا تھا اس وقت سے قسطنطنیہ میں داخلہ اور مشرق کا رخ کرنے تک ان میں کوئی ضبط و نظام نہیں تھا، وہ یہ بھی بھول گئے یا بھلا دیے گئے تھے قیصر ان کا معنوی حلیف ہے اس لیے اس کی قوم کی تحقیر و تذلیل اور اس کے ملک پر دست درازی کرنے میں بھی انہوں نے باک نہیں کیا، ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کیا، ان کا سامان لوٹا، ان کے گرجوں کو جلا دیا اور ہر شرمناک فعل کے مرتکب ہوئے اور اپنے اعمال سے ثابت کر دیا کہ ان میں اس درجہ جہالت تھی کہ وہ جس کام کے لیے نکلے تھے اس میں صحیح راستہ پر نہیں چل سکے اور رومی علاقہ میں پہنچ کر بھٹک گئے اس لیے سلجوقیوں نے اس کو شکار بنا لیا، صلیبیوں نے رہا، انطاکیہ، معریٰ، طرابلس الشام اور بیت المقدس جن جن شہروں پر قبضہ کیا، ان کے باشندوں کے ساتھ انتہائی سنگ دلی کا سلوک کیا، جنگجو اور امن پسند آبادی دونوں سے یکساں لڑے اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کیا۔

اس موقع پر ہمارا مقصد جنگ صلیبی کی تاریخ اور اس سلسلہ میں اسلامی ملکوں پر جو کچھ گذری ان کو بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ مشرق و مغرب پر ان کے جو اثرات ظاہر ہوئے ان کو دکھانا مقصود ہے، صلیبی اس پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے حملوں سے مسلمانوں کو مشرق ہی میں روک دیا اور وہ یورپ کا رخ نہ کر سکے، مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ اس سے خوفزدہ رہے کہ اگر انہوں نے کبھی یورپ پر متحدہ حملہ کر دیا تو پورا ملک اس سیلاب میں بہ جائے گا اور ان کا یہ خوف بالکل بجا تھا، کیوں کہ ان کے سامنے ابن تاشفین مرابطی کی مثال موجود تھی جس نے ان کو اسپین میں ذلت کا مزہ چکھایا اور ملک شاہ سلجوقی جس نے قیصر روم سے جزیہ وصول کیا، ان دونوں مثالوں کے ہوتے ہوئے اہل یورپ کو مستقبل میں مسلمانوں کے خطرات کا محسوس کرنا کچھ بجا نہیں تھا، شامی مسلمانوں

Marfat.com

پر صلیبی مجاہدین نے بڑی سختیاں کی تھیں اس لیے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مسلمان مستامن عیسائیوں سے اس کا بدلہ لیں گے لیکن انہوں نے جنگ صلیبی کے پورے زمانہ میں اعتدال ملحوظ رکھا اور باوجودیکہ کہ ان کو صلیبیوں سے بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، انہوں نے شریعت کے حدود سے باہر قدم نہیں نکالا اور دارالحرب اور دارالسلم دونوں میں شریعت کے مطابق عیسائیوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جس کا اعتراف صلیبی مؤرخین تک کو ہے اور خود صلیبی مجاہدین اور ان کے عجیب وغریب لڑائیوں کے ہر بے غرض مشاہد نے اس پر حیرت ظاہر کی ہے۔

صلیبیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام: اس کے مقابلہ میں صلیبیوں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنوں سے بھی بدعہدی کرتے تھے، قیصر روم سے انہوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ پہلا جو شہر وہ فتح کریں گے وہ قیصر کے حوالہ کردیں گے اس کے باوجود انہوں نے نیقیہ جو سلجوقیوں سے لیا تھا قیصر کے حوالہ نہیں کیا اور میشو کے بیان کے مطابق معرۃ النعمان پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی پوری مسلمان آبادی جس نے مسجدوں اور تہ خانوں میں پناہ لی تھی قتل کردی اور مؤرخین کے بیان کے مطابق جنگ کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل کیے گئے، معرۃ النعمان خود شام کا بڑا شہر تھا اور انطاکیہ پر صلیبیوں کے قبضہ کے بعد اطراف کے مسلمانوں نے بھی یہاں پناہ لی تھی، بیت المقدس پر بڑی ہولناک اور خونریز جنگ کے بعد صلیبیوں کا قبضہ ہوا تھا اس معرکہ میں لاکھوں مسلمان مارے گئے جن میں بہت سے علما، ائمہ ومشائخ تھے اور عیسائیوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ ہر اس فعل کا ارتکاب کیا جو ان کے مذہب میں حرام تھا، میشو لکھتا ہے کہ ''صلیبیوں نے بیت المقدس میں ایسے اندھے تعصب سے کام لیا جس کی مثال نہیں ملتی اس کی شکایت منصف مزاج صلیبی مؤرخین تک نے کی ہے وہ عربوں کو اونچے اونچے برجوں اور عمارتوں کے اوپر لے جاکر نیچے گرادیتے تھے ان کو آگ میں جلاتے تھے، قبوں اور تہ خانوں سے نکال کر میدانوں میں گھسیٹتے تھے اور لاشوں کے ڈھیر پر لے جاکر قتل کرتے تھے، کئی ہفتوں تک مسلمانوں کا یہ قتل عام جاری رہا

Marfat.com

جس میں مشرقی اور مغربی مؤرخین کے متفقہ بیان کے مطابق ستر ہزار مسلمان مارے گئے اور یہودی بھی اس قتل عام سے نہ بچ سکے، انہوں نے جس مقدس مذبح میں پناہ لی تھی اس میں صلیبیوں نے آگ لگا دی اور کل کے کل یہودی جل کر خاکستر ہو گئے۔(۱)

صلیبیوں کا یہ عام دستور تھا کہ وہ جس شہر میں داخل ہوتے تھے اس کی پوری آبادی کو قتل، عمارتوں اور کتب خانوں اور ساز و سامان کو جلا ڈالتے تھے، انہوں نے طرابلس کے دارالحکمت کو جس میں ایک لاکھ کتابیں تھیں جلا کر راکھ کر دیا جو ان کی رعونت اور خشونت کی دلیل ہے اور اپنے ان اعمال سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تعصب کی آگ بھڑکا دی اس کے باوجود مسلمانوں نے ذمی عیسائیوں کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی اور اسلامی تعلیم کے مطابق ان کے ساتھ حسن سلوک قائم رکھا، لبنان کے عیسائیوں نے صلیبیوں کی رضا کارانہ خدمات انجام دی تھیں اور جنگ میں ان کے دوش بدوش لڑے تھے، ان کی رہنمائی کی خدمت انجام دی تھی اور اپنے پڑوسی مسلمانوں کے مقابلہ میں جن کے سایۂ عاطفت میں پانچ صدیوں تک انہوں نے امن وعافیت کی زندگی بسر کی تھی جاسوسی تک کی، اس کے باوجود مسلمانوں نے ان سے بدلہ نہیں لیا، جنگ صلیبی میں عیسائیوں نے حضرت مسیح کی مہر ومحبت کی تعلیم کے بالکل خلاف عمل کیا اور مسلمانوں نے احکام شریعت اور قرآن مجید کے اس حکم کا کہ ''ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا'' پورا لحاظ رکھا اور مسلمان حکمرانوں نے شارع علیہ السلام کی وصیت کے مطابق اپنی ذمی رعایا کے ساتھ پوری رعایت برتی، اس بارہ میں مسلمان مدبرین کی سیاست کا اندازہ اخشید فرمانروائے مصر کی اس تحریر سے ہو سکتا ہے جو اس نے قیصر ارمانوس کو لکھی تھی کہ ''وہ حاکم ومحکوم کے تمام طبقوں کی تالیف قلب، ان میں اطاعت واتحاد واتفاق، ان کے لیے امن وعافیت اور سامان معیشت میں وسعت وفراخی کی کوشش کرتا ہے'' اگر اتفاقاً کسی مسلمان فرمانروا سے غیر مسلموں پر کوئی زیادتی ہو جاتی تھی تو وہ

(۱) تاریخ محاربات صلیبی میشو۔

Marfat.com

اس کی تلافی کی بھی کوشش کرتا تھا، مثلاً حاکم بامراللہ فاطمی (۱) نے عیسائیوں کے گرجے مسمار کر دیے تھے، مگر پھر ان کو دوبارہ بنوا بھی دیا، مگر اس قسم کی زیادتی کی مثالیں شاذ ہیں اور شاذ واقعات سے عام حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

صلیبیوں کے ساتھ صلاح الدین کا حسن سلوک: صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں جب بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لیا ہے اس وقت یہاں ایک لاکھ صلیبی مجاہدین موجود تھے، ان میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ سپاہ تھی، صلاح الدین نے ان سب کی جان بخشی کی اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا، فقہا نے ہر چند اس پر زور ڈالا کہ بیت المقدس پر صلیبیوں کے قبضہ کے زمانہ میں اس کے اسلاف نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہی ان کے ساتھ کیا جائے، مگر صلاح الدین نے اس کو منظور نہیں کیا اور صرف ہر مرد پر دس دینار، ہر عورت پر پانچ دینار، بچوں پر دو دینار جزیہ لگانے پر اکتفا کیا جو لوگ اس کو ادا نہ کر سکے ان کی جانب سے سلطان کے بھائی ملک العادل نے اپنی جیب سے دو ہزار آدمیوں کا جزیہ ادا کیا، اس کے بعد بھی جو لوگ باقی رہ گئے ان کا جزیہ سلطان نے معاف کر دیا اور صلیبیوں کے جواہرات اور سونے چاندی کو ہاتھ نہیں لگایا، اس وقت بیت المقدس میں یورپ کی دو ملکہ مقیم تھیں، سلطان نے مع ان کے خدام، جواہرات اور مال و دولت کے یہاں سے چلے جانے کی سہولتیں بہم پہنچائیں اور لاٹ پادری کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ گرجوں کی کل دولت و ثروت لے کر جو صلیبیوں نے فتح کے زمانہ میں حاصل کی تھی امن و عافیت کے ساتھ چلا جائے، مسلمانوں نے سلطان سے کہا بھی کہ اس دولت سے وہ دوبارہ مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاری کرے گا، مگر اس نے جواب دیا کہ "میں بدعہدی نہیں کر سکتا اور دولت کے انبار سے جزیہ کے دس دینار کے علاوہ ایک حبہ بھی زیادہ نہیں لیا، اس طرح اس نے اپنے عمل سے صلیبیوں کو مکارم اخلاق اور اسلام کی رواداری کا سبق دیا۔

---

(۱) حاکم بامراللہ کو ایک قسم کا مراق ہو گیا تھا، اس مراق میں اس نے سنی مسلمانوں پر بھی زیادتیاں کی تھیں۔ ’م‘

Marfat.com

لیکن صلیبی صلاح الدین کے یہ سارے احسانات بھول گئے اور جب رچرڈ شیر دل نے صلاح الدین سے تاوان اور صلیب الصلبوت طلب کی اور سلطان نے اس کو واپس نہیں کیا تو رچرڈ نے دو ہزار سات سو نو مسلمان قیدیوں کو جو اس کے ہاتھوں میں اسیر تھے عکا میں راس تل کے پاس صلاح الدین کی فوجوں کے سامنے قتل کرا دیا اور اس شبہ میں کہ ممکن ہے یہ قیدی حفاظت کے خیال سے کچھ سونا اور جواہرات نگل گئے ہوں ان کے پیٹ چاک کر ڈالے ان دونوں کی سیاست میں یہ فرق تھا، مسلمانوں نے اپنی قوت اور صلیبیوں کی کمزوری کے زمانہ میں ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو اوپر مذکور ہوا اور صلیبیوں نے اس کے بدلہ میں ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ اس کے بعد مسلمانوں نے بھی اس کا بدلہ لیا اور ملک الظاہر نے ہزاروں صلیبی قتل کیے اور سلطان قلاؤں کی قوم نے بھی بیت المقدس پر صلیبیوں کے قبضہ کے وقت ان کے ہاتھوں مسلمانوں کے اس قتل عام کو فراموش نہیں کیا، جب ان کو مسجد اقصیٰ تک میں پناہ نہیں ملی تھی اور اس حرم مقدس میں اتنے مسلمان قتل کیے گئے تھے کہ ان کے خون سے نہر جاری ہوگئی تھی جس میں گھوڑے سواروں کے پاؤں ڈوب جاتے تھے، اس لیے سلطان قلاؤن نے بھی اپنے زمانہ میں بیت المقدس میں ایک لاکھ صلیبی قتل کیے۔

مسلمانوں اور صلیبیوں کے اخلاق پر جنگ صلیبی کے اثرات: صلح و آشتی کے زمانہ میں صلیبیوں کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ بڑے لطف و محبت کا رہتا تھا اور اس زمانہ میں جب خود صلیبی مؤرخین کے بیان کے مطابق صلیبی مجاہدین مزاج کی درشتی و خشونت اور عادات و اخلاق میں جہالت کا نمونہ تھے، مسلمان اجنبی مہمانوں کی طرح ان کی میزبانی اور مدارات کرتے تھے اور ان کے ساتھ عزت و احترام اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے، مسلمانوں نے اس کے ساتھ اتنا اخلاق برتا کہ انہوں نے عادات و اطوار اور لباس وغیرہ میں ان کی تقلید شروع کر دی، بعض نے عربی زبان تک میں مہارت پیدا کر لی اور زندگی کے بہت سے شعبوں میں مسلمانوں کے طور

Marfat.com

طریقے اختیار کر لیے۔

منرو کا بیان ہے کہ ''جب مسلمانوں اور صلیبیوں کا مقابلہ ہوا، اس وقت ان کے دماغ سے مسلمانوں کی بزدلی کا خیال نکل گیا اور دونوں کے تصادم سے نہ صرف صلیبیوں کو مسلمانوں کی حیرت انگیز شجاعت کا اعتراف کرنا پڑا، بلکہ ان کے دل میں مسلمانوں کے خلاف اور جو غلط تصوارت تھے وہ بھی دور ہوئے، شام اور فلسطین کے عیسائیوں اور مسلمانوں سے ہر وقت صلیبیوں کا سابقہ رہتا تھا، اس قربت اور تجربہ سے بھی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں، شام میں صلیبیوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اس لیے ان کو زراعت، گرجوں اور قلعوں وغیرہ کی تعمیر بلکہ فوجی تیاری میں بھی اہل ملک سے مدد لینا پڑتی تھی، اس میں وہ مسلمانوں اور ملحد (۱) عیسائیوں کے درمیان کم امتیاز کرتے تھے، اس کے علاوہ وہ مسلمان شرفا کے پڑوس میں رہتے تھے، اس لیے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات اور میل جول کے فرائض انجام دیتے تھے، ان کے ساتھ سیر و شکار میں جاتے تھے، بہت سے فرنگی مدتوں مسلمانوں کی قید میں رہے جن کے ساتھ وہ حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور بڑی حد تک اس کو آزادی دے رکھی تھی، ان تمام اسباب و حالات کی بنا پر صلیبیوں کو بہت قریب سے مسلمانوں کو دیکھنے کا موقع ملا، اسی طریقہ سے مسلمان قیدیوں کو صلیبیوں کے مشاہدہ اور تجربہ کا موقع ملا جس سے مختلف زمانوں میں دونوں کے درمیان دوستانہ تعلقات و روابط پیدا ہوتے ہے، دونوں کے ملکوں کے درمیان تجارتی تعلقات بھی مسلمانوں سے تعارف کا بڑا ذریعہ ثابت ہوئے، صلیبیوں نے شامی، ارمنی اور ان عرب عورتوں سے شادیاں کی تھیں جنہوں نے معموریت (۲) قبول کر لی تھی، اس کے علاوہ ان معاہدوں کے بعد جو مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان اس غرض سے ہوئے تھے کہ اگر کوئی تیسرا فریق دونوں میں سے کسی کے مقابلہ میں اٹھے گا تو دونوں ایک دوسرے

(۱) اس سے مراد غالباً ذمی عیسائی ہیں جو صلیبیوں کے عقیدہ میں ملحد تھے۔ 'م'۔ (۲) معموریت عیسائیت کی ایک مذہبی رسم ہے۔

Marfat.com

کی مدد کریں گے، فریقین کے بہت سے افراد کے درمیان دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔

مسلمانوں اور صلیبیوں کے مقابلہ سے صلیبیوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ یورپ کے حکمرانوں میں بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ کے آخری سال تک پاپائی کلیسا کے احکام کے مطابق حکومت کرنے کا جو دستور چلا آرہا تھا کہ "وہ اپنی اندھی تقلید سے لوگوں کے متعصّبانہ جذبات بھڑکا دیتے تھے اور بغیر کسی نمایاں فائدہ کے ان کو اور دوسروں کو قتل کرا دیتے تھے" وہ ختم ہو گیا، صلح کے وقفوں میں صلیبی معمولی ٹیکس ادا کر کے مسلمانوں کے شہروں میں پوری آزادی کے ساتھ گھوم پھر کر تجارت کرتے تھے اور مسلمان بھی صلیبیوں کے علاقوں میں آتے جاتے تھے، جنگ صلیبی سے سب سے زیادہ مادی فائدہ ان قوموں کو پہنچا جو بحر متوسط کے ساحل پر آباد تھیں، خصوصاً وینس، جنیوا وغیرہ کے باشندوں کو جن کے پاس تجارتی جہاز اور بندرگاہیں تھیں، اٹلی کے اس پار کے یورپ کے باشندے ارض مقدس کے آنے جانے میں اٹلی سے گذرنے پر مجبور تھے، اس لیے کہ خشکی کا راستہ طویل بھی تھا اور غیر محفوظ بھی۔ کیوں کہ ابتدائی صلیبی فوج کشی کے زمانہ میں انہوں نے قیصر روم کے ملک کو تباہ اور اس کے مقدس مقامات کی توہین کی تھی، اس لیے وہ اس راستے سے گذرنے میں مزاحمت کرتا تھا اور ان کی خیانت اور بدعہدی کی وجہ سے ان پر اعتماد نہ کرتا تھا اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں سے عہد و پیمان کو ترجیح دیتا تھا۔

مگر صلیبی لڑائیوں کی تاریخ پوری طرح ظاہر ہو جانے کے بعد بھی جس کے بعد کسی چیز میں شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی، یورپ کے شعوبی ہمیشہ صلیبیوں کے ضبط و نظام، ان کی حسن تنظیم اور حسن سیاست کی تعریف کرتے رہتے ہیں اور ان کو ہر اس عیب سے جو خود ان کے مؤرخین کی شہادت سے ثابت ہے بری کر کے ان کو لطف و کرم اور مسلمانوں کو شقاوت و سنگ دلی کا نمونہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ا ا کو نہیں مانتے کہ مشرق قریب و مغرب بعید کی قوموں کے تمدن میں کوئی بڑا فرق ہے، حالاں کہ ان لوگوں کے علاوہ جن کے دل اور آنکھ دونوں کو اعتراض نے اندھا کر دیا ہے، اس حقیقت پر فریقین کے عقلا کا اتفاق ہے۔

Marfat.com

جنگ صلیبی میں فریقین کے حامی اور مخالف: اگر اہل مشرق اہل مغرب سے ان فوائد اور نقصانات کا محاسبہ کرنا چاہیں جو جنگ صلیبی میں دونوں کو پہنچے تو اس کا اجمالی نتیجہ یہ ظاہر ہوگا کہ اس جنگ نے مسلمانوں کو بتایا کہ وہ باہمی امداد و اعانت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، شام سے عربی عصبیت کمزور پڑ گئی تھی، اس جنگ نے ان پر مذہبی اور تمدنی اتحاد کی حقیقت واضح کی اور مسلمانوں نے جب دیکھا کہ صلیبی لشکر میں نارمن، اٹلی، فرانسیسی، جرمن، ناروے، سوئیزرلینڈ اور یورپ کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی فوجیں شامل ہیں تو اس مشترک دشمن کے مقابلہ کے لیے عرب، ترک اور کرد وغیرہ بھی متحد ہوگئے اور ایک اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے ان کے سلاطین وامرا نے اپنے اختلافات بھلا دیے اور فاطمی اتابکی اس کے بعد نوری اور صلاحی پھر ممالک وغیرہ کی حکومتیں آپس میں متحد ہوگئیں، ان بڑی حکومتوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے امرا بھی آپس میں مل گئے اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں کا متحدہ محاذ قائم ہوگیا اور شام کے ساحلی شیعوں کے علاوہ جن کے شہروں پر پہلے سے صلیبی قابض ہوگئے تھے جس کی بنا پر وہ معذور ہوگئے تھے، باقی مسلمانوں کا کوئی فرقہ جماعت سے علاحدہ نہیں رہا، یعنی تنوخی اور دروزی سب اہل سنت کے ساتھ تھے، البتہ اسمٰعیلیوں کے دماغ پر ان حالات سے فائدہ اٹھا کر تباہ شدہ شہروں کے کھنڈر پر اپنی حکومت قائم کرنے کا جنون سوار ہوگیا اور وہ مسلمان امرا و عمال میں سے جس کو بھی اپنا مخالف اور اپنی راہ میں حائل سمجھتے تھے اس کو دھوکے سے قتل کر دینے کی کوشش کرتے تھے اور اس معاملہ میں ان کی بے حمیتی اتنی بڑھ گئی تھی کہ انہوں نے سلطان صلاح الدین جیسے شخص پر بھی ہاتھ چھوڑنے کی کوشش کی اور تاج الدین بوری والی دمشق اور نظام الملک طوسی وغیرہ بہت سے اکابر ان کے ناگہانی حملوں کا شکار ہوئے، ایسی مثالیں عیسائیوں میں بھی تھیں جس کا صلیبیوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ان کو بعض مرتبہ شام کے ان عیسائیوں کی وجہ سے شکست اٹھانا پڑی جو اسلامی حکومت کی خدمت انجام دیتے تھے، انہوں نے اس کا پانسہ پلٹ دیا اور شامی عیسائیوں کے ایک طبقہ نے جس کے ساتھ مختلف اسلامی حکومتوں کا برتاؤ منصفانہ اور لطف و محبت کا رہا تھا، اپنے ملک کو مدد پہنچائی، اسی طریقہ سے مسلمانوں کے محکوم

Marfat.com

ارمنی صلیبیوں کے دوش بدوش مسلمانوں سے لڑے جس کا پوپ گریگوری سیزدہم نے ۱۳۸۳ھ کے ایک خط میں شکریہ ادا کیا ہے۔

البتہ مسلمانوں میں جن لوگوں نے قوم سے غداری کرنا چاہی اور جن پر صلیبیوں کی جانب میلان کا الزام تھا ان کے ساتھ عام مسلمانوں اور ان کے رہنماؤں نے کوئی نرمی نہیں برتی، چنانچہ جب دمشق اور شام بعض دوسرے شہروں کے باشندوں نے صلیبیوں کی مخالفت کی اور دمشق کے حاکم شمس الملک نے یہ علاقے صلیبیوں کے حوالے کردینے کے لیے ان کو خفیہ بلا بھیجا تو خود اس کی ماں صفوۃ الملک نے اس کو قتل کرادیا، صلیبیوں نے بارہا فوجی طاقت کے زور اور چالاکی سے دمشق وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور ایسے وحشیانہ حملے کیے جو ان کی جنگی تاریخ کے لیے بدنما داغ ہیں ان کی فوجیں حوران، داریا بلکہ دمشق کے نواح مرج اخضر پہنچ گئیں لیکن ان کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

اسی طریقہ سے ۵۲۳ھ میں جب والی دمشق نے محسوس کیا کہ باطنی دمشق حوالہ کردینے کے لیے صلیبیوں سے ساز باز کر رہے ہیں تو اپنے خائن وزیر مزدکا کو قتل کردیا اور لوگوں کو اسماعیلیوں کے خلاف بھڑکا دیا، انہوں نے چھ ہزار باطنی قتل کر ڈالے اور ان کا فتنہ دب گیا، انہوں نے دمشق حوالہ کرنے کی تاریخ تک مقرر کردی تھی کہ اس تاریخ میں دونوں مل کر دمشق پر حملہ کردیں گے، صلیبیوں نے بھی انتقام میں حلب کے بازار جلا ڈالے جس سے یہاں افلاس پھیل گیا، گو عام طور سے مسلمان صلیبیوں کے مقابلہ میں متحد تھے، تاہم بعض زمانوں میں کچھ اختلاف بھی رہا جس سے صلیبیوں نے فائدہ اٹھایا اور بعض مسلمان سلاطین نے ان کی مدد کی، مگر مسلمان امرا نے کبھی نہ جنگی قوانین کے دائرہ سے باہر قدم نکالا اور نہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔

صلیبی جنگ میں مسلمانوں کو کیا فوائد پہنچے: جنگ صلیبی کے طویل زمانہ میں مسلمانوں نے فنون جنگ کی جانب بڑی توجہ کی اور اسلحہ، گھوڑے، منجنیقوں اور دبابوں وغیرہ سامان جنگ کی بڑی تعداد جمع کرلی اور اس سلسلہ میں بہت سی ایجادیں کیں، جنہوں نے عکا کے معرکہ میں صلیبیوں

Marfat.com

کو متحیر کر دیا تھا، اس معرکہ میں مسلمانوں نے پوری جنگی مہارت اور حربی تدبیروں سے صلیبیوں کا مقابلہ کیا، جیسا کہ خود ان کے عینی شاہد مورخین کا بیان ہے کہ ''ابھی مسلمان برجون میں لڑ رہے تھے ابھی منجنیقوں کا استعمال شروع کر دیا، کبھی دبابہ سے مقابلہ کرتے تھے کبھی کباش اور لوالب (۱) کو کام میں لانے لگے، اگر دن کو فصیلوں کو توڑتے تھے تو رات کو سرنگ کھودتے تھے، کبھی خندق سے لڑتے اور کبھی سیڑھیوں اور کمند کے ذریعہ، کبھی خشکی کی سمت سے حملہ کرتے اور کبھی بحری جنگ، جنگ گویا ان کی عادت اور پیشہ بن گیا تھا اور مسلسل جنگ کی تھکاوٹ اور اہل وعیال اور کاروبار کی زیادہ دوری سے بچنے کے لیے مسلسل جنگ کے بجائے دن رات میں تھوڑے تھوڑے وقفوں، مختلف مہینوں اور مختلف زمانوں میں لڑتے تھے، عکا کے محاصرہ کے زمانہ میں جب فوجی جائزہ کے لیے اسلامی افواج صلاح الدین کے سامنے پیش کی گئیں تو ان کی تعداد ایک سو اسی دستے تھے اور بیس دستے اس وقت موجود نہ تھے، ہر دستہ ایک امیر کی ماتحتی میں تھا جو طبل، علم، نوبت، نقارہ وغیرہ تمام فوجی اعزاز سے ممتاز ہوتا تھا، رضا کاروں کے علاوہ خالص فوج کا تخمینہ دو لاکھ سے لے کر پانچ لاکھ تک کیا جاتا ہے۔

جنگ صلیبی کے حوادث ہی کی وجہ سے فنون جنگ و سیاست میں مسلمان حکمرانوں کے کمالات ظاہر ہوئے اور سلطان نورالدین محمود زنگی اور سلطان صلاح الدین جیسے عالی دماغ فرمانروا پیدا ہوئے، اگر یہ جنگ نہ ہوئی ہوتی تو ان دونوں کے بہت کمالات اور ان کی نادر خصوصیات ظاہر نہ ہوتیں، مسلمان ان دونوں کی سیرت کو عمر بن عبدالعزیز کی سیرت کا درجہ دیتے تھے، ان دونوں نے اپنی نفسی قوت سے اسلام کی رونق دوبارہ زندہ کر دی، اگر جنگ صلیبی نہ ہوتی تو طغتگین کی سیاسی اور تنظیمی قابلیت اور کامل طاہر، قلاؤں اور اشرف وغیرہ بہت سے لیڈروں کی جنگی بصیرت پر پردہ پڑا رہتا، یہ بھی حسن اتفاق اور خدا کی توفیق تھی کہ صلیبی لڑائیوں کے زمانہ میں مسلمان امرا اور فرمانرواؤں کو اسلامی موقف کی نزاکت کا احساس ہو گیا تھا، اس لیے وہ اپنے سارے اختلافات ختم

(۱) دبابہ، کباش اور لوالب سب آلات جنگ کے نام ہیں۔ 'م'

Marfat.com

کر کے آپس میں مل گئے، ان میں اتنا اتحاد و اتفاق اس سے پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا تھا، ان کے مقابلہ میں صلیبی امرا آپس میں جھگڑتے رہتے تھے اور خونریزی تک نوبت آجاتی تھی اور بسا اوقات وہ اپنے حریف کے مقابلہ میں مدد لینے کے لیے مسلمانوں کی جانب رجوع کرتے تھے۔

اس زمانہ میں مصر، شام، عراق، جزیرۂ دیار بکر اور دیار ربیعہ وغیرہ کے سارے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے اگر وہ اس وقت متحد اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار نہ بن جاتے تو اسلام بالکل کمزور پڑ جاتا اور اس کی حکومت ساری دنیا سے اٹھ جاتی، اس لیے کہ صلیبی مجاہدین نے حجاز تک کو فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، چنانچہ کرک کے صلیبی فرمانروا آرنلڈ نے بحر قلزم میں ایلہ کے قریب ایک بیڑا اسی غرض سے تیار کیا تھا اور دو سمتوں سے اس مہم کا آغاز کیا، ایک سمت میں ایک جماعت نے ایلہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور دوسری سمت دوسری جماعت مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے عیذاب روانہ ہوئی اور والی کرک نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کیے جن کو سن کر سلطان صلاح الدین نے قسم کھائی تھی کہ جب بھی اس پر قابو حاصل ہوگا، اپنے ہاتھ سے اس کا سر قلم کرے گا، چنانچہ حطین کے معرکہ میں جب دوسرے صلیبی حکمرانوں کے ساتھ والی کرک گرفتار ہوا اس وقت صلاح الدین کو اپنی قسم پوری کرنے کا موقع ملا، اس نے اور سب حکمرانوں کو تو رہا کر دیا لیکن والی کرک کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، حطین کا معرکہ اور اس کے بعد ساحلی علاقے اور بیت المقدس کی فتح مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں اسلامی فوجوں نے اسلام کی فتوحات کی طرح حیرت انگیز کارنامے دکھائے۔

جنگ صلیبی کی تباہ کاریاں اور اس کی تلافی کے لیے مسلمانوں کی کوشش: جنگ صلیبی کے نقصانات میں ایک بڑا نقصان یہ بھی تھا کہ شام کے تمام ساحلی شہر تباہ ہو گئے جن کو جنگی ضرورت کی بنا پر دونوں فریق نے عمداً تباہ و برباد کیا تھا، مسلمانوں نے بہت سے قلعے اور شہر اس خطرہ سے تباہ کیے تھے کہ اگر وہ دشمنوں کے قبضہ میں چلے گئے تو وہ ان میں قلعہ بند ہو جائیں گے جس سے جنگ کی مدت بڑھ جائے گی اور مسلمان جانی نقصان کے علاوہ بڑی سخت تباہی و بربادی میں مبتلا

Marfat.com

ہو جائیں گے، کیوں کہ اس جنگ میں مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے لوگ پہلے کی طرح کھیتی باڑی کی جانب توجہ نہیں کر سکتے تھے اور جو پیداوار تھی وہ اسلامی فوجوں کے لیے بھی کافی نہیں تھی، بہت سی مزروعہ زمینیں جو دونوں فوجوں کے درمیان میں پڑتی تھیں بے کار ہو گئی تھیں اور ان زمینوں کو بھی جن میں دشمن جنگی حالات کے مطابق آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے رہتے تھے، کاشت کاروں نے چھوڑ دیا تھا، ہزاروں زراعت پیشہ مسلمان جنگ میں کام آگئے تھے جس سے کام کرنے والوں کی بڑی کمی ہو گئی تھی، ان اسباب کی بنا پر ملک میں بڑا قحط پڑ گیا تھا، ہر چیز کی قیمت پنچ گنی اور چھ گنی ہو گئی تھی جس سے لوگ سخت تنگی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے اس کے مقابلہ میں یورپ کے معرکہ آرا صلیبیوں کی تعداد میں جو کمی ہوتی تھی وہ یورپ کی مسلسل امداد سے پوری ہوتی رہتی تھی، انہوں نے سات بڑے حملے کیے اور بعض بعض حملوں میں ان کی فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے اوپر تھی اور بعض اوقات مسلمان فوجوں اور ان کی بیرونی امداد کی تعداد صلیبیوں کی تعداد سے بہت کم ہوتی تھی۔

مسلمانوں میں ایک بڑی کمی یہ تھی کہ وہ اہل یورپ سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور اس کی جانب انہوں نے بہت کم توجہ کی تھی، حالاں کہ شروع سے ان سے ان کا سابقہ تھا اور ان کے حالات سے واقفیت کے وہ خواہش مند بھی تھے، ایسے موقعے بھی آئے جب انہوں نے اہل یورپ کو اس تباہ کن جنگ سے روکنے کی بھی کوشش کی، چنانچہ ان سے معاہدے کرتے تھے انہیں خصوصی امتیازات اور رعاتیں دیتے تھے، ان کی شکایتوں کا ازالہ کرتے تھے، مسلمانوں نے جب دیکھا کہ صلیبی مجاہدین اسلامی ملکوں کی خبریں حاصل کرنے کے لیے ان سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں جس سے کبھی کبھی ان کو فتح حاصل ہو جاتی ہے تو تھوڑے دنوں کے بعد انہوں نے مخبری کے فن میں ایسا کمال حاصل کر لیا کہ ان سے صلیبیوں کی چھوٹی سے چھوٹی خبر بھی مخفی نہ رہنے پاتی تھی، دیلمیوں کے زمانہ میں اس سے پہلے اور بعد کے زمانوں میں بھی یہ دستور تھا کہ ملک کا کوئی حصہ خبر رسانوں اور ڈاک کے انتظام سے خالی نہ تھا اور دور و نزدیک کی کوئی خبر ان سے مخفی نہ رہتی تھی، صلیبیوں نے بعض مرتبہ اپنی پڑوسی مسلمانوں کی استمالت کی بھی کوشش کی لیکن انہوں نے ان کو ہمیشہ غاصب ہی

Marfat.com

سمجھا، جس نے باہر سے آکر اسلامی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا، اس لیے جب تک وہ اپنے وطن اور اپنی سرزمین سے آخری صلیبی کو نہ نکال دیتے اس وقت ان کے دل میں ان کی کوئی گنجایش نہیں نکل سکتی تھی۔

مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مختلف قسم کی تدبیریں اور چالیں بھی اختیار کیں، جنگ صلیبی سے متاثر علاقوں کے حکمرانوں عباسی خلفا کو مانتے تھے اور اپنے مقصد کے حصول اور لوگوں کو جنگ میں شامل کرنے کے لیے ان کے معنوی اثر کو کام میں لاتے تھے لیکن اس زمانہ میں عباسیوں کا اثر اتنا کم ہوگیا تھا کہ ان کے نام سے مسلمان قوموں کو جو مادی فوائد حاصل ہوتے تھے، ان میں بڑی کمی ہوگئی تھی۔

صلیبی بادشاہوں کے ساتھ مسلمانوں کی سیاست اور ان کا طرز عمل: صلیبی سلاطین کے ظلم وزیادتی اور ناحق کوشی کے باوجود مسلمانوں نے فتح اور شکست دونوں حالتوں میں ان کے ساتھ نہایت تعجب انگیز سیاست اختیار کی اور ان حالات میں بھی انہوں نے ان کے ساتھ جیسا سلوک کیا اس سے زیادہ اچھا سلوک ایک شریف دشمن سے تصور میں نہیں لایا جاسکتا، طغتکین نورالدین اور ان کے بعد ابتدائی لڑائیوں میں سلطان صلاح الدین تینوں کا طرز عمل اس معاملہ میں یکساں رہا لیکن جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کی نرمی اور حسن سلوک کا کوئی اثر ان پر نہیں پڑتا تو انہوں نے بھی طرز عمل بدل دیا پھر جب ان کو اس کا اندازہ ہوگیا کہ جنگ صلیبی کے بارے میں یورپ کی سیاست بدل گئی ہے اور وہاں جوشیلے بہادروں نے مشرق کے صلیبیوں کی امداد سے ہاتھ روک لیا تو تدبیر اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اہل یورپ سے اپنی سرزمین کو بالکل پاک کردیں۔

سلطان نورالدین زنگی کی ذات تاریخ اسلام کی بڑی نامور اور باعظمت شخصیت تھی اس نے اپنی قوت بازو سے ایک بڑی سلطنت قائم کی اور جب وہ مستحکم و مضبوط ہوگئی تو اس نے صلیبیوں کے قلعوں پر حملے شروع کردیے اور اپنی شجاعت، اخلاص اور مسلمانوں میں اپنی محبوبیت کی وجہ سے

Marfat.com

پچاس شہر اور قلعے فتح کیے اور جب وہ صلیبیوں کو شکست دیتا تھا تو ان کے تعاقب اور تلاش میں زیادہ کاوش نہیں کرتا تھا اور اپنی قوم کے حقوق بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا، بلکہ حالات کے مطابق ایک عملی انسان کی طرح درمیانی طریقہ اختیار کرتا تھا، اس نے جب حارم میں صلیبیوں کو شکست دی تھی اس وقت رومیوں، جرمنوں اور دوسرے فرنگیوں کو ملا کر ان کی کل تعداد تیس ہزار تھی اس معرکہ میں ایک صلیبی حکمران بوہیمند بھی گرفتار ہوا، اس نے اپنی رہائی کے معاوضہ میں بہت بڑی رقم پیش کی ،سلطان نے اس کو رہا کر دیا اور وہ رقم جہاد میں صرف کی، اسی طریقہ سے ایک اور صلیبی فرمانروا نے اپنی رہائی کا فدیہ دیا، سلطان نے اس سے یہ وعدہ لے کر کہ وہ چند سال تک مسلمانوں سے جنگ نہ کرے گا چھوڑ دیا اور فدیہ کی رقم سے ایک بڑا شفاخانہ تعمیر کرایا، سلطان کے دوسرے ارکان سلطنت اس کی رہائی کے خلاف تھے ان کو یہ یقین تھا کہ وہ عہد پر قائم نہیں رہے گا لیکن اتفاق سے وہ اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچتے ہی مر گیا۔

مسلمان سلاطین میں صلیبیوں کے ساتھ سب سے زیادہ سابقہ صلاح الدین کا رہا تھا اور اسی کے ہاتھوں بڑے بڑے اہم اور ہلاکت خیز واقعات پیش آئے، اسی کے زمانہ میں سب سے بڑے صلیبی حملہ میں یورپ کا سب سے بڑا فرمانروا رچرڈ شیر دل بادشاہ انگلستان شام آیا، اس نے جنگ کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے، صلاح الدین کے غلاموں سے دوستی پیدا کی اور ان سے اتنے تعلقات بڑھائے کہ دونوں مختلف اوقات میں آپس میں ملتے تھے لیکن اس کوشش میں سنجیدگی نہ تھی اور اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ کسی طرح ارض مقدس کی واپسی میں کامیاب ہو جائے، صلاح الدین اس کو پوری طرح سمجھتا تھا، مگر اس نے عمداً اس تماشہ سے چشم پوشی کر لی تھی۔

رچرڈ نے صلاح الدین کو لکھا تھا کہ ''اس جنگ میں بہت سے مسلمان اور فرنگی ہلاک، ملک تباہ اور جان و مال کا اتلاف ہو چکا ہے اور اب معاملہ انتہا کو پہنچ گیا ہے اور صرف بیت المقدس، صلیب مقدس اور تھوڑے سے ملک کا یہ سارا جھگڑا ہے، بیت المقدس ہماری عبادت گاہ ہے اس

Marfat.com

لیے خواہ ہمارا ایک آدمی بھی زندہ نہ رہ جائے ہم کسی حالت میں اس کو چھوڑ نہیں سکتے، ہم صرف اتنا ملک چاہتے ہیں کہ اردن دونوں کی حد فاصل ہو جائے، صلیب تمہارے نزدیک محض معمولی لکڑی کا ایک ٹکڑا ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اور ہمارے لیے وہ بڑی مقدس چیز ہے اس لیے سلطان کو ہمارے یہ مطالبات مان کر ہم پر احسان کرنا چاہیے کہ اس دائمی مصیبت سے نجات مل جائے'' سلطان نے اس کا یہ جواب دیا کہ ''بیت المقدس جیسے تمہارے لیے مقدس ہے ویسے ہی ہمارے لیے بھی ہے بلکہ تم سے زیادہ ہمارے لیے اس کی عظمت ہے، وہ ہمارے نبی کی معراج کی راہ اور ملائکہ کی اجتماع گاہ ہے، اس لیے اس سے ہماری دست برداری کا تصور بھی نہیں لایا جا سکتا اور نہ ہم اس خیال کو کسی مسلمان کے سامنے اپنی زبان سے نکال سکتے ہیں، ملک دراصل ہمارا ہے تم لوگ محض مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے اس پر قابض ہو گئے ہو، رہی صلیب تو اس کو برباد کرنا ہمارے نزدیک بہت بڑی عبادت ہے اور اس بارہ میں ہم اسلام کے مفاد اور مصالح کے علاوہ اور کوئی طریقہ اختیار نہیں کر سکتے جو ہمارے لیے صلیب سے زیادہ ضروری ہیں۔

رچرڈ نے یہ بھی صلاح الدین کو لکھا تھا کہ ''نہ تمام مسلمانوں کو ہلاک کر دینا تمہارے لیے مناسب ہے اور نہ تمام فرنگیوں کو میرے لیے'' ابن شداد یہ عجیب وغریب شرائط صلح نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ''اپنے حصول مقصد کے لیے کبھی نرمی اور کبھی سختی کی یہ تدبیر قابل غور ہے اور اس کا یہ طرز عمل اس حالت میں تھا جب وہ اپنے ملک واپس جانے کے لیے بے چین تھا، خدا مسلمانوں کو اس فریب سے بچانے کے لیے کافی ہے، مسلمان اتنے بڑے فریب میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے اور نہ کبھی ان کو ایسے نڈر اور بیباک دشمن سے سابقہ پڑا، ۵۸۸ھ میں فرنگیوں اور مسلمانوں میں صلح ہوئی اور یورپ کے بڑے بڑے لوگوں نے حلف لے کر اس کی توثیق کی، صرف رچرڈ نے یہ عذر کیا کہ بادشاہ قسم نہیں کھاتے اس لیے وہ حلف نہیں لے سکتا اور اس کے بجائے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہدہ کی توثیق کی۔

صلیبیوں کو جنگ سے جو فوائد پہنچے: جنگ صلیبی میں صلیبیوں کو حسب ذیل فوائد پہنچے،

Marfat.com

انہوں نے آرام وراحت کی شایستہ زندگی مسلمانوں سے سیکھی اور دہقانی زندگی کو خیر باد کہا، زراعت وتجارت سے شغف پیدا ہوا اور ان کو معلوم ہوا کہ اسلامی مشرقی ملکوں کی صنعت وحرفت ان کی صنعتوں سے زیادہ ترقی یافتہ ان کی زراعت ان کی کھیتی سے زیادہ کامیاب ان کی تجارت ان کی تجارت سے زیادہ نفع بخش اور ان کے معاملات ان کے معاملات سے زیادہ صاف ہیں اور ان میں عجیب وغریب رواداری ہے، اسی زمانہ سے فرنگیوں کو سیر وسیاحت سے دلچسپی پیدا ہوئی اور انہوں نے مشرقی ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم کیے ان کو اس کا بھی یقین ہو گیا کہ اگر مسلمان کچھ دنوں تک بدلہ نہ لیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ہمیشہ خاموش رہیں گے جب بھی ان کے لیے غلبہ واقتدار کے اسباب فراہم ہو جائیں گے وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس وقت ان میں بڑے بڑے قائد اور رہنما پیدا ہو جائیں گے، ان کے لیڈر بڑے واقعات نہیں پیدا کرتے بلکہ اہم واقعات کے وقت ان میں خود بخود لیڈر پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کی لیڈری فوری پیداوار نہیں ہوتی۔

صلیبیوں کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی فوجوں اور ان کی قیادت میں قومی وحدت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دشمن، رومی اور اسلامی ملکوں میں ان کے سینہ پر سوار ہو گئے اور جنگ صلیبی نے یورپ کی مختلف قوموں کو ایک دوسرے کے قریب اور ایک جھنڈے کے نیچے جمع اور ان کے دلوں میں تہذیبی وحدت کا احساس پیدا کیا جس سے یورپی تصور کے پیدا ہونے میں مدد ملی، اس جنگ نے فرنگیوں اور ان کے دشمنوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنا سکھایا اور صلح ومسالمت کے زمانہ میں دونوں میں عہد وپیمان اور تعلقات وروابط قائم ہوئے، چنانچہ رچرڈ نے عرب سواروں کا ایک دستہ بنایا اور دونوں قوموں میں ازدواجی تعلقات بھی قائم ہوئے، اس طرح فریقین میں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری پیدا ہوئی، منرو لکھتا ہے کہ "عیسائی طبیبوں پر مسلمان اطبا کی برتری کی وجہ سے عیسائی، مسلمان اطبا کو ترجیح دیتے تھے، کیوں کہ عیسائی طبیب زخموں کے علاج میں چھری، چاقو وغیرہ آلات جراحت استعمال نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ فریڈرک باربروسہ کی

Marfat.com

جانب سے بوچرڈ صلاح الدین کے پاس آیا، سلطان نے ان کے سامنے اسلامی عقائد اور مسلمانوں کی رواداری کو بڑی خوبی سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں نے ہر مذہب کے پیرووں کو پوری آزادی عطا کی ہے اور اکثر مسلمان صرف ایک بیوی پر اکتفا کرتے ہیں" منرذ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "صلاح الدین کی اس نرمی، فیاضی اور حسن سلوک کی بنا پر جو اس نے بیت المقدس کی فتح میں عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا یورپ میں بہت محبوب تھا، یہ سلوک اس سلوک سے بہت مختلف تھا جو ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اور جس نے اہل یورپ تک کو حیرت میں ڈال دیا تھا، حسن سلوک مسلمانوں کی فطرت میں داخل ہے اور وہ رواداری میں مشہور ہیں، مسلمانوں اور صلیبیوں کے اس اختلاط اور میل جول نے اہل یورپ کے دلوں سے اسلام کے متعلق وہ تمام غلط خیالات دور کر دیے جو ان کے مذہبی پیشواؤں نے دانستہ یا نادانستہ پھیلائے تھے حتی کہ خود بعض عیسائی بڑی خوبی سے اسلامی عقائد کی تشریح کرنے لگے" آگے چل کر منرو لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کو مہمانوں کی میزبانی میں بڑا غلو ہے اور وہ اخلاق ولطف وکرم میں بہت ممتاز ہیں، ریکوڈس ۱۲۹۴ء کے قریب زمانہ میں لکھتا ہے کہ "کون شخص ہے جو مسلمانوں کی شجاعت، بہادری، نمازوں میں ان کے خضوع وخشوع محتاجوں کے ساتھ شفقت ومحبت، اللہ تعالیٰ انبیائے کرام اور مقامات مقدس کے ساتھ ان کے احترام وتقدیس، ان کی حسن معاشرت، اجنبیوں کے ساتھ ان کے لطف ومدارات، ان کے اتحاد ویکجہتی اور باہمی الفت ومحبت پر متحیر نہیں ہے" ریکوڈس کے یہ خیالات نقل کرنے کے بعد منرو لکھتا ہے کہ "ان صریح شہادتوں کے برخلاف اب تک مسلمانوں کے متعلق عیسائی کاہنوں کا پرانا نظریہ باقی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عیسائیوں کے بکثرت اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان سے خوفزدہ ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو عیسائیت سے مانوس کرنا محال ہے"۔

صلیبیوں نے شام کے ساحلی علاقے اور ارض مقدس میں بعض قلعے اور گرجے اپنی یادگار چھوڑے ہیں، ۶۹۰ھ میں جب سلطان خلیل نے ان پر آخری کاری ضرب لگائی تھی، اس

Marfat.com

وقت اس علاقہ کے کچھ فرنگی اس کو چھوڑ کر لبنان کے پہاڑی علاقہ میں آباد ہو گئے اور کچھ اپنے اصلی وطن لوٹ گئے، سیبوس لکھتا ہے کہ ''اگر جنگ صلیبی کی وجہ سے اہل یورپ میں سخت قسم کا تعصب نہ پیدا ہو گیا ہوتا تو اس میں کوئی شبہہ نہیں تھا کہ اس جنگ سے ان کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے اور جب انہوں نے مسلمانوں کی رواداری اور نورالدین وصلاح الدین جیسے مشاہیر امراو سلاطین کی نرمی و مسامحت کو دیکھا تو جنگ صلیبی کے خاتمہ کے بعد ان میں رومن شہنشاہی کے زمانہ سے زیادہ تجارت پھیل گئی اور اہل یورپ نے عربوں سے تہذیب اور اعلیٰ عادات واخلاق وغیرہ تمام باتیں سیکھیں جو زندگی کو آسان اور شیریں بناتی ہیں'' اس کو لکھنے کے بعد سیبوس تحریر کرتا ہے کہ ''مشرق ومغرب میں تعلقات کا آغاز مومنین کی جنگ سے ہوا اور تجارتی معاملات کے ذریعہ وہ انتہا کو پہنچے، مشرقیوں کے تصادم سے مغربی مہذب بن گئے، اس اختلاط کا اثر عیسائیوں کے دینی افکار پر بھی پڑا، پہلے تو وہ مسلمانوں سے برسر پیکار ہوئے مگر جب انہوں نے ان کو قریب سے دیکھا، ان میں صلاح الدین جیسا سخت مگر روشن ضمیر اور کریم النفس انسان نظر آیا جس نے عیسائی قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ کے چھوڑ دیا اور ایک بڑے صلیبی لیڈر کے علاج کے لیے اپنا طبیب خاص بھیجا، تو پھر وہ مسلمانوں کا احترام کرنے لگے''۔

جنگ صلیبی کے نقصانات اور فوائد کے بارہ میں لیبان کی رائے: لیبان اس خونی حوادث پر بحث کرتے ہوئے جو صلیبی لڑائیوں میں مشرق ومغرب کے درمیان پیش آئے، لکھتا ہے کہ ''یہ لڑائیاں اپنے مقصد یعنی فلسطین پر عیسائیوں کے قبضہ کے اعتبار سے بے کار اور بے نتیجہ رہیں اور صلیبیوں کو اتنی خونریزی اور مالی قربانیوں کے باوجود چند ہی صدیوں میں یہاں سے نکل جانا پڑا مگر اس کے دوررس نتائج کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ ان سے بڑے فوائد حاصل ہوئے اور مشرق کے ساتھ مغرب کا دو صدیوں تک اختلاط یورپ میں تہذیب کی اشاعت کا قوی ذریعہ ثابت ہوا اور جنگ صلیبی سے ان کی اصل غرض وغایت کے علاوہ بالکل دوسرے قسم کے فوائد ونتائج حاصل ہوئے، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ ایک کام جس مقصد کے لیے کیا گیا اس کے

Marfat.com

بالکل خلاف دوسرا مقصد حاصل ہو گیا، جو شخص مشرق و مغرب کے اس تصادم کے مشترک اثرات و نتائج کا جو دونوں پر مترتب ہوئے، اندازہ کرنا چاہیے، اس کو ان قوموں کی تمدنی حالت کو نگاہ میں رکھنا چاہیے جن کے درمیان اختلاط ہوا ہے، یہ ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں جب یورپ وحشت و جہالت میں غرق تھا، مشرق عربوں کے طفیل میں ایک اعلیٰ واشرف تہذیب سے بہرہ مند تھا، صلیبیوں کے مجموعی اعمال سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ہر موقع پر وحشی ثابت ہوئے تھے، ان کا کام لوٹ مار تھا اور اس میں دوست و دشمن کا کوئی امتیاز نہ تھا، انہوں نے قسطنطنیہ میں قدیم یونانی اور لاتینی یادگاروں کے گراں بہا خزانے برباد کیے اور ان وحشیوں کے تصادم سے مشرق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور ان کے دلوں میں اہل یورپ کی جانب سے سخت نفرت و کراہت پیدا ہو گئی جو کئی صدیوں تک قائم رہی یہ اس جنگ کا نہایت مضر نتیجہ تھا"۔

صلیبیوں کی جہالت، ان کی درشت مزاجی، احمقانہ درنگی اور دینداری کی کمی کی وجہ سے اہل مشرق کے دلوں میں یورپ کے عیسائی قوموں اور ان کے مذہب کے بارہ میں بڑی بدگمانی پیدا ہو گئی جس سے مشرق و مغرب کے درمیان اختلاف کی ایک بڑی خلیج حائل ہو گئی، جس کی تلافی دشوار ہے اور یہ سب پاپاؤں کے غیر معمولی اثر اور مذہبی رہنماؤں کی خرابی کا نتیجہ تھا، پھر اس کے ردعمل میں دینی اصلاح کی تحریک اور خونریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا، ان لڑائیوں کا سب سے مذموم اور ناخوشگوار نتیجہ یہ تھا کہ چند صدیوں تک لوگوں میں مذہبی تعصب اور عدم رواداری راسخ ہو گئی اور مذہب سنگ دلی، وحشت اور درنگی کا مظہر بن گیا، جس کی مثال یہودیوں کے علاوہ اور کسی کی تاریخ میں نہیں ملتی، ان لڑائیوں کے بعد مذہبی تعصب جنون کے درجہ تک پہنچ گیا، جس کے آثار آج بھی نمایاں ہیں اور مذہبی رہنما خونریزی کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ وہ دشمنوں کو مٹانے کے لیے جو طریقے پہلے استعمال کرتے تھے اب ان کو وہ ایمان کی تبلیغ اور الحاد و بے دینی کے استیصال کے نام سے خود اپنی قوم کی بربادی کے لیے استعمال کرتے ہیں اور جو شخص کوئی ایسی نئی بات کہتا ہے جو ذرا بھی ان کے خلاف ہوتی ہے اس کو وہ سخت ترین عذاب کا مستحق سمجھتے ہیں، یہودیوں، الجیوں

Marfat.com

(۱)اور مختلف غیر مقلد طبقوں کا قتل عام، تحقیق دینی کی عدالت اور تمام مذہبی لڑائیاں اور وحشیانہ معرکے جن میں ایک مدت دراز تک یورپ مبتلا رہا، سب اسی مذہبی تعصب کے مذموم نتائج تھے جس کی آگ صلیبیوں نے بھڑکائی تھی''۔

صلیبیوں کا مقصد بظاہر تو عیسائی دنیا کا قبلہ یعنی مزار مقدس پر قبضہ کے ذریعہ دین کی خدمت تھی لیکن حقیقۃً وہ مذہب کی روح سے بالکل عاری تھے، اس لیے جب وہ مال غنیمت دیکھتے یا کوئی ناپسندیدہ کام، حیلہ وفریب یا جرم وگناہ کرنا چاہتے تو مذہب کو پس پشت ڈال دیتے اور اس کی پروا مطلق نہ کرتے کہ ان کے ان اعمال کا نتیجہ خود ان کی ذات اور ان کی قوم کے حق میں کیا ہوگا، عماد کاتب (۲) نے لکھا ہے کہ یورپ کے صلیبیوں نے فلسطین کے صلیبیوں کے تعیش کے لیے بہت سی عورتیں بھیجی تھیں جو جنگجو صلیبیوں کی نفسانی خواہشات پوری کرتی تھیں جو کسی آسمانی مذہب میں بھی جائز نہیں ہے، اس لیے ان لوگوں کے برخلاف جو صلیبیوں کو تہذیب وتمدن کا صاف وشفاف لباس پہنانا چاہتے ہیں، لیبان کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ ''وہ بالکل وحشی اور جاہل تھے اور ان میں مذہب اور ایمان بہت کم تھا'' ان کا ظاہری لباس جہل وحماقت اور ان کا شعار تعصب اور خواہش نفس تھا۔

صلاح الدین کی سیاست اور اس سے صلیبیوں کا استفادہ: جنگ صلیبی سے پہلے یورپ کے ان معدودے چند ذہین افراد کے علاوہ تجارت کے سلسلہ میں مشرق یا بیت المقدس کی زیارت کے لیے فلسطین یا حصول تعلیم کے لیے اسپین وسسلی آئے تھے، عام طور سے اہل یورپ مشرق سے ناواقف تھے، جنگ صلیبی میں انہوں نے اس کو پہچانا، ان ناخواندہ مہمانوں میں ہر طبقہ کے آدمی تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو ان کے خاص وطن میں دیکھا تھا جس سے ان کو اس کا پورا اندازہ ہوگیا کہ مسلمان جنگی، علمی وادبی اور اجتماعی اوصاف میں ان سے بہت ممتاز ہیں، انہوں

(۱) البیجی عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جو بارہویں صدی ہجری میں فرانس کے صوبہ البی میں پیدا ہوا تھا، اس نے پوپ کی مخالفت کی تھی اس لیے پادریوں نے اس کو بڑی بے دردی کے ساتھ مٹایا۔ (۲) الفتح القدسی۔

Marfat.com

نے ایک ایسی قوم دیکھی جو مذہبی پیشواؤں کی قید و بند سے ایک حد تک آزاد اور اس سے مختلف تھی، جیسی دوسرے لوگ اس کو سمجھتے تھے (۱) مذہبی پیشواوں کی گرفت سے آزادی کی ایک مثال یہ ہے کہ جنگ صلیبی کے معاملات میں صلاح الدین فقہا کو مشورہ میں شریک نہیں کرتا تھا بلکہ اپنے فوجی افسروں اور تجربہ کار مشیروں کی رائے پر اعتماد کرتا تھا، کیوں کہ وہ یہ جانتا تھا کہ اس قسم کے معاملات ومسائل میں مذہبی پیشواؤں کی نظر، سیاسی مبصروں کی نگاہ سے مختلف ہوتی ہے، اگر سلطان بیت المقدس کی فتح کے وقت فقہا کی رائے کے مطابق صلیبیوں کے ساتھ اسی بے رحمی کا سلوک کرتا جو صلیبیوں نے اپنے قبضہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا تو یورپ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ جاتی اور پھر صلیبی لڑائیوں سے بھی یہ عقدہ نہ حل ہوسکتا، اس معاملہ میں سلطان کی نگاہ ان لوگوں سے زیادہ وسیع تھی، جنہوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ صلیبیوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اور ان کو ایک سرے سے قتل کر دیا جائے۔

اس کے مقابلہ میں صلیبیوں پر ان کے مذہبی پیشواؤں کا اتنا اقتدار تھا کہ اگر ان کے ارباب سیاست مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور رواداری برتنا بھی چاہتے تھے تو دینی پیشوا ان کو سختی کرنے کا حکم دیتے تھے اور اگر سیاسی رہنما عہد کی پابندی میں مصلحت سمجھتے تو دینی طبقہ ان کو تمام مذہبی قیو سے آزاد کر دیتا تھا، چنانچہ بادشاہ انگلستان نے جب اس شرط کے ساتھ اپنی بہن کی شادی سلطان کے بھائی ملک العادل کے ساتھ کرنا چاہی کہ شام کا ساحلی، اسلامی اور فرنگی علاقہ ان دونوں کو دے دیا جائے اور ملک العادل سلطان کی جانب سے اسلامی علاقے پر حکومت کرے اور فرنگی علاقہ کی حکمرانی ان کی جانب سے اس کی بہن کے ہاتھوں میں رہے تو عیسائی مذہبی پیشواؤں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ پاپائے روم کے مشورہ کے بغیر شاہ انگلستان اپنی بہن کا نکاح ایک مسلمان کے ساتھ نہیں کر سکتا اور پاپا اس کی اجازت اس وقت تک ہرگز نہ دیتا جب تک ملک العادل عیسائیت نہ قبول کرتا، ان کی مخالفت کی بنا پر یہ مفید تجویز پوری نہ ہوسکی، بعض لوگوں کی رائے ہے کہ جن صلیبی

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں کی طرح مذہبی پیشواؤں کے خودساختہ قیود کے پابند نہ تھے۔ م

Marfat.com

لڑائیوں کا سلسلہ گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی تک جاری رہا وہ یورپ کی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوئیں، اس ترقی کی ابتدا نیچے طبقوں، کاشت کاروں اور عوام سے ہوئی تھی، جن کو پیٹر راہب نے صلیب کے علم کے نیچے جمع کر کے ان کی فوج مرتب کی تھی، پوری تین صدی جنگ صلیبی جاری رہی، تیرہویں صدی میں اس کا خاتمہ ہوا، یہ پورا زمانہ ''دور ایمانی'' کہلاتا ہے، اس میں عیسائی یورپ کلیسا اور حکومتوں کے حکم سے مذہبی عدالتوں سے خالی رہا۔(۱)

تاریخ عام میں ہے کہ ''صلیبی لڑائیوں سے یورپ کو یہ فوائد حاصل ہوئے کہ کاشت کاروں کو جاگیرداروں کی غلامی سے نجات ملی (کلیسا کی حکومت کے بجائے) دنیاوی حکومت کے اقتدار کو تقویت پہنچی، جاگیرداری نظام میں اصلاح اور غنائی شاعری کی اشاعت ہوئی، اٹلی کا ملک دولت مند ہو گیا، مذہب کی قوت اور پاپائیت کا اقتدار کمزور پڑ گیا، سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ دولت امرا اور عمائد سے نکل کر متوسط طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی اور امرا کو جاگیریں بیچ دینا پڑیں، جن کو محنت کش اور تجارت پیشہ طبقہ نے خرید لیا۔

میشو کا بیان ہے کہ ''تیرہویں صدی میں نارمن اور شمالی یورپ کی تمام وحشی قوموں میں دہقانیت عام تھی، اس سے جنگ صلیبی میں بڑی مدد ملی مگر جب سولہویں صدی میں جدید تہذیب کی ابتدا ہوئی اور بادشاہوں میں پھیلی تو وہ وطن چھوڑ کر مسافرت کی بدویانہ زندگی کو ناپسند کرنے لگے، ان کے ساتھ ان کی قوم بھی اس کو برا سمجھنے لگی، پھر جب صنعت وحرفت پھیلی اور زراعت میں ترقی اور علوم وفنون کی اشاعت ہونے لگی اور یورپ کے ہر شہر، ہر خاندان اور ہر ملک وقوم کی خصوصیات اور ان کے القاب وامتیازات کا شہرہ ہونے لگا، ان کو حقوق ومراعات حاصل ہو گئے اور اس میں آیندہ ترقی کی امیدیں قائم ہوئیں تو اس سے اہل یورپ کے اخلاق میں بڑا انقلاب پیدا ہو گیا اور

---

(۱) یعنی وہ عدالتیں جو عقائد کی جانچ پڑتال کے لیے قائم تھیں، رر بد عقیدہ عیسائیوں کو سزا دیتی تھیں مگر عیسائی دنیا میں صلیبی جہاد کی شرکت ایک ایسا فریضہ تھا جس کے بعد اور کسی عمل کی ضرورت باقی نہ رہ جاتی تھی، اس لیے اس مدت میں مذہبی عدالتیں بھی ختم کر دی گئی تھیں۔

Marfat.com

ان میں بدویانہ سیر وسیاحت کی زندگی کا جو میلان تھا وہ بدل گیا اور اس کو انہوں نے وطن سے تعلق کا ذریعہ بنالیا، اس کے بعد کی صدی میں جہاز رانی کی ترقی سے امریکہ کا انکشاف ہوا اور جہاز ران کیپ آف گڈ ہوپ سے بھی آگے تک پہنچ گئے، اس انکشاف سے تجارتی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا اور افکار و خیالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور وہ صنعتی تجارتی کمپنیاں جو جنگ صلیبی کے زمانہ میں قائم ہوئی تھیں، امریکہ اور شرق الہند کا رخ کرنے لگیں اور اہل یورپ کے لیے بڑے بڑے ملکوں اور دولت مند خطوں کے دروازے کھل گئے، یہ خطے ان کی حرص وطمع پوری کرتے تھے اور حصول جاہ وثروت اور جہانگیری کی بھوک کی آگ بجھاتے تھے، اس سے نئی دنیا کے حالات مشرق کے عجائبات سے مانوس ہوئے۔

یہ وہ فوائد ہیں جو صلیبیوں کو سرزمین شام میں مسلمانوں سے جنگ کرنے اور مسلمانوں کو اپنے وطن میں بیرونی حملہ آوروں سے حاصل ہوئے مگر اسی کے ساتھ یہ نقصان بھی ہوا کہ صلیبیوں نے اس منحوس لڑائی کی آگ بھڑکا کر خود اپنے اور دوسروں کے اوپر بڑا ظلم کیا، مذہبی پیشواؤں کے بھڑکانے سے ان میں ایسا جوش وجنون پیدا ہو گیا کہ انہوں نے ان کے ساتھ اپنے کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور دوسروں کے ملک میں گھس کر ناکردہ گناہوں کو قتل کیا اور انسانی قوانین کو پامال کر کے اپنے بہادروں کی شہرت پر بٹہ لگایا اور اپنی عزت اور آبرو کھوئی، ان طویل لڑائیوں کے نتائج فریقین کے حق میں جیسے بھی ظاہر ہوئے ہوں مگر ان سے جو مادی نقصانات پہنچے ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ اس جنگ میں صلیبیوں نے عربوں کی تہذیب کی بہت سی چیزیں سیکھیں مگر ان کو وہ اپنی اور دوسروں کی ہزاروں جانیں کھوئے بغیر اندلس اور سسلی کے عربی تمدن سے بھی سیکھ سکتے تھے، صلیبی مجاہدین نے اپنے وطن واپس جانے کے بعد اپنے ہم وطنوں پر اس جنگ کے داعی ارباب کلیسا کے اس پروپگینڈے کے خلاف کہ ''مسلمان بت پرست ہیں اور ارض مقدس پر قبضہ کر کے انہوں نے مذہب توحید (عیسائیت) اور ہر فضیلت وخوبی کا خاتمہ کر دیا ہے، وہ مطلق وحشی اور درندے ہیں'' اصل حقیقت ظاہر کی کہ مسلمان موحد اور صاحب مذہب ہیں اور ان میں

Marfat.com

مروت، دوستی، وفاداری وغیرہ تمام فضائل اخلاق موجود ہیں۔

اس مصیبت عظمیٰ اور اندوہناک حادثہ میں مسلمان خدا کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے اور اس کے فیصلہ پر راضی رہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے انہوں نے سستی اور غفلت چھوڑ دی اور تمام لغویات سے کنارہ کش ہو کر سنجیدگی اور متانت اور عملی جدوجہد کو اپنا شعار بنایا اور خدا کی راہ میں ان کو جو تکلیفیں پہنچیں ان سے وہ کمزور نہیں ہوئے۔

Marfat.com

پندرہواں باب

عربی تہذیب وتمدن پر مغلوں اور ترکوں کی یورش

اسلامی ملکوں کی تہذیب: عباسی خلافت سے بعض امرا کے آزاد ہوجانے کی وجہ سے اگرچہ مسلمانوں کی مرکزیت کونقصان پہنچا، اس آزادی و استقلال کی جو نوعیت بھی رہی ہو مگر اس سے اسلامی ملکوں کی تہذیب کو بڑا فائدہ پہنچا اور عربی تمدن کی اشاعت اور اس کے استحکام میں بڑی مدد ملی، مثلاً افریقہ میں بنی اغلب، مصر میں بنی طولون اور بنی عبید، بخاری میں بنی سامان، شیراز میں بنی بویہ، غزنہ میں بنی سبتگین وغیرہ نے عباسی خلافت کے نہج پر اپنی حکومت کا ڈھانچہ بنایا اور ان میں سے ہر پایہ تخت اپنے نظام اور علمی حیثیت میں ایک چھوٹا بغداد بن گیا۔

اسلامی ملکوں کے بہت سے پایہ تخت مثلاً قیروان، فسطاط، دمشق، بخاری، سمرقند، بلخ، ہرات، اصفہان، رے، مرو، نیشاپور، شیراز، مراغہ، ہمدان، خوارزم، سیستان، جرجان، طبرستان، قزوین، جوین، بست، سرخس، بیہق، اشروسنہ، فرغانہ، صغد، چاچ اور طوس وغیرہ علمی حرکت اور ترقی کی مثال اور نمونہ بن گئے، اس کی بنیاد امویوں نے رکھی تھی اور بنی عباس نے ان کی پیروی کر کے اس کو بہت آگے بڑھا دیا، ان میں ہر ملک کے علوم وفنون نے مقامی حالات کے مطابق شکل اختیار کی اور مختلف شہروں میں ایک نئے رنگ کی تہذیب پیدا ہوئی اور تہذیب کے اس تنوع کے ساتھ ان میں ہر شہر علم وحکمت کا مرکز بن گیا، جس میں مختلف علوم وفنون کی تعلیم عربی زبان میں ہوتی تھی، اس طریقہ سے ترک، ایرانی اور خزر وغیرہ کا قدم عربی کی جانب بڑھتا گیا۔

Marfat.com

دوسری طرف مغرب کے بربروں نے تاہرت، سجلماسہ، تلمسان، ریف، فاس اور مکناس وغیرہ میں بزور شمشیر حکومتیں قائم کی تھیں اور اندلس پر حاوی ہو گئے تھے مگر وہ اہل اندلس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اور ان کو تباہ و برباد کیا، انہوں نے اس کا بدلہ لیا اس لیے بربر کو تہذیب راس نہیں آئی اور ان میں مغلوں اور ایرانیوں کی طرح اسلامی تہذیب کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں تھی، بلکہ انہوں نے الٹے اس کو نقصان پہنچایا اور صنہاجہ جن میں مرابطین بھی تھے، عیش و تنعم میں اس قدر غرق ہو گئے کہ اپنے شمالی افریقہ کے اسلاف فندالیوں کی طرح تباہ و برباد ہو گئے۔

مقدسی چوتھی صدی ہجری میں رے کے اوصاف میں لکھتا ہے کہ ''یہاں علمی مجلسیں، مدارس، ذہانت و طباعی، صنعت و حرفت، دقت نظر، دور بینی، مکارم اخلاق اور بہت سی خصوصیات ہیں، وہاں کا کوئی واعظ تفقہ سے، کوئی رئیس علم سے، کوئی محتسب شہرت سے اور کوئی خطیب ادب سے خالی نہیں ہے، وہ امہات البلاد اور اسلام کے قابل فخر شہروں میں ہے، وہاں بڑے بڑے قاری، ائمہ، عباد و زہاد اور مجاہدین و غزاۃ ہیں، شیراز میں عضد الدولہ کے ایک محل کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے''اس میں تین سو ساٹھ کمرے ہیں، عضد الدولہ سال کے ہر دن ایک ایک کمرہ میں بیٹھتا ہے، اس کے کتب خانہ کے انتظام کے لیے شہر کے ثقہ لوگوں میں سے ایک وکیل، ایک خزانہ دار اور ایک نگران ہوتا تھا، اس زمانہ تک مختلف علوم و فنون میں جتنی کتابیں تصنیف ہو چکی تھیں، سب اس کے کتب خانہ میں موجود تھیں، اس کی عمارت ایک بلند اور طویل چبوترے پر تھی، کتب خانہ میں ہر سمت کتابیں تھیں، عمارت کی دیواروں سے ملی ہوئی بڑے بڑے خانے کی الماریاں تھیں، جن کے پٹ اوپر سے بند ہوتے تھے، ان میں ترتیب سے کتابیں چنی ہوئی تھیں، ہر فن کی کتابیں الگ الگ الماریوں میں تھیں اور ان کی علاحدہ علاحدہ فہرستیں تھیں، جن میں کتابوں کے نام درج تھے، عضد الدولہ علم اور علما کا بڑا قدرداں تھا، اس لیے ہر شہر کے علما کھنچ کر اس کے پاس جمع ہو گئے تھے اور اس کے لیے انہوں نے کتابیں لکھیں، عضد الدولہ ان فرمانرواؤں میں نہیں تھا جو اپنے قصور و محلات کی تعمیر کے لیے دوسرے ملکوں کو ویران کرتے ہیں، بلکہ نہایت عاقل ہوشمند، فاضل، مدبر

Marfat.com

اور ہیبت و جبروت کا حکمران تھا، اس کا باپ رکن الدولہ تھا، اس نے پورے چوالیس سال تک حکومت کی، اس میں ساری بھلائیاں جمع تھیں اور وہ دین و دنیا دونوں میں کامیاب رہا۔

سامانیوں کے زمانہ میں سمرقند اور بخاری علم کے مرکز تھے اور ان کا پایہ تخت علم و فن میں قریب قریب عباسیوں کے پایہ تخت کے ہم سر تھا، مؤرخین کا بیان ہے کہ ''سامانی حکومت کے زمانہ میں بخاری مجد و شرف کا مرجع، ملک کا کعبہ، ناموران زمانہ کا اجتماع گاہ، آسمان ادب کے ستاروں کا مطلع اور بڑے بڑے فضلا کی بہار تھا اور مراغہ میں ساتویں صدی تک بڑی بڑی عمارتیں، مدارس اور اعلیٰ درجہ کی خانقاہیں تھیں اور ادبا و شعرا، محدثین و فقہا کا مجمع تھا، یہی حال ہمدان کا تھا اور اس زمانہ تک جب تک تیمور نے اس کو تباہ نہیں کیا وہ سلاطین کا مرکز اور علما و دیندار لوگوں کی کان رہا'' محمود نے اپنے پایہ تخت غزنہ میں ایسی ایسی عمارتیں تعمیر کی تھیں جو عجائبات میں شمار ہوتی تھیں، اس کے دربار میں شعرا و علما کا بڑا مجمع تھا، ان میں بیرونی جیسا دنیائے قدیم کے علما کا سرتاج اور تاریخ اسلام کا سب سے بڑا ریاضی دان، فردوسی جیسا شاعر، عتبی جیسا کاتب اور اسی درجہ کے بہت سے مغنی اور شعرا موجود تھے۔(۱)

ہم ان تمام پایہ تختوں کے اوصاف و خصوصیات، ان کے تفصیلی حالات اور ان کے علما و ارباب کمال کے علمی و عملی ایجادات اور کارناموں کی تفصیلات تحریر نہیں کر سکتے، اس کے لیے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوگی، یہی حال بصرہ، کوفہ، بغداد، سامرہ، واسطہ، مراغہ، شیراز، قصر ابن ہبیرہ، عسکر مکرم، اردبیل، سرخس، سمرقند، بیکند، بوزجان، سامان، شہرستان، دہستان، اذنہ، مصیصہ، سلمیہ، فسطاط، قطائع، مسیلہ، بطلیوس، قسطیلہ، مریہ اور زہرا وغیرہ شہروں کا تھا، جو عربوں نے بسائے یا تباہ شدہ دوبارہ آباد کیے تھے، ہمارا مقصد صرف پایہ تختوں اور مرکزی شہروں میں اس ترقی یافتہ تہذیب کی ایک جھلک دکھانا ہے جس کا اندازہ صرف ایک شہر مرو کی تصویر سے ہو سکتا ہے، خراسان پر عربوں کے ابتدائی قبضہ کے زمانہ میں مرو، نیشاپور اور بخاری، خراسان کے والیوں کا مستقر تھے،

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔

Marfat.com

جن میں دس بڑے موقوفہ کتب خانے تھے، یاقوت کا بیان ہے کہ ''اتنی تعداد میں اور اتنی عمدہ کتابیں دنیا کے کسی کتب خانے میں نہیں تھیں، ان میں کوئی شہر، مدرسوں، کتب خانوں اور علم وعلما کی جماعت سے خالی نہیں تھا، بلکہ بہت سے گاؤں تک اس خصوصیت میں چھوٹے پیمانہ پر بڑے شہروں کے مشابہ تھے اور یہ حالت ساتویں صدی تک رہی، اس کے بعد جب دنیا کے سب سے بڑے فاتح اور روئے زمین کے سب سے زیادہ ہلاکت آفریں انسان چنگیز کی زیر قیادت وحشی مغلوں نے اسلامی ملکوں پر یورش کی تو سارے علاقوں اور شہروں کو زیروزبر کرڈالا، جس کا مقصد صرف تباہی و بربادی تھا، اسلام پر اتنی بڑی مصیبت کبھی نہیں پڑی تھی، اس کی حکومت بحرین سے لے کر بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی، اس نے ماوراء النہر، خوارزم، خراسان، ہرات، قندھار اور ملتان پر قبضہ کر کے اس کی پوری آبادی کو بلا امتیاز بوڑھے، بچے، عورت و مرد سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا (۱) اور ان کی عمارتوں کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا اور بڑے بڑے شہر ایسے ویران ہو گئے کہ ان میں الو بولنے لگے اور غزنہ، نیشاپور، بخاری اور سمرقند وغیرہ جیسے بڑے بڑے علمی مرکزوں اور پایہ تختوں میں عربوں نے چھ صدیوں کی جانکاہی میں جو کچھ پیدا کیا تھا، سب کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، یہ شہر درحقیقت اسلام اور علم کے پایہ تخت تھے اور ان میں جو علما و فضلا پیدا ہوئے انہوں نے مخلوط عربی اور ایرانی تمدن کو درجۂ کمال تک پہنچایا، مغلوں نے ان تمام چیزوں کو تباہ و برباد کر دیا، حتی کہ بعض بڑے شہروں کی پوری آبادی بالکل صاف ہو گئی اور ان میں خاک اڑنے لگی، اس تباہی میں بے شمار کتب خانے جلا کر خاکستر کر دیے گئے (۲) مدرسے ویران اور ملکی رصدگاہیں مسمار کی گئیں، اس لیے مسلمان علما و حکما کی بیشتر تصانیف کے ناپید ہونے کا سبب درحقیقت چنگیز اور اس کی اولاد کی لائی ہوئی تباہی تھی، اس کے بعد ہلاکو نے اسلام کے سب سے بڑے رکن پر ضرب لگائی اور مدینۃ السلام (بغداد) کو برباد کر کے اسلامی تمدن کے آخری قلعہ کو بھی مسمار کر دیا اور ان علاقوں میں ایک مدت تک دوبارہ اسلامی حکومت قائم نہ ہو سکی، کیوں کہ ساتویں صدی کے شروع

(۱) معجم البلدان یاقوت۔ (۲) قاموس الاعلام شمس الدین سامی۔

Marfat.com

میں چنگیز اس کے وسط میں ہلاکو اور آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے اول میں تیمور اور دوسرے مغل سردار پیدا ہوئے اور جو ملک یا علاقہ مغلوں کی پہلی تاخت سے بچ جاتا، اس کو دوسرا سردار اور جو دوسرے کے حملہ سے بچ جاتا تھا، اس کو تیسرا برباد کر دیتا تھا، غرض مشرق میں مغلوں اور مغرب میں بربر نے اسلامی تمدن کا خاتمہ کر دیا۔(۱)

مغلوں میں تمدن کی صلاحیت و استعداد: اگر چہ ترک تاتار اور ترکمان کے قبائل مختلف ہیں لیکن ان سب کی نسل ایک ہے، ان میں بعض بدوی اور خانہ بدوش تھے اور بعض شہری جو شہروں اور آبادیوں میں رہتے تھے، ان قبائل میں سب سے پہلے ترکوں نے اسلام قبول کیا اور مغل اور تاتاری ایک عرصہ دراز تک اپنے پرانے مذہب پر قائم رہے اور سلجوقی ترکوں نے ایران، عراق، روم، کرمان اور شام میں سکونت اختیار کی، ان کے فرمانرواؤں میں ملکشاہ اور الپ ارسلان پہلے بادشاہوں میں عدل و دین داری تھی اور اس کے اکثر فرمانروا علم دوست تھے، خصوصاً ملک شاہ، سلطان محمد اور سنجر علما کے ساتھ بڑے لطف و کرم کا برتاؤ کرتے تھے اور ان کے زمانہ میں اسلامی شہروں نے بڑی نمایاں ترقی کی، علم و تہذیب کی اشاعت ہوئی، علما و ادبا پیدا ہوئے اور اسلام نے ان کو مہذب و شایستہ بنا دیا اور ان کی فوج کے دلوں میں رحم و شفقت کے جذبات پیدا کر دیے، اس لیے وہ ان افعال کے مرتکب نہیں ہوئے جن کی مغل ترک اور ان کی فوج مرتکب ہوئی تھی، جو اپنی پرانی وحشت و درندگی اور بت پرستی پر مدتوں قائم رہے، ہوٹسما لکھتا ہے کہ مغل اور ترک کسی زمانہ میں بھی مذاہب کی جانب زیادہ متوجہ نہیں ہوئے اور ان کی فطرت میں مذہب سے وابستگی نہیں ہے۔(۲)

چنگیز نے فارس میں طوس، نیشاپور، قزوین، اصفہان، شیراز اور مراغہ جیسے مرکز علم برباد کر دیے(۳) اور اس بربادی میں جو کمی رہ گئی تھی وہ اس کے بعد اس کے جانشینوں نے پوری کر دی، ان کے مقابلہ میں سلجوقی سلاطین اور ان کے وزرا جامع مسجدوں، مدرسوں، پلوں اور سراؤں وغیرہ

---

(۱) مقدمہ زبدۃ النصرہ عماد کاتب۔ (۲) ہوٹسما کی یہ رائے اور مصنف کی تائید دونوں بداہۃً غلط ہیں۔ ’م‘

(۳) مقدمات تاریخیہ جلال نوری۔

Marfat.com

کی تعمیر میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، ملک شاہ اگرچہ خود عالم نہیں تھا لیکن اس نے علم وفن کی جانب بڑی توجہ کی، ملک شاہ اور اس کے آدمیوں کو اپنی حیثیت اور علم سے اپنی محرومی کا اندازہ تھا، اس لیے انہوں نے ملک کا انتظام تمام تر اپنے وزیروں پر چھوڑ دیا تھا، مثلاً نظام الملک سلطنت کا مختار کل تھا اور سلجوقیوں نے چوں کہ خود عربی ایرانی تمدن اختیار کرلیا تھا، اس لیے انہوں نے اپنی قوم کو بھی اس کے استخفاف وتحقیر سے روکا اور اس کو برباد کرنے سے بچایا، اسلام پر صلیبیوں کی یورش کے زمانہ میں اس کے تحفظ میں سلجوقیوں کے بڑے کارنامے ہیں، ان کے پرفخر کارناموں کے لیے یہ کافی ہے کہ مشہور زنگی خاندان اور نورالدین محمود جیسا نمونۂ عدل وانصاف فرمانروا سلجوقی امرا میں سے تھا اور نظام الملک جیسا علم دوست اور علما نواز اس کا وزیر تھا۔

اسی زمانہ میں جب مشرق قریب میں ایک چھوٹا سا گروہ مصر وشام جیسے اسلام کے مرکزی ملکوں کی صلیبیوں سے مدافعت کررہا تھا، ان کے قلعے اور شہر برباد ہو رہے تھے اور جامع مسجدیں اور اسلامی نشانیاں مٹائی جارہی تھیں، وسط ایشیا کے اسلامی علاقوں میں چنگیز تباہی مچائے ہوئے تھا اور ابھی شام کا ملک جنگ صلیبی کی مدافعت ہی میں مشغول تھا کہ ہلاکو نے بغداد پہنچ کر اس کو برباد کردیا اور خلیفہ مستعصم اور بڑے بڑے علما وفقہا اور ارکین وعمائد کو قتل کیا اور چالیس دن تک دارالسلام میں قتل عام برپا رہا(۱) اور تاتاری لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ان کا مال ومتاع نکلواتے رہے اور عروس البلاد کا بڑا حصہ نذر آتش کر ڈالا، بچوں اور ان لوگوں کو چھوڑ کر جو تہ خانوں میں گھٹ کر اور نہروں اور تالابوں میں ڈوب کر مرے، عام مقتولوں کی تعداد آٹھ لاکھ سے زیادہ تھی، ہلاکو نے خلفا کی قبریں تک کھدوا ڈالیں اور ان کی ہڈیاں نکلوا کر جلادیں، گھوڑے کے اصطبل اور مویشیوں کے چارہ خانے اینٹوں کے بجائے کتابوں کی جلدوں سے بنائے گئے، یہاں تک روایت بیان کی جاتی ہے کہ دجلہ میں اتنی کتابیں پھینکی گئیں کہ اس کے پانی کا رنگ بدل گیا اور کتابوں کو پاٹ کر دجلہ میں تین پل بنائے گئے، یہ صرف ایک شہر کا حال تھا، یہی بربادی

(۱) الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المائۃ السابعۃ لابن فوطی۔

Marfat.com

انہوں نے ہر اس شہر میں برپا کی جہاں ان کے قدم پہنچے تھے، انہوں نے بغداد، شام اور جزیرہ میں جو کتابیں لوٹی تھیں ان میں مراغہ میں کتابوں کے انبار لگ گئے تھے اور وہاں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں جمع ہو گئی تھیں"۔(۱)

خلافت کی تباہی میں سب سے بڑا ہاتھ شیعوں کا تھا، انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہلاکو کے دادا چنگیز کی بھی مدد کی تھی اور جب ہلاکو نے خراسان، عراق اور شام کا رخ کیا تو اس کی بھی انہوں نے مدد کی، ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ خلیفہ مستعصم کا شیعی وزیر علقمی خلیفہ اور مسلمانوں کو برابر دھوکا دیتا رہا اور اسلامی فوج کی تنخواہیں روکنے اور اس کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا رہا اور عام مسلمانوں کو تاتاریوں کا مقابلہ کرنے سے روکتا رہا اور اس قسم کے طرح طرح کے فریب کرتا رہا، یہاں تک کہ تاتاریوں نے بغداد میں داخل ہو کر لاکھوں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا، اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے ساتھ کافر تاتاریوں کے اس دردناک حادثہ سے زیادہ دردناک کوئی واقعہ نہیں ہوا۔(۲)

ساتویں صدی کے آخر ۶۹۹ھ میں غازان تاتاری شام فتح کرنے کی غرض سے نکلا، یہ تبریز کے ایلخانی فرمانروا تولی سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا مگر اس نے بھی شام میں بڑی تباہی مچائی، شہروں کو ویران اور نذر آتش کیا اور مال و متاع حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں اور دمشق کا ایک اہم حصہ جلا کر برباد کر دیا، جس میں بعض بڑے بڑے مدرسے اور جامع مسجدیں تھیں، اس نے دمشق سے چھتیس لاکھ اشرفیاں وصول کیں، اس کے وزراو امرا نے جو کچھ وصول کیا اور جو رشوتیں لیں وہ اس کے علاوہ تھا، اس نے شام و مصر کے فرمانرواؤں سے اس دلیل پر جنگ کی تھی کہ وہ مذہب کے راستہ سے ہٹ گئے ہیں اور ان میں عہد و پیمان کی پابندی نہیں ہے اور وہ رعایا پر ظلم و زیادتی اور ان کے مال و متاع اور عورتوں میں دست درازی کرتے ہیں۔

اس کے بعد نویں صدی کے آغاز میں تیمور نے بقیۃ السیف ملکوں کا قصہ پاک کرنے

(۱) فوات الوفیات کتبی۔ (۲) منہاج السنۃ۔

Marfat.com

کے لیے اسلامی ملکوں پر تاخت کی اور شام کے راستہ کے بہت سے شہروں کو ویران کر ڈالا، ان میں سب سے زیادہ اہم بغداد کی تباہی ہے، اس نے یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا، اس کے بڑے بڑے آثار کو مٹایا، عام آبادی کو ویران کیا، دمشق کا تہائی اور حلب کا ایک حصہ برباد کر ڈالا اور ان دونوں شہروں کے مدرسوں، جامع مسجدوں اور کتب خانوں کو تباہ کر دیا، دمشق پر جو دنیائے اسلام کا سب سے زیادہ متمول شہر تھا اتنا تاوان لگایا کہ وہ بالکل مفلس ومحتاج ہو گیا، تیمور پہلے نقد دولت اور اپنے فوجی افسروں اور سپاہیوں کی پسند کی چیزوں پر قبضہ کرتا، اس سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس میں آگ لگا دیتا تھا، دمشق کو لوٹنے کے بعد وہ یہاں کے بہت سے کاریگروں، اہل حرفہ اور ارباب فضل وکمال کو اپنے ساتھ لے گیا، اس نے اور اس کی فوج نے دمشق میں اتنا سامان لوٹا کہ بار برداری کے سامان کی کمی کی وجہ سے کل سامان نہ لے جا سکا اور اس کو راستہ میں اس کثرت سے پھینکتا گیا کہ صحرا اور میدان کپڑوں اور مختلف قسم کے سامانوں کے بازار بن گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین نے اپنے خزانے معدنیات اور فلزات اگل دیے ہیں۔

اسی کے ساتھ دمشق کے ماہروں اور علما وفضلا اور اعیان واشراف کی ایک جماعت بھی ساتھ لیتا گیا، اس کے امرا بھی اتنے فقہا، علما، حفاظ قرآن، صناع واہل حرفہ اور لونڈی، غلام، عورتیں، بچے اور لڑکیاں ساتھ لے گئے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا، صرف ایک پایہ تخت میں نہیں بلکہ اکثر اسلامی پایہ تختوں میں اس نے یہی کیا، اس کے باوجود تیمور اور چنگیز وہلاکو کی لائی ہوئی تباہی میں کوئی نسبت نہیں تھی، تیمور بہر حال کلمہ گو تھا اس لیے اس نے بہت سے اسلامی ملک چھوڑ بھی دیے تھے اور اگرچہ دوسرے بڑے فاتحوں کی طرح اس نے مفتوحہ ملکوں کی دولت سمیٹی اور بڑی خونریزی کی اس کے باوجود وہ علم دوست اور علما نواز تھا اور دوسرے شہروں کو ویران کر کے اس نے جو کچھ حاصل کیا تھا اس سے اپنے پایہ تخت سمرقند کو آباد اور آراستہ کیا اور یہاں بڑے بڑے مدرسے کتب خانے اور علم وفن کی نشر واشاعت کے دوسرے وسائل قائم کیے۔

ابھی اسلامی ملکوں کو مغرب کے صلیبیوں اور مشرق کے مغلوں کے مصائب سے نجات

Marfat.com

ملی تھی کہ دسویں صدی ہجری میں ترکی کا سلطان (سلطان سلیم) جو عثمانی سلاطین میں سب سے بڑا بادشاہ شمار کیا جاتا ہے، اٹھا اور ایران کے ایک حصہ اور پورے شام و مصر اور جزیرہ پر چھا گیا لیکن اس کا مقصد مقبوضہ ملکوں کو ویران کرنا نہیں بلکہ ان کو علمی اور صنعتی وحرفتی ذخیرہ سے خالی کرنا تھا، چنانچہ عربی تمدن سے فائدہ اٹھانے اور اپنی زندگی کو اس کے سانچہ میں ڈھالنے کے لیے ایشیا اور افریقہ میں جو آباد علاقے باقی رہ گئے تھے ان کے باقی ماندہ عربی تمدن کے عظیم الشان ورثہ کو اپنے یہاں منتقل کرنا شروع کر دیا، اس زمانہ میں قسطنطنیہ میں تمام تر یونانی تمدن چھایا ہوا تھا، سلطان نے اس سے آزادی حاصل کرنے اس کو اسلامی رنگ پر لانے اور ایک نئے اور اسلامی ترکی تمدن کے ذریعہ قسطنطنیہ کو اسلامی دنیا کا مرکز نگاہ بنانے کے لیے باقی ماندہ عربی تمدن کے اسباب و سائل کو منتقل کر دیا، اس وقت سے ترکوں میں بت پرستی کی مخالفت شروع ہوئی اور اس نامور فاتح (سلطان سلیم) نے مصر سے مختلف علوم وفنون کی کتابوں ان کے علما، صنعت وحرفت کے آلات اور صناعوں کو قسطنطنیہ لے جا کر ان کی قدر دانی کی اور ان جواہرات سے اس کو آراستہ کیا، اس وقت سے مصر کا عربی تمدن چھن گیا مگر اس کے کچھ آثار باقی رہ گئے جن کی مدد سے بری اور بحری ممالیک (۱) کے دور حکومت میں دوبارہ پھر وہ اہم پایہ تخت بن گیا اور اس کے تجارتی تعلقات مغرب سے مضبوط ہو گئے اور انہوں نے ایک نیا تمدن پیدا کیا ان کے زمانہ میں تجارت کو بڑی ترقی ہوئی، سلطان سلیم اپنے ساتھ مصر سے اسلحہ، سنگ رخام، چینی اور تانبے کے ستونوں اور دوسرے نوادر اور ساز وسامان کے علاوہ ایک ہزار گٹھیں سونے اور چاندی کی لے گیا تھا، اس نے یہاں کوئی اچھی اور نادر چیز نہیں چھوڑی، اس لیے پچاس سال تک مصر میں صنعت وحرفت کا بازار بالکل سرد رہا اور آستانے کے کتب خانے اور قصور ومحلات عربی ملکوں کی ان کتابوں سے جو ہلا کو اور تیمور کی تاخت سے بچ رہی تھیں معمور ہو گئے مگر خود ترکوں میں ان کا ذوق کم تھا اس لیے انہوں نے ان کو اپنے محلوں، جامع مسجدوں اور مدرسوں میں محدود کر دیا، جس کی وجہ سے عربی ملکوں کے ذہن سے عربوں کے ابتدائی

(۱) مصر کے غلام حکمراں خاندان۔

Marfat.com

علمی آثار محو ہو گئے، اس کے علاوہ ترکوں نے دوسرے علمی مرکزوں اور باقی شہروں کی عمارتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا، اس لیے وہ برباد ہو گئیں اور ان کا کوئی محافظ و نگراں باقی نہ رہ گیا، تاتاریوں کی یہ قسم (ترک) بالکل طفیلی تھی جو دوسروں کا خون چوس کر زندگی بسر کرتی تھی، اس طرح گویا قضاو قدر نے ایران و شام و مصر میں عربی تمدن کے آخری آثار کے خاتمہ کے لیے جو ان کا اصل مرکز اور ملجا و ماویٰ تھے، سلطان سلیم کو مامور کیا تھا۔

ترکوں کے ہاتھوں ان کی پیشرو حکومتوں کے کاموں کی بربادی: ترکوں کے زمانہ میں عربی تمدن کو سب سے زیادہ نقصان اس سے پہنچا کہ انہوں نے مدارس کے تمام اوقاف اور ذرائع آمدنی پر قبضہ کر لیا اور ان کو بالکل بے سہارا چھوڑ دیا، خطط توفیقی میں ہے کہ ترکوں کے عہد میں تین صدیوں تک قاہرہ کے مدرسوں کے نگراں ان کے اوقاف کی آمدنی کو مقاصد وقف کے خلاف صرف کرتے رہے اور مدرسوں اور ان کے طلبہ اور ملازمین پر اس کا صرف بالکل بند کر دیا، اس سے بڑی شورش پیدا ہوئی اور درس و تدریس کا سلسلہ بالکل بند ہو گیا، مدرسوں کی کتابیں لوٹ لی گئیں، بہت سی بیچ دی گئیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض بڑے دارالعلوم اور ان کی عمارتیں چھوٹے چھوٹے مکتب اور خانقاہیں بن گئیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں اور بعض مویشی خانہ وغیرہ کے کام آئیں۔

جس زمانہ میں ترکوں نے دمشق پر قبضہ کیا ہے، یہاں قرآن، حدیث اور مذاہب اربعہ کی فقہ کے ایک سو پچاس سے زیادہ مدرسے اور طب، ہندسہ کی تعلیم گاہیں تھیں، زاویوں، خانقاہوں اور شفاخانوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی مگر جب ترکوں نے چار صدیوں کی حکومت کے بعد اس کو چھوڑا ہے تو یہاں صرف چند مدرسے باقی رہ گئے تھی، ان میں بھی تعلیم و تدریس کا معقول انتظام نہ تھا، دمشق کے علاوہ شام کے تمام بڑے بڑے شہروں قدس، حماۃ، حمص، حلب اور طرابلس، الشام وغیرہ میں بڑے بڑے مدارس تھے، ان سب کا انجام بھی یہی ہوا، یہ تمام مدارس، کتب خانے، آرام و راحت، ترغیب و تشویق اور افادہ و استفادہ کے جملہ سامانوں سے مکمل تھے جو

Marfat.com

عراق کے خصوصاً موصل، بصرہ اور بغداد وغیرہ میں عموماً ہوتے تھے، البتہ بغداد کا مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ مستنصریہ اس سے مستثنیٰ تھے، نظام الملک نے بغداد میں تنہا مدرسہ نظامیہ ہی نہیں بنوایا تھا بلکہ فقہا کے دار العلوم اور علما کے مدارس بھی بنوائے تھے اور عابدوں وزاہدوں کے لیے خانقاہیں بھی تعمیر کی تھیں اور ان کے اخراجات کے لیے اوقاف اور وثیقے اور طلبہ کے وظائف اور جاگیریں مقرر کی تھیں اور یہ فیض پوری مملکت میں عام تھا اور شام کے سرے بیت المقدس سے لے کر پورے بالائی شام، دیار بکر، عراق، عرب وعجم اور خراسان کے تمام حصوں میں دریائے جیحون کے پار سمرقند تک کے طویل وعریض علاقہ میں کوئی ایسا صاحب علم، طالب علم اور خانقاہ نشین زاہد ایسا نہ تھا جو نظام الملک کی فیاضی سے محروم رہا ہو، وہ اپنے ذاتی خزانہ سے چھ لاکھ سالانہ نقد اس کار خیر میں صرف کرتا تھا، مدرسہ مستنصریہ کی جاگیر کی آمدنی جو نظام الملک نے اس کے مصارف کے لیے مقرر کی تھی، ستر ہزار اشرفی سالانہ تھی، اس کی تمام موقوفہ جائدادوں کی قیمت دس لاکھ اشرفی تھی جو مذہب کی تعلیم پر وقف کی تھیں، اس کے قائم کردہ تمام مدارس کے متعلق شفاخانے اور طبی مدرسے بھی تھے، ان مدارس میں حیوانیات، نباتات، فلکیات، ریاضی کی مختلف شاخوں، ادبی فنون، تاریخ، علوم قرآن اور حدیث وغیرہ جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی، یہی تعلیمی نظام عربی ملکوں کے تمام مدارس کا تھا۔

مسلمان سلاطین اور ان کی مخیّر رعایا نے وجوہ خیر اور رفاہ عام کے کاموں میں بڑا تفنن پیدا کیا تھا، انہوں نے بہت سی ایسی عمارتیں بنوائیں جو مختلف حیثیتوں سے آج کے اہل مغرب کے کاموں کے مشابہ تھیں، کوکبوری والی اربل کو جو ساتویں صدی میں تھا، اس قسم کے کاموں میں خاص امتیاز حاصل تھا، اس نے اپاہجوں اور اندھوں کے لیے چار اقامت خانے بنوائے تھے، ان کی تمام ضروریات پوری کی جاتی تھیں، ایک بیوہ خانہ، ایک یتیم خانہ، ایک اقامت خانہ، ناتواں بوڑھوں کے لیے، ایک ان بچوں کی پرورش کے لیے جن کے ماں باپ کا پتہ نہ ہو قائم کیا اور ان سب بیواؤں، یتیموں، بوڑھوں اور بچوں کی جملہ ضروریات حکومت کے خزانے سے پوری کی جاتی تھیں، شیر خوار

Marfat.com

بچوں کو دودھ پلانے کے لیے دایہ تک ملازم تھیں، ان عجیب وغریب کار خیر کے آثار آج تک اسلامی ملکوں میں باقی ہیں، تارو برادران کا بیان ہے کہ شہر مراکش میں ایک ایسی جائے پناہ ہے جس میں چھ ہزار اندھے رہتے تھے اور ان سب کے کھانے پینے اور تعلیم کا اس میں پورا انتظام ہے، اس کا خاص نظام اور قوانین ہیں جس کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

۹۲۲ھ میں جب عثمانی ترک پہلی مرتبہ شام میں داخل ہوئے، اس وقت زندگی کے تمام شعبوں میں عربی تمدن ایک نمونہ اور مثال تھا جس کی روشنی انہوں نے گل اور اس کی قوت کمزور کردی، اگر ایک شام ہی کا ملک ان کی حکومت سے بچارہ جاتا تو بھی ان کے ذریعہ عربی علاقوں میں عربی تمدن کی روشنی پھیل سکتی تھی، اگر علوی حکومت کے زمانہ میں مصر ہی سے اس کا الحاق ہو جاتا تب بھی تمدن کی مہم میں ان دونوں بھائیوں (مصروشام) کو ایک دوسرے سے سہارا مل جاتا اور عربیت کے یہ دونوں منبع ومرکز یہاں سے ترکوں کے نکلنے کے وقت بڑے بڑے شہروں کے بجائے چھوٹے چھوٹے گاؤں نہ بن جاتے، ابھی ماضی قریب تک ترکوں کے طفیل میں صنعا، مکہ، مدینہ، بصرہ، بغداد، موصل، حلب اور دمشق وغیرہ ایسے شہر تہذیبی تنزل اور جہالت میں مبتلا تھے، جسے دیکھ کر آنسو نکل آتے تھے، ان میں ضعف کی تمام بیماریاں پیدا ہوگئی تھیں، ایسی حالت میں ان کی تمدنی صحت وتوانائی کی کیا امید ہوسکتی ہے، مدنیت نام ہے راحت وسکون، سعی وعمل اور مسلسل غور وفکر کا اور یہ تمام باتیں ان تمام ملکوں میں مفقود ہیں۔

اگر ان مدارس پر غور کیا جائے جن کو بیرونی عجمی قوموں نے مٹایا تو معلوم ہوگا کہ جہالت دور کرنے میں ان کا کتنا ہاتھ تھا، یہ ادارے اس ترقی کا مکمل نمونہ تھے، جہاں تک اس زمانہ کی انسانی عقل پہنچ سکتی تھی اور ان ہی کے ذریعہ ہمارے اسلاف نے قرون وسطیٰ میں یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ وہ فن ہندسہ میں پوری دست گاہ رکھتے تھے اور ان کو حسن مذاق سے وافر حصہ ملا تھا، ان میں حصول مجد وشرف کا بھی جذبہ تھا، یہ مدرسے زبان حال سے گویا تھے کہ بڑے بڑے کارنامے بہت سی عقلوں کے غور وفکر کے بغیر تنہا انجام نہیں پاسکتے، اگر مختلف علمائے دین اور فضلائے ادب

Marfat.com

ان میں تعلیم نہ دیتے تو یہ مدرسے اور عمارتیں کبھی آباد نہ ہوسکتیں اور اگر ان کا مرتب نظام نہ ہوتا تو وہ صدیوں تک زندہ نہیں رہ سکتے تھے، دنیا کے تمام بڑے کارناموں میں بڑے لوگوں کی عقلیں رہنما اور ان کی کوشش شامل رہی ہیں۔

قرون وسطیٰ میں ہماری تمام بڑی درسگاہیں دینی اثر سے پیدا ہوئیں اور دوسرے تمدنی مسائل ان کے تابع محتاج رہے، اس زمانہ میں یورپ میں بھی یہی حال تھا، چنانچہ وہاں کی کل تعلیم گاہیں اور خانقاہیں مذہب ہی کی پیدا کردہ ہیں اور علمائے دین یا ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں جو دینی طبقہ سے تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے، یا پھر دین کے حامی و مددگار سلاطین و حکام کی یادگار ہیں، پھر جب ترقی و اصلاح کے دور میں یورپ نے قدیم نظام کے اثرات سے نجات حاصل کی اس وقت ان مذہبی اداروں کا دور ختم ہوا اور دینی درسگاہوں نے بتدریج علمی شکل اختیار کی اور بعض درسگاہوں میں بحث و نظر کے جدید طرز پر دینیات کی تعلیم ہونے لگی اور یورپ کے پرانے بادشاہوں نے رعایا کا خون چوس کر اپنے اور اپنے امرا اور آشناؤں کے لیے جو فلک نما محل بنائے تھے، وہ اس دور جدید میں عجائب خانے، عدالت اور تعلیم گاہ بنا دیے گئے، اس لیے اگر عربی ملکوں کے قدیم مدرسوں کو بھی ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ زمانہ کے ساتھ علم و فن کی درسگاہ بن جاتے۔

ایرانیوں اور ترکوں میں موازنہ: عربی تمدن کے زوال اور عربوں میں علم و فن کے انحطاط کے یہ اسباب تھے جو اوپر مذکور ہوئے لیکن ایران، افغانستان، ہندوستان، ترکستان اور قوقاز وغیرہ دوسرے اسلامی ملکوں کے تمدن کا حال جو صدیوں عربی تہذیب کا مرکز رہے ان ملکوں سے عربی حکومت کے خاتمہ کے بعد عرب ملکوں سے مختلف اور ان کے حکمرانوں کے مذاق کے مطابق پست و بلند ہوتا رہا، مگر مذہب کی وجہ سے ان میں عربی اثرات ہمیشہ قائم رہے اور آیندہ بھی رہیں گے، خواہ ان کے انتہا پسند قوم پرست اپنی اسلام سے پہلے کی قومی خصوصیات کو واپس لانے کی کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کریں، جیسا کہ آج پہلوی ایرانی اور کمالی ترک کر رہے ہیں اور وہ ایک ایسی جدید تہذیب بنانا چاہتے ہیں جس کی روح اسلام سے پہلے کی ایرانی اور تورانی ہو اور اس پر مغربی تمدن

Marfat.com

کی ملمع کاری ہو، ان دونوں قوموں کے اس جدید نظام کے نتائج کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھوں میں ہے۔

اسلام کی گذشتہ تاریخ میں ایرانیوں نے تو یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان میں علوم و آداب کو قبول کرنے اور اس کا نمونہ بننے کی پوری صلاحیت ہے اور ان میں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے جو حکمران طبقہ کے ساتھ بالکل مل جل گئے اور عرب سوسائٹی کو فائدہ پہنچایا لیکن ترک قبول اسلام کے بعد ایرانیوں کی طرح اپنی علمی و صنعتی استعداد کا کوئی ثبوت نہ دے سکے، اگرچہ علما و محققین اس کی شہادت دیتے ہیں کہ ان میں فوجی اہلیت اور اس کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی پوری استعداد اور حکمرانی کا بھی ان میں کسی قدر سلیقہ ہے اور بعض عثمانی سلاطین نے ان کو جہالت کی تاریکی سے نکالنے کے بھی کچھ وسائل اختیار کیے اور ان کے سب سے بڑے فرماں روا سلطان محمد فاتح نے اس کی کوشش کہ کہ اپنے دارالسلطنت میں ایسے عظیم علمی مرکز بنائے جن کے ذریعہ وہ کم سے کم مصر و شام کی مملوک حکومت کا اس میدان میں مقابلہ کر سکے اور اس کے لیے اس نے بڑی کوشش کی اور مختلف اسلامی ملکوں کے علما کو بلا کر ان کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کیں اور مختلف طریقوں سے ان کی قدر افزائی کی، ان میں ماوراء النہر کے اس زمانہ کے مشہور عالم علاء الدین بن محمد قوشجی بھی تھے، سلطان نے ان کو مع ان کے شاگردوں کے بلا کر اپنے ملک میں آباد کیا اور اباصوفیہ کا مدرسہ ان کے حوالہ کر دیا، مگر ترکوں میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ ایک فرماں روا کے بعد اس کے سارے کام بھی ختم ہو جاتے ہیں اور ہر نیا حکمران اپنی فہم و بصیرت کے مطابق حکمرانی کے طریقے بدلتا رہتا ہے، بلکہ کبھی نیا بادشاہ اپنے پیشرو کے کارناموں کو خواہ اس کا باپ ہی کیوں نہ ہو، حسد کی بنا پر ختم یا کم از کم ان کی رفتار میں سستی پیدا کر دیتا ہے، اس لیے علامہ قوشجی نے سلطان محمد کے زمانہ میں جو بنیاد ڈالی تھی وہ اس کے بعد کمزور پڑ گئی اور گذشتہ زمانوں میں آستانہ، اناضول اور رومیلی وغیرہ کے تمام مدارس تعلیمی انحطاط کا نمونہ بن گئے، ان میں صرف اسی قدر روشنی تھی جو مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے معمولی درجہ کے ملا پیدا کر سکے، ان میں شاذ و نادر ہی کوئی قابل ذکر عالم پیدا ہوا، عالم ہونے کے لیے اتنا کافی تھا کہ وہ پرانے علوم کو نقل، ان کا خلاصہ اور ان کو جمع کر سکے اور اس میں بھی ان کی عجمی

Marfat.com

رکاکت نمایاں ہوتی تھی، ایرانی مصنفین کی عربی تصانیف کے برعکس ان کی تصانیف میں ایسا ابہام ہوتا تھا، جن کے رموز اور معمے ناقابل حل ہوتے تھے، اس کے باوجود عثمانی ترک اس کے لیے قابل شکر سمجھے جاتے ہیں کہ انہوں نے دوسری اسلامی حکومتوں کی طرح اپنے دور کے بڑے حصہ میں عربی زبان میں دینی تعلیم کی جانب توجہ کرنے میں کبھی غفلت نہیں کی۔

یہ دینی علوم میں ان کا حال تھا، مادی علوم میں خود ترک اور یورپین مصنفین کے بیان کے مطابق ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں بیزنطینی علما کو اپنے یہاں سے نکال دیا جن کے ذریعہ اٹلی میں ترقی اور جدید تہذیب کی بنیاد پڑی، اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ترکوں ہی نے آستانہ سے جدید تہذیب کی تعمیر کا سامان یورپ پہنچایا تھا اور یورپ نے اپنے موجودہ علوم کے لیے ان بیزنطینی علما کا مرہون منت ہے جو قسطنطنیہ پر ترکوں کے قبضہ کے بعد اٹلی ہجرت کر گئے تھے، مثلاً نیادلیس، ساریون، یورکی، طربوزونی، سکارڈلیس، فرانچس اور مجال ودکا وغیرہ۔(۱)

جس قوم میں ترقی کی صلاحیت نہ ہو اس کو ابھارنے کی کتنی ہی تدبیر کی جائے اس پر بہت کم اثر ہوتا ہے، چنانچہ خود ترک علما کو اس کا اعتراف ہے کہ ان میں ابن رشد کے پایہ کا کوئی فلسفی پیدا ہوسکا(۲) اس مصنف نے نہایت جرأت و آزادی سے یہ لکھ دیا کہ ترکوں میں کوئی بڑا آدمی اور اس درجہ کا کوئی مصنف نہیں پیدا ہوا جیسے مصنفین عربوں میں ان کے دور ترقی میں پیدا ہوئے اور پورے چھ سو سال حکومت کرنے کے بعد بھی ترک اپنے پرانے اخلاق و عادات کو نہیں چھوڑ سکے، شہاب الدین کا بیان ہے کہ شروع میں والی قرمان کے حدود مملکت میں ترکوں کی ایک مختصر جماعت جو مویشی اور بکریاں چراتی تھی اتری تھی جب اس نے اس علاقہ پر قبضہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلی، تو پھر اس کو وسعت دے کر اپنی قدیم تہذیب کے دائرہ کو بڑھایا اور اس کے ملبہ پر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کی، اس وقت بھی انہوں نے اپنے پرانے خصائل نہیں چھوڑے اور ان میں چرواہوں ہی کے جیسے اخلاق قائم رہے، چنانچہ وہ انسانوں کو بھی جانور سمجھتے تھے اور جس

(۱) تاریخ تمدنیات جلال نوری۔(۲) تاریخ تمدنیات جلال نوری۔

Marfat.com

طرح چاہتے تھے، ان کو ہانکتے تھے اور ان کے دودھ، اون بلکہ گوشت و پوست تک کو اپنے کام میں لاتے تھے لیکن بکریوں کی چرواہی انسانوں کی چرواہی سے مختلف ہے اور اس ذہنیت کے ساتھ کوئی قابل ذکر تہذیب قائم نہیں ہو سکتی، یہ تھی ترکوں کی وہ قوم جس کے متعلق قانون رجعت نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ خواہ ان کی کتنے ہی پشتیں جدید بیزنطینہ میں گذر جائیں، مگر ان کے خون میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔(۱)

ترک وتاتار کے بارہ میں لیبان کی رائے: جن ملکوں پر صدیوں ترکوں نے حکومت کی، ان میں مسلسل تنزل وانحطاط ہی ہوتا رہا اور انہوں نے ان کو اسی حالت میں چھوڑا جب وہ بیل گاڑیوں میں چڑھ کر پہلی مرتبہ یہاں آئے تھے، مثلاً رومیلی کا علاقہ جب وہ کوئی شہر فتح کرتے تھے تو حمام پہلے بنواتے تھے اور جامع مسجدیں بعد میں اور مدرسوں کے قیام کی نوبت تو کہیں جا کر برسوں بعد میں آتی تھی اور وہ بھی مختلف اسباب کی بنا پر مثلاً بعض صاحب وجاہت عمال اپنی دولت کو جو ظلم وزیادتی سے حاصل کرتے تھے، حکومت کی ضبطی سے بچانے کے لیے مدرسے بنوا دیتے تھے، یا پرانے مدرسوں کو توڑ کر ان کی جگہ نئے مدرسے قائم کر دیتے، ان کو تعمیر سے زیادہ تخریب سے دلچسپی تھی" اس قسم کے مدرسے جن کا اندازہ اس دور کے مصر کے مدرسوں سے ہو سکتا ہے کسی قابل نہ تھے" لیبان نے ترکوں کے تمدنی کارناموں کا صحیح اندازہ کر کے یہ لکھا ہے کہ:

عربوں کے بعد ترک مشرقی ملکوں کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے، مثلاً مصر وغیرہ، اگر سیاسی حیثیت سے ترکوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کا ایک باعظمت دور رہا ہے، ان ہی کے سلاطین قسطنطنیہ کی قدیم شہنشاہی کے جانشین ہوئے اور ایا صوفیہ کے گرجے پر اسلام کا پرچم لہرایا اور ایک زمانہ دراز تک یورپ کے بڑے بڑے مغرور بادشاہوں کو اپنی قوت وسطوت سے

---

(۱) ترکوں کے بارہ میں یہ رائے بہت سخت ہے اس میں شبہہ نہیں کہ ترک عربوں کے مقابلہ میں ہمیشہ غیر مہذب رہی اور انہوں نے عربوں کو نقصان بھی بہت پہنچایا مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عیسائی دنیا کے مقابلہ میں انہوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور اس کا جھنڈا انہوں نے ہمیشہ بلند رکھا جو ان کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ’م‘

Marfat.com

مرعوب کیے رکھا اور اسلام کی بڑی اشاعت کی اور باوجودے کہ ان کے سلاطین ہمیشہ محض فوجی رہے، مگر انہوں نے ایک عظیم الشان حکومت کے قیام کی صلاحیت کا بھی پورا ثبوت دیا لیکن اپنے پورے دور میں اپنی کوئی تہذیب نہ پیدا کر سکے اور ان کا مقصد ہمیشہ اپنے محکوموں سے جلب منفعت ہی رہا، انہوں نے عربوں سے علم وفن، صنعت وحرفت وغیرہ سب چھین لیں اس کے باوجود وہ علوم وفنون بھی جن میں عربوں کا درجہ بہت نمایاں تھا، ترکوں کی ترقی میں اثر انداز نہ ہو سکے اور جو قوم ترقی نہیں کرتی وہ فطری طور سے زوال پذیر ہو جاتی ہے، اس لیے ترکوں کے انحطاط کا زمانہ بہت جلد آ گیا، مشرق میں عربی تہذیب کا خاتمہ اس وقت ہوا جب عربوں کی جنگی قوت ان کے ہاتھوں سے نکل کر دوسری قوموں کے ہاتھوں میں چلی گئی لیکن ان کے مذہبی اثرات کی وجہ سے ان کا نام تاریخ نے ہمیشہ یاد رکھا، مگر وہ تہذیب کے جس درجہ پر پہنچ چکے تھے اس کو ان کے جانشین قائم نہ رکھ سکے اور اس انحطاط میں سب سے زیادہ مصر مبتلا ہوا اور اس کی ابتدا مصر پر سلطان سلیم کے قبضہ کے زمانہ میں اس وقت سے ہوئی جب وہ عثمانی سلطنت کا ایک صوبہ بنا دیا گیا، اس وقت سے اس کے علوم وفنون اور صنعت وحرفت وغیرہ بتدریج گھٹنے لگی اور مصر بھی ان صوبوں کی طرح ہو گیا جو آستانہ کے ماتحت تھے اور جن کا انتظام ایسے صوبہ داروں کے ہاتھوں میں تھا جو آئے دن بدلتے رہتے تھے اور جن کے پیش نظر صرف دولت سمیٹنا ہوتا تھا، اس سے ان ملکوں کی پرانی رونق جاتی رہی اور ان میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا نیا کارخانہ تک قائم نہ ہو سکا اور پرانے کارخانے بھی بیکسی کی حالت میں چھوڑ دیے گئے، ان کا کوئی نگران نہ رہ گیا اور ان میں صرف وہ کارخانے باقی رہ سکے جن کو زمانہ نہ مٹا سکا، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بعض رعایا کے اخلاق اس کے حاکموں سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں، ترکی قوم فوجی کاموں کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس میں کوئی دوسری قوم اس کی ہمسری نہیں کر سکتی لیکن اس کا ملک بالکل ویران اور اس کی آبادی ایسے عناصر پر مشتمل ہے جن میں سب سے زیادہ پست و ذلیل حالت میں خود ترک ہیں، یا وہ لوگ ہیں جو ان کے مشابہ ہیں، ہندوستان میں عربوں کے جانشین مغل ہوئے، اس لیے عربی تہذیب کو ترقی

Marfat.com

نہ دے سکے لیکن اس سے پورا فائدہ اٹھایا، اس سے ان کے زمانہ میں ہندوستان کو ترقی ہوئی''۔

ایک مقام پر لکھتا ہے کہ''شام کا ملک امویوں کے عہد اور عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں ایک نہایت ترقی یافتہ تمدن دیکھ چکا تھا اور عرب جو دوسروں کے شاگرد تھے، اب خود استاد بن چکے تھے، علوم وفنون، شعروادب اور فنون لطیفہ کا عام فیضان تھا، شام کا یہ زریں دور اس زمانہ تک قائم رہا جب تک خلفا میں اسلامی مملکت تقسیم نہیں ہوئی، اس کے بعد اس پر زوال طاری ہونا شروع ہوا، پھر بھی اس کا شعلہ کسی نہ کسی حد تک قائم رہا، جو ترکوں کے قبضہ کے بعد بالکل ہی بجھ گیا اور علم وفن، صنعت وحرفت، شان وشکوہ کے عجائبات کا بڑا حصہ جو عربوں نے جمع کیا تھا، بالکل ضائع ہو گیا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد بڑے بڑے شہر مثلاً صور اور صیدا وغیرہ محض معمولی گاؤں بن گئے، ان کے سرسبز وشاداب پہاڑ بالکل ویران اور زرخیز گاؤں آبادی سے بالکل خالی ہو گئے اور سرسبز وشاداب مرغزار روندگی تک سے محروم ہو گئے۔

ترکوں کی تمدنی استعداد اور اس کے جو اثرات انہوں نے چھوڑے ان کے بارہ میں یہ لیبان کی رائے ہے لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس حقیقت کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ عربوں کا زوال دولت عباسیہ کے خاتمہ اور ہلاکو، چنگیز، غازان اور تیمور وغیرہ مغل سرداروں کی یورش ہی کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا، درحقیقت اسلامی ملکوں میں علم وفن کی زندگی اس قوت سے وابستہ تھی جو اس کی مضبوط بنیاد سے مسلسل ابلتی رہتی تھی اور عثمانی ترکوں نے ایسے نئے طریقوں کا اضافہ نہیں کیا جو علم کی تقویت اور ترقی کے لیے ضروری ہیں، بلکہ جس حال میں ان کو پایا اسی پر قناعت کر لی اور لوگوں کو علم وادب اور ترقی کے میدان میں آگے نہ بڑھا سکے اور ان کی جہالت دور کرنے میں بے توجہی سے کام لیا۔

ترکوں کی جہالت اور عربوں کو ان کا جاہل بنانا: ترکوں کے زمانہ کا ایک حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ ان کے آخری دور کے ایک وزیر تعلیم نے ثانوی مدارس کے منصب تدریس کو اجرت کی کمی پر منحصر کر دیا تھا یعنی جو شخص کم سے کم مشاہرہ لیتا تھا اس کو مدرس بنایا جاتا تھا، خواہ وہ اپنے فن میں کتنا

Marfat.com

ہی جاہل ہو، بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ترکوں نے ثانوی مدارس میں مذہبی تعلیم غیر مسلم مدرسین کے سپرد کر دی تھی اور عربی ملکوں میں تو یہ عام دستور تھا کہ وسطانی مدارس میں ترکی زبان وادب کی تعلیم ان عربوں کے سپرد کی جاتی تھی جو ترکی زبان نہ اچھی طرح بول سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے، اسی طرح عربی صرف ونحو اور منطق و بیان کی تعلیم ان ترکوں کے سپرد کی جاتی تھی جو عربی کا ایک فقرہ بھی صحیح نہیں لکھ سکتے تھے اور ابتدائی مدرسوں کے اکثر مدرسین بالکل جاہل ہوتے تھے، البتہ ترکوں کے آخری زمانہ میں خاص پایہ تخت کی بعض بڑی درسگاہوں مثلاً فوجی، طبی اور انجینیر نگ کے کالجوں میں بڑے بڑے ترک، عرب، ارمنی، رومی، فرانسیسی اور جرمن علما وغیرہ تعلیم دیتے تھے۔

اگر عثمانی ترکوں نے تعلیم کی جانب بھی اتنی ہی توجہ کی ہوتی جتنی توجہ وہ زمانہ قدیم سے فوجی قوت کی جانب کرتے چلے آتے تھے تو ان کا ملک جہالت کے اس درجہ کو نہ پہنچتا اور ان کے زمانہ میں مسلمان اس اندوہ ناک انحطاط میں مبتلا نہ ہوتے، ان کی حکومت نے تعلیم کو محض اس کی ظاہری شکل بنا دیا تھا، جس کو حقیقی تعلیم سے کوئی علاقہ نہ تھا، عربی ....

زبان کی تعلیم کی جانب سے ان کی بے توجہی کا یہ حال تھا کہ ایک طرف سیکڑوں عرب مواضعات میں ایک ابتدائی مدرسہ بھی نہیں تھا، دوسری طرف ترکی زبان کی اشاعت میں یہ اہتمام تھا کہ معاملات کی دستاویزیں، ٹیکس کی سندات، معاہدے اور سرکاری احکام ترکی زبان میں لکھے جاتے تھے، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انتظامی عدالتوں میں عربی زبان میں تحریر اور درخواستیں دینے کی ممانعت تھی، عربی اور عربی زبان کے ساتھ اس جنگ کو منطق سے کوئی علاقہ نہ تھا، عربی تعلیم سے اس لاپروائی برتنے کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آگیا کہ عرب کے بہت سے دیہاتوں میں لوگ معمولی قرأت تک سے ناواقف ہو گئے، بلکہ ایک چھوٹے اسلامی شہر میں یہ عبرت آموز واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص کو اپنے لڑکے کی قرآن کی تعلیم کے لیے کوئی مسلمان قاری نہ مل سکا، تو اسے مجبور ہو کر اس کے لیے ایک عیسائی راہب کے سپرد کرنا پڑا، جس زمانہ میں مسلمانوں میں علم تھا اس زمانہ میں مسلمان علما ذمیوں کو ان کی مذہبی کتابیں پڑھاتے تھے، چنانچہ ساتویں صدی میں موصل

Marfat.com

میں کمال الدین بن یونس اور دمشق میں عزالدین اربلی عیسائیوں کو توریت اور انجیل کی ایسی اچھی تعلیم دیتے تھے اور اس خوبی سے ان کی شرح کرتے تھے کہ اس زمانہ کے عیسائی علما بھی ایسی تعلیم نہ دے سکتے تھے(۱) یہ دونوں عیسائیوں کو ان کی مذہبی کتابوں کی ویسے ہی تعلیم دیتے تھے جیسی مسلمانوں اور فلاسفہ کو مذہب اور فلسفہ کی تعلیم دیتے تھے۔(۲)

یہ عربی تمدن پر مغلوں اور ترکوں کی یلغار اور ان بڑے عوامل کا تھوڑا سا بیان ہے جنہوں نے آخری چار صدیوں میں ایک فوجی حکومت کے بل پر عربی تمدن کو گھیر لیا تھا، اس حکومت کے زمانہ میں مدرسے ویران ہو گئے، کارخانوں اور صنعت وحرفت پر زوال آ گیا، کتابوں کے ذخیرے، صنعت وحرفت کے آلات اور ثروت پیدا کرنے کے وسائل گم ہو گئے اور یہ مرض جو حکومت کے خائن عمال کی وجہ سے ہمارے ملکوں میں چھایا رہا اس کے سارے پرانے امراض سے زیادہ سخت تھا اور اس کے نتائج مغلوں کی پیہم یورش کے مصائب سے کم نہ تھے، بلکہ ایسے لٹیروں کی لائی ہوئی بربادیوں کی اصلاح وترقی جو آئے اور لوٹ مار کر نکل گئے، ان مقیم لوگوں کی پیدا کردہ بربادیوں سے زیادہ آسان ہے جو مستقل جم کر معنوی اور مادی تباہی وبربادی پھیلاتے رہتے ہیں اور جن کی تباہی وبربادی کا زمانہ بھی طویل ہو۔

---

(۱) وفیات الاعیان ابن خلکان وفوات الوفیات صلاح الکتبی۔(۲) نکت الہمیان صفدی۔

Marfat.com

سولہواں باب

اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں پر یورپین نو آباد کاروں کی یورش

نو آبادکاری اور پرتگالیون کی نو آبادکاری کی تاریخ: روئے زمین کے مختلف حصوں میں نو آبادیاں قائم کرنے اور ان کے علاقوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہمیشہ سے انسانوں کی تگ و دو جاری رہی ہے، جس میں باعمل انسان بے عملوں پر تفوق حاصل کرتے، عالم جاہلوں پر حکومت کرتے، طاقت ور کمزوروں پر حملہ کرتے اور معزز ادنی اور پست لوگوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہے ہیں، اس جہاد کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں لیکن ان کا نتیجہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے اور اس کا مقصد وحید ہر پہلو اور ہر حیلہ سے رزق و معاش اور نعمتوں کا حصول ہوتا ہے جن کے ذریعہ زندگی کی لذتوں اور مسرتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے، یہ فطرت کا اٹل قانون ہے کہ جنگجو ہمیشہ صلح پسند کو کھا جاتا ہے اور روئے زمین ہمیشہ سے غالب و مغلوب اور شکار و شکاری کا آماجگاہ اور دنیا غالب کا لقمہ تر رہی ہے۔

نو آبادکاری ایک قسم کی ہجرت ہے، اس میں مہاجر ہمیشہ کے لیے ترک وطن کر کے دوسرے مقام پر آباد ہو جاتا ہے، اس لیے وہ اس کی زمین کو پوری محنت سے آباد کرتا ہے اور اس کی

Marfat.com

پیداوار اور قدرتی ذخیروں سے فائدہ اٹھانے میں پوری کوشش صرف کرتا ہے، اس کی سرسبزی وشادابی سے زیادہ سے زیادہ حصول منفعت کے لیے اسکو انتہائی ترقی دیتا ہے اگر بڑے نوآبادکاروں سے اس کا سبب دریافت کیا جائے تو جواب دیں گے (۱) کہ ہماری نوآبادکاری نے ہماری شجاعت وبہادری اور ذہانت وذکاوت کو نمایاں کیا اور ہم نے نوآبادیوں کی ہر کنکری اپنی اولاد اور جگر گوشوں کے خون سے حاصل کی ہے اور اس جدوجہد سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہماری اولادیں زمین کے ہر حصہ میں ہمارے لیے ایسے ملک بنادیں جو عظمت وشان میں ہمارے ملک کے ہم سر ہوں، ہماری ان نسلوں کو ان کی جدوجہد کا پھل ملتا ہے، وہ نوآبادیوں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کی آبادی بڑھ جاتی ہے، مگر وہ اپنی زبان، اپنے قومی اخلاق اور اپنی امتیازی خصوصیات کو قائم رکھتی ہیں، اس سے ہماری دولت میں اضافہ ہوتا ہے، ہماری عظمت وشرف کو دوام حاصل ہوتا ہے اور ہماری ناموری کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل جاتا ہے۔

عام طور سے نوآبادکاری ایسے لوگوں کی تگ ودو سے پیدا ہوتی ہے جو تمدنی درجہ میں متفاوت ہوتے ہیں اور مختلف قسم کے خطوں میں ان کے حصول انتفاع کے طریقے اور اس کے وسائل مختلف بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں (۲) اس طریقہ سے امن وسلامتی کے ساتھ استعمار قائم ہوجاتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ تمدنی ہی ذرائع یعنی زراعت وتجارت وغیرہ کے ذریعہ ہی قائم ہوجائے، بلکہ کبھی کبھی جنگ وقوت کے ذریعہ بھی استعمار قائم کیا جاتا ہے، استعمار کی تاریخ نہایت قدیم ہے، سب سے قدیم قوموں میں فینقی، رومن اور یونانیوں نے اس کو اختیار کیا، فینیقیون کا استعمار محض تجارتی ہوتا تھا، وہ جن ملکوں میں جاتے تھے صرف اپنی تجارتی منڈیاں قائم کرتے تھے، اپنی نسلوں کو یہاں مستقل آباد نہیں کرتے تھے، اس کے برعکس رومن اور یونانی اپنی نوآبادیوں میں اپنی اولادوں کو مستقل بسا دیتے تھے، اس لیے انہوں نے فینیقیون

---

(۱)-G. Hanotaux: Da yeleur der hintoire Yran Caises

(۲) لاروس الجدید المصور Nouveau Larousse yllustre۔

Marfat.com

کو ان کی تجارتی منڈیوں سے بے دخل کر دیا، عرب نو آبادکاری میں بڑے تجربہ کار تھے، جس کا اعتراف اہل یورپ تک کو ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ عرب اپنی تاریخ کے ہر دور میں اس وصف میں مشہور تھے (۱) جنیوا، بیزہ اور وینس کے باشندے بھی جو اطالوی قوم کے مورث اعلیٰ تھے، اپنی نو آبادیوں میں جلب منفعت کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے اور ان کا استعمار فیقیون اور اہل قراجانہ کے مشابہ تھا۔

دور جدید میں مغربی قوموں میں سب سے پہلے پرتگالیوں نے اس کی جانب قدم بڑھایا اور مغرب اقصیٰ کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کیا اور سلا اور رباط الفتح کے علاوہ اس کا کوئی حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں نہ رہ گیا (۲) اور بلاط ہبط کے باشندوں کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ اطراف ملک کے دور دراز گوشوں میں نکل جانے پر مجبور ہو گئے، اس کے بعد پرتگالیوں نے بحر ظلمات میں بڑھنا شروع کیا اور مغربی و مشرقی افریقہ کے ساحلوں کا پتہ چلا کر جزائر ابازیر "بہارات" تک پہنچنے کے لیے مشرق کی سمت بڑھے، اس راستہ کا انکشاف انہوں نے پرتگال کے فرمانرواجان اول کے لڑکے ہنری المتوفی ۱۴۶۰ء کے زمانہ میں کیا (۳) وہ خود بڑا عالم و محقق تھا، اس کے پاس یہودی اور فاس و مراکش کے بعض ایسے نامور علما جمع ہو گئے تھے جو اپنے زمانہ میں دنیا کے ممتاز علما میں شمار کیے جاتے تھے، انہوں نے عرب اور دوسری قوموں کے جغرافیوں کے ذریعہ تحقیقات کر کے پتہ چلایا کہ براعظم افریقہ کا چکر لگایا جا سکتا ہے، یہ انکشاف سارے یورپ پر اس بادشاہ کا بڑا احسان ہے جو عرب علما کی تحقیقات کے ذریعہ تکمیل کو پہنچا۔

کچھ دنوں کے بعد جزائر ابازیر میں پہنچ گئے جو مدت دراز تک ان کی تجارت کی منڈی رہا، اس کے بعد ۹۰۴ھ مطابق ۱۴۹۸ء میں ہندوستان اور مالابار پہنچے (۴) اور کالی کٹ میں داخل ہو کر تجارت کرنے لگے اور سامری حکام سے کہا کہ "مسلمانوں کی تجارت سے تمہاری حکومت کو جو

---

(۱) لاروس الجدید المصور۔ (۲) الاستقصاء سلاوی۔ (۳) حاضر العالم الاسلامی۔ (۴) تحفۃ المجاہدین فی احوال البرتغالین زین الدین۔

Marfat.com

فائدہ حاصل ہوتا ہے اس سے دونا ہماری تجارت سے ہوگا، اس لیے ان کو تجارت اور عرب کے خشکی کے سفر سے روک دینا چاہیے، کش کے حاکم سے بھی اسی قسم کی درخواست کی اور کہا، تم کو ہماری تجارت سے زیادہ فائدہ حاصل ہوگا، اس لیے مسلمانوں کو کش سے نکال دینا چاہیے، اس نے جواب دیا کہ وہ بہت قدیم زمانہ سے ہماری رعایا ہیں، ہمارے ملک کی رونق ہیں، اس لیے ہم ان کو نہیں نکال سکتے'' پرتگالی مسلمانوں کو کافر کہتے تھے اور مشہور پرتگالی بحر پیما واسکوڈیگاما کا مقصد بحر ہند کے چکر سے عرب جہازوں سے جنگ کرنا تھا(۱) بلکہ معمورہ راض کے دور دراز علاقوں میں صلیب وہلال کا مقابلہ اور اس ملک میں مکہ اور روم کی جنگ مقصود تھی، جو ان دونوں کے پرانے میدان جنگ سے پندرہ سو میل تھا، پرتگال اسلام کو گھیر نے اس کو دو آتش کدوں کے درمیان لا کر اس کی دولت کے سرچشموں کو خشک کرنے اور اس کی شوکت وعظمت کو مٹانے کے لیے براعظم افریقہ کے اس پار سے اپنی فوجیں اور اپنے بحر پیماؤں کو بھیج رہا تھا، چنانچہ پرتگالی ملاح البوکرک نے جب عدن پر حملہ کیا تو اہل حبشہ کو بھڑکایا کہ وہ نیل کا راستہ بحراحمر کی جانب موڑ دیں، مکہ پر حملہ کا خیال بھی اس کے دل میں پیدا ہوا اور اس زمانہ میں یورپ سے ہندوستان کے دو راستے تھے، ایک خشکی کا دوسرا مصر وشام ہو کر بحری راستہ اور یہ دونوں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھے، اس لیے پندرہویں صدی میں یورپ اور خاص طور سے پرتگالیوں نے ان راستوں کو اہل یورپ کے لیے کھولنے کی بڑی کوشش کی، پرتگالی عربوں کو پہلی صدی ہجری کے آخر سے جب سے انہوں نے پرتگال پر قبضہ کیا تھا، جانتے تھے ان کے تہور وشجاعت سے بھی واقف تھے اور زندگی کے کاموں میں ان کو جو مہارت حاصل تھی، اس کا بھی ان کو پورا اندازہ تھا، وہ یہ بھی نہیں بھولے تھے کہ صدیوں تک تلخیاں برداشت کرنے کے بعد وہ عربوں کو اپنے ملک سے نکالنے میں کامیاب ہوسکتے تھے، مگر چند ہی دنوں میں انہوں نے پھر قبضہ کرلیا تھا، ان اسباب کی بنا پر پرتگالیوں کو جنوبی ہند کے مسلمانوں کے ساتھ سخت عداوت تھی، زین العابدین کا بیان ہے کہ وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، ان پر ظلم وزیادتی

(۱) وثائق تاریخیہ وجغرافیہ وتجاریہ عن افریقہ شرقیہ، حیان۔

Marfat.com

کرتے تھے، مسجدوں کو جلاتے تھے، بعض مسجدوں کو گرجا بنالیا تھا، مسلمانوں کا جہاز اور ان کا مال واسباب لوٹ لیتے تھے، ان کی مقدس کتابوں کو پیروں سے روندتے تھے اور آگ میں جلاتے تھے، عورتوں کی بے حرمتی کرتے تھے، ان کو ارتداد اور صلیب کا سجدہ کرنے پر مجبور کرتے تھے، جب کوئی مسلمان عورت یا مرد ان کے ہاتھوں میں اسیر ہو جاتا تھا تو اس کو زبردستی عیسائی بناتے تھے، اس قسم کے اور طرح طرح کے مظالم اس لیے کرتے تھے کہ وہ جنوبی ہند سے مسلمانوں کو نکال کر ہندوستان کی تجارت پر قبضہ کرلیں اور عربوں کی تجارتی منڈیوں پر بلاشرکت غیرے قابض ہو جائیں، پرتگالی جب پہلی مرتبہ ہندوستان سے اپنے ملک واپس ہوئے ہیں تو ان کے جہاز گرم مسالہ سے بھرے ہوئے تھے، اس کے بعد ہر سال ان کے جہاز مال لے کر مسلسل جنوبی ہند آنے جانے لگے، وہ یہاں سے سیاہ مرچ، سونٹھ، دارچینی، لونگ، جاوتری وغیرہ جیسی قیمتی اور کثیر المنفعت پیداوار لے جاتے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں صرف ڈلی اور ناریل جیسی چیزوں کی تجارت رہ گئی تھی۔

ان نئے تاجروں اور نوآبادکاروں کی ان زیادتیوں سے مسلمان حکمران اور اس ملک کے دوسرے باشندے غافل نہیں تھے اور ان میں اور پرتگالیوں میں اکثر جھڑپ بھی ہو جاتی تھی جس سے دونوں کو نقصان پہنچتا تھا اور عرب تاجر بھی یہاں کے باشندوں کو پرتگالیوں کے خلاف بھڑکاتے اور ان کو ان تجارتی منڈیوں سے نکالنے پر ابھارتے رہتے تھے، جن کے وہ تنہا مالک تھے، اس لیے جنوبی ہند کے ساحلی علاقہ پر بڑی جنگ وجدل اور دشواریوں کے بعد پرتگالیوں کی حکومت قائم ہو سکی۔

الغوری والی مصر کو بھی پرتگالیوں سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لیے اس نے بھی ان سے اپنے ملک کو بچانے اور مصر کی تجارت کو ان سے آزاد رکھنے کے لیے بحر قلزم میں جنگی جہاز بھیجے تھے، کیوں کہ مشرق کا تجارتی سامان زیادہ تر یہیں آتا تھا، وینس کے باشندوں کو بھی پرتگالیوں سے اپنی تجارت کے متعلق خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس لیے انہوں نے بھی ان کو روکنے میں الغوری کی مدد کی اور بحر احمر میں جہاز بنانے کے لیے اپنے یہاں سے لکڑی بھیجی اور جب اس کی حکومت ختم ہو گئی تو

Marfat.com

دولت عثمانیہ نے سو جہازوں کا ایک جنگی بیڑا بھیجا، اس نے سلطان عدن اور یہاں کے بعض ممتاز عربوں کو قتل کر کے عدن پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد گجرات پہنچا اور ۱۵۳۸ء میں دیو پر حملہ کر کے یہاں کے بڑے بڑے قلعوں کو توپوں سے مسمار کر دیا، اس درمیان میں فرنگی بھی تیار ہو گئے، اس لیے ترکی بیڑا مصر ہوتا ہوا لوٹ گیا، مگر کچھ دنوں کے بعد ترک پھر ان دور دراز علاقوں میں پرتگالیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دوبارہ واپس آئے، اس زمانہ میں وہ وائینا کی دیواروں تک پہنچ چکے تھے اور اہل یورپ کے دلوں میں ان کا خوف طاری ہو گیا تھا، اس لیے یورپ کی فتوحات کا راستہ صاف کرنے کے لیے پرتگالیوں کی فوج کے ایک حصہ کو جنگ میں الجھائے رکھا۔

مگر ہندوستان میں پرتگالیوں نے مالابار، گجرات اور کوکن وغیرہ بہت سی بندرگاہوں پر قبضہ کرلیا، اس کے علاوہ اپنی ہوشمندی اور اتحاد و اتفاق سے بہت سے شہروں پر قابض ہو گئے اور ہرمز، مسقط، دیو، سمسطرہ، ملاگا، ملاکو، مالیبار، ناگ پٹن، شیومنڈل وغیرہ میں اپنے قلعے بنا لیے اور زنجبار، صباسہ، موسیمبیک اور ملندہ کی طرح سیلون کے بھی بہت سے بندروں پر قبضہ کرلیا اور بڑھتے ہوئے چین تک پہنچ گئے، ان تمام بندروں میں ان کی تجارت پھیل گئی اور مسلمان تاجران کے مقابلہ میں بالکل پست پڑ گئے، ان کی حیثیت محض ان کے ملازم کی ہو گئی، وہ صرف ان ہی چیزوں کی تجارت کر سکتے تھے جن کو پرتگالی لائق اعتنا نہ سمجھتے تھے اور تمام اہم اور فائدہ بخش چیزوں کی تجارت خود پرتگالی کرتے تھے، اپنے علاوہ کسی دوسرے کو نہ کرنے دیتے تھے اور انہوں نے ملاگا، اشی، دناسری اور عرب کا خشکی کا راستہ مسلمانوں کے لیے بند کر دیا تھا اور تمام بندرگاہوں کے حکمران ان کے مطیع و منقاد ہو گئے تھے اور یہاں ان کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور ان کے اجازت نامے اور امان کی ذمہ داری کے بغیر بحری سفر نہیں ہوسکتا تھا اور ان کی تجارت جہازوں کی تعداد، اقامت گاہیں اور قلعے بہت ہو گئے تھے، ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تجارت بہت گھٹ گئی تھی اور وہ بھی پرتگالی جہازوں کے ذریعہ ہوتی تھی ۹۹۱ھ میں انہوں نے سامری کے علاقہ کی ناکہ بندی کر کے بحری راستہ روک دیا جس کی وجہ سے وہاں چاول نہ جا سکا اور سخت قحط پڑ گیا۔

Marfat.com

یہ تمام واقعات زین الدین کے بیانات سے ماخوذ ہیں، اس نے پرتگالیوں کے اوصاف ان الفاظ میں لکھے ہیں کہ "وہ بڑے چالباز، فریبی اور اپنی مصلحت کے بڑے ماہر ہیں ضرورت کے وقت اپنے دشمنوں کی ذلیل خوشامد میں بھی ان کو عار نہیں ہوتا، مگر جب غرض پوری ہو جاتی ہے تو ہر ممکن طریقہ سے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں، ان میں بڑا اتحاد ہے اپنے سرداروں کے حکم سے کبھی سرتابی نہیں کرتے اور اپنے دارالحکومت سے دوری کے باوجود ان میں اختلاف نہیں ہوتا، آج تک یہ سننے میں نہیں آیا کہ انہوں نے حکومت کے حصول کے لیے اپنے کسی بڑے آدمی کو قتل کیا ہو، اس لیے ان کی قلت تعداد کے باوجود مالابار وغیرہ کے حکمران ان کے مطیع ہو گئے، ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی فوج اور ان کے سرداروں میں بڑا اختلاف ہے، ان میں حصول اقتدار کی بڑی ہوس رہتی ہے اور وہ اس کے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنے میں بھی باک نہیں کرتے"۔

پرتگالیوں نے بحرظلمات کے افریقہ کے پورے ساحلی علاقے کو نوآبادی بنالیا اور برازیل کے علاقے اور امریکہ کے بعض ساحلی حصوں میں اپنی فوج کو آباد کر کے اپنی آبادی قائم کر لی لیکن ان میں کے بیشتر علاقے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے، مگر دو صدیوں تک ان کو بڑی عظمت و شان حاصل رہی اور انہوں نے گرم مسالے، قیمتی پتھروں اور غلاموں کی تجارت سے بڑی دولت پیدا کی اور ان کے بادشاہ مشرقی افریقہ وغیرہ کی خراج، ٹیکس اور زمین اور مخصوص تجارتوں کی آمدنیوں سے بڑے دولت مند ہو گئے، ان آمدنیوں کو ان کے عمال بڑے ظلم و زیادتی سے وصول کرتے تھے، ان بڑی بڑی فتوحات سے پرتگال کی ثروت بہت بڑھ گئی اور اس کے اثر سے نصف صدی کے اندر پرتگالیوں میں غرور و نخوت جیسی بداخلاقیاں پیدا ہو گئیں، اس کی وجہ سے ان لوگوں کے دلوں میں جن کے ملکوں پر پرتگالیوں نے قبضہ کیا تھا اور ان کو محکوم بنایا تھا، خصوصاً عربوں میں ان کے خلاف بغض و کینہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے ۱۶۵۸ء میں والی عمان کی قیادت میں لڑ کر پرتگالیوں سے اپنا ملک چھین لیا اور ہزاروں پرتگالی تلوار کے گھاٹ اتار دیے، فرانسیسی جہاز ران جیان کے بیان کے مطابق پرتگالیوں نے بھی مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا، ان کی آبادیاں جلا ڈالیں اور ان کے شہروں

Marfat.com

کو برباد اوران کے علاقوں کو ویران کر کے بنجر بنا دیا۔

اسپینیوں نے کولمبس کے بدولت ان علاقوں کو نوآبادی بنایا جن پر انہوں نے سولہویں صدی میں قبضہ کیا تھا، اس میں جنوبی امریکہ کے ساحلی علاقہ کا بڑا حصہ شامل تھا، مگر ان کی بداعمالیوں، بدانتظامی اور نااہلی کی وجہ سے انیسویں صدی کے شروع میں یہ پورا علاقہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا، انہوں نے یہ قاعدہ بنا دیا تھا کہ اسپین کے صرف وہ رومن کیتھلک امریکہ میں آباد ہو سکتے ہیں جس کے خاندان کے کسی فرد کے خلاف دینی عدالت نے دو پشتوں سے کوئی فتویٰ نہ صادر کیا ہو، مگر یہ قانون صرف دو سال تک رہا، جنوبی امریکہ میں اسپینیوں کی نوآبادکاری کی تاریخ بڑی دردناک ہے، انہوں نے یہاں کے اصلی باشندوں سے سونا اور قیمتی جواہرات حاصل کرنے کے لیے ان پر طرح طرح کے مظالم کیے اور جن لوگوں نے عیسائیت قبول کرنے سے انکار کیا، ان پر ویسے ہی مظالم ڈھائے جیسے مظالم پرتگالیوں نے ہندوستان پر گرم مسالہ اور جواہرات حاصل کرنے کے لیے کیے تھے۔

ڈچوں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کا استعمار: پرتگال پر اسپینیوں کے قبضہ کے بعد ڈچون کو موقع مل گیا، انہوں نے مشرق بعید میں ایک عظیم الشان نوآبادی قائم کر لی جس میں سے ملایا جاوا اور سماترا اب تک ان کے قبضہ میں ہیں (۱) انہوں نے یہاں اپنے تجارتی تجربات سے بڑا فائدہ اٹھایا، اگر وہ دیکھتے تھے کہ بھلائی کے بدلہ میں اس سے بہتر بھلائی کرنے میں زیادہ فائدہ ہے، تو بے تکلف اس پر عمل کرتے تھے اور اس بارہ میں انہوں نے بڑی دیانت اور نرمی و ملاطفت کا نہایت عمدہ نمونہ پیش کیا، سترہویں صدی میں ان کا تجارتی بحری بیڑا یورپ کی تمام حکومتوں سے زیادہ بڑا تھا اور ان کی تجارتی نوآبادیوں میں ہر شخص آزادی سے تجارت کر سکتا تھا، انڈو ڈچ یا مشرق بعید کی کمپنی ۱۵۹۹ء میں قائم ہوئی، جس نے ان نوآبادیوں کو پرتگالیوں سے چھین لیا اور ہندوستانیوں اور چینیوں کے دلوں میں پرتگالیوں کی جو نفرت تھی اس سے بحر ہند میں ڈچون کو قدم جمانے میں بڑی

(۱) یہ کتاب آج سے بیس سال پہلے لکھی گئی تھی اس وقت انڈونیشیا ڈچوں کا محکوم تھا اب آزاد ہو گیا ہے۔ ’م‘

Marfat.com

مدد ملی، مگر جب ان کی قوت مضبوط ہوگئی، تو وہ بھی ظلم و زیادتی کرنے لگے اور ان کا پرانا لطف و مدارات اور وہ سارے اوصاف و محامد جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حریف پرتگالیوں کی جگہ حاصل کی تھی ختم ہو گئے، اس لیے ان سے بھی ہندوستانیوں اور چینیوں کو نفرت پیدا ہو گئی۔

اٹھارہویں صدی کے شروع میں انگلینڈ کے بہت سے باشندے یہاں کی مذہبی سختیوں سے تنگ آ کر شمالی امریکہ ہجرت کر گئے اور بحر اٹلانٹک کے ساحلی علاقہ میں آباد ہو کر یہاں بڑی عظیم الشان حکومت قائم کر لی، جو تمام ولایات متحدہ امریکہ پر مشتمل اور انگلستان کی حکومت سے آزاد ایک مستقل جمہوریہ تھی، اس نے اپنا دروازہ ہر قوم کے مہاجر کے لیے کھول دیا، مگر ملک کے اصل باشندوں، حبشیوں کو بالکل مٹا دیا اور وہ محض برائے نام رہ گئے اور ایک صدی کے اندر اس کی آبادی سو ملین تک پہنچ گئی، یہ تمدنی نوآبادکاری کی سب سے کامیاب قسم تھی جس نے مختلف قوموں کی متحدہ قومیت بنانے میں ایسی عاقبت اندیشی اور دور بینی کا ثبوت دیا تھا جس کی مثال گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی اور امریکہ کی کٹھائی ''فنا مرکوا'' میں بہت سے عناصر ملے ہوئے تھے، مگر پھر کچھ دنوں کے بعد امریکہ نے آنے والے مہاجرین کی تعداد محدود کر دی، اس کا سبب یہ تھا کہ سلاوی اور بلقانی قومیں دوسری قومیت اختیار کرنے میں بڑی سخت تھیں۔

امریکہ میں جو صورت حال انگریزوں کو پیش آئی اور جس طرح انہوں نے اپنے بہت سے ہم قوموں کو ہاتھوں سے کھویا اس سے ان کو بڑا سبق حاصل ہوا اور اس کے بعد پھر کبھی انہوں نے ان کے ساتھ زیادتی سے کام نہیں لیا اور ایک تجارتی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے کچھ دنوں کے بعد بلطائف الحیل دنیا کی سب سے دولت مند نوآبادی ہندوستان پر قبضہ کر لیا، انگریز نوآبادی بنانے کے طریقوں کے بڑے ماہر تھے، اس لیے انہوں نے ابتدا میں ہندوستان، آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ میں لطف و مدارات کا طریقہ اختیار کیا، جس میں تدبر اور چالبازی دونوں شامل تھیں، ان کو جو سیاسی، انتظامی اور تجارتی تجربے حاصل تھے، ان کو اپنی عام نوآبادیوں میں کبھی نہیں بدلتے تھے، چنانچہ غدر ۱۸۵۷ء میں جب انگلینڈ کے ہاتھ سے ہندوستان کے نکل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا

Marfat.com

انہوں نے اپنی حکومت کے قیام واستحکام کے لیے ایک ایسا نظام قائم کیا جو ہندوستان میں برطانوی شہنشاہی کی بنیا تھا، یہ ایک ایسا تنظیمی کارنامہ تھا جو اب تک کسی قوم نے نہیں کیا تھا اور نہ کسی حاکم قوم کے دل میں اس کا خیال تک آیا تھا۔

فرانس نے بھی نوآبادیوں کے قیام میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا، مگر اس کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ اس نے ہندوستان اور کنیڈا جیسی اپنی بہترین نوآبادیاں کھودیں، مگر انیسویں صدی میں اس نے بہت سے نئے علاقوں الجزائر، تونس، مغرب اقصیٰ، سوڈان کے بعض حصوں، گانوں کانگو، گائنانیوکلدونیا، مڈگاسکر، سینی گال اور انڈوچینا وغیرہ پر قبضہ کرلیا اور اس کی نوآبادیوں کا رقبہ ملک فرانس کے رقبہ سے بیس گنا زیادہ یعنی تقریباً دس لاکھ ملین مربع میل ہوگیا جس کی آبادی پچاس ملین سے اوپر تھی۔(۱)

جس زمانہ میں ڈچ، انگریز اور فرانسیسی گرم ملکوں پر قبضہ کرنے کے لیے آپس میں جھگڑ رہے تھے، روس خاموشی اور اطمینان کے ساتھ ان ملکوں کو نوآبادی بنانے میں مشغول تھا جو کوہستان ارال اور آبنائے بیرنگ کے درمیان ہیں اور اس وسیع میدانی علاقہ ایسے اہم تمدنی کام انجام دے رہا تھا، جن کو کوئی حکومت بڑے وسیع اخراجات کے بغیر انجام نہیں دے سکتی، اس کے بعد انہوں نے اپنے محدود دائرہ سے آگے قدم بڑھایا اور انیسویں صدی میں جنوبی ایشیا میں انگریزی مقبوضات کے قریب تک پہنچ گئے، ان ملکوں کے علاوہ یورپ کی دوسری حکومتوں کو بھی ان کی ضروریات نے نوآبادیاں بڑھانے پر مجبور کیا، چنانچہ اٹلی نے اریٹریا پھر اس کے بعد لیبیا یعنی طرابلس اور برقہ پر قبضہ کرلیا(۲) اور ان میں ہزاروں اٹالین لاکر آباد کردے اور چند برسوں میں ان کی تعداد ملک کے اصلی مسلمان باشندوں کے نصف تعداد سے بڑھ گئی، جرمنی نے کیمرن اور ٹوجو پر قبضہ کرلیا تھا جو جنگ عظیم کے بعد معاہدہ ورسائی کے مطابق اس سے لے لیے گئے، بیلجیم نے کانگو میں نوآبادی قائم کی، پہلے بلجیم کے بادشاہ نے اس کو اپنے صرف خاص کے لیے مخصوص رکھا تھا، پھر قومی ملک بنا

---

(۱) ہندوستان کا استعمار ہیرٹ کریزہ۔ (۲) لیبیا اب آزاد ہوگیا ہے اور طرابلس میں آزادی کی کوشش جاری ہے۔

Marfat.com

دیا، ڈنمارک اور سویڈن کی نو آبادیوں میں بعض جزیرے ہیں، مگر ان کی آبادی بہت کم ہے۔

نو آبادکار حکومتوں میں نو آبادیوں کے لیے ایک عرصہ تک جنگ ہوتی رہی، پھر انہوں نے دنیا کی تقسیم پر آپس میں سمجھوتہ کرلیا، اس کی رو سے پرتگال اور اسپین کی اکثر نو آبادیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں، صرف جزیرے اور کچھ علاقے ان کے ہاتھ میں رہ گئے، مگر پھر اسپین نے بڑی خونریزی اور تباہی پھیلانے کے بعد مغرب اقصیٰ کے علاقہ ریف پر قبضہ کرلیا، اگر ریف کی جنگ میں فرانس اسپین کی مدد نہ کرتا تو وہ کبھی اس علاقہ پر قابض نہ ہوسکتا اور اہل ریف اسی طرح اس کو لے لیتے جس طرح حبشہ کا علاقہ نقصانات اٹھانے کے بعد اٹلی کو واپس کرنا پڑا، حبشیوں کو تو ان کے مذہب (عیسائیت) نے نو آبادی بننے سے بچالیا لیکن اہل ریف مسلمان تھے، اس لیے ان کو یورپ میں کوئی حامی و مددگار نہ مل سکا۔

برطانیہ کو انسانوں پر حکومت کرنے میں بڑی باوقار مہارت و بصیرت حاصل ہے وہ ہر قوم کے لیے ایسا نظام قائم کرتی ہے جو اس کے مذاق سے میل کھاتا ہو، اس مہارت نے اس کو دنیا کی سب سے بڑی حکومت بنادیا، جس میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا اور اس کا رقبہ تیس ملین کلیو میٹر مربع میل سے کم نہیں ہے اور چار سو ملین نفوس کی آبادی پر مشتمل ہے، یہ ایک حکومت کیا ہے بہت سی حکومتوں کا مجموعہ ہے، جس کا رقبہ نہایت وسیع اور آبادی سے معمور ہے، رومن بھی اس سے بڑی اور اس سے زیادہ دولت مند حکومت کا تصور نہ لاسکتے تھے، اس کے تمام راستے اور گذرگاہیں بالکل مامون ہیں اور دنیا کی بڑی اہم آبناؤں، خلیجوں اور بندرگاہوں سے بھری ہوئی ہیں، اس کے پاس ایک عظیم الشان بحری بیڑا ہے جو صدیوں سے تمام بڑی بڑی حکومتوں میں سب سے زیادہ طاقت ور ہے۔

بیسویں صدی کے شروع میں روئے زمین کا کوئی حصہ باقی نہیں رہ گیا تھا جو یورپ کی حکومتوں کی تقسیم سے بچ رہا ہو، افریقہ اور جنوبی ایشیا تقسیم ہوچکے تھے، ایک چین کا ملک یورپ کی حکومتوں کی باہمی رقابت کی وجہ بچا ہوا تھا، اس کی فکر میں جاپان تھا، چنانچہ وہ اس کے ان علاقوں کو

Marfat.com

جو جاپان کے ہم سرحد تھے، نوآبادی بنانے، ان کو یورپ کی حکومتوں سے چھڑانے اور چین کے علاقوں اور اپنے ملک سے ان حکومتوں کو دور رکھنے کے لیے برابر ان پر قبضہ کرنے کی فکر میں رہا، اہل یورپ نے بارہا مشرق بعید کے ملکوں تک پہنچنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں چین و جاپان نے اپنی تہذیب سے زیادہ قدیم تہذیب سے ٹکر لی، مگر اس میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی، گذشتہ کئی صدیوں سے سونے، قیمتی پتھروں اور زمین کے نادر اور بیش قیمت ذخیروں اور پیداواروں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہالینڈ، انگلینڈ اور فرانس میں جو رقابت اور کشمکش چلی آرہی تھی، وہ اس صدی میں بہت بڑھ گئی اور اب خشکی، تری اور فضائے آسمانی کے ایک ایک چپہ کے لیے کشمکش برپا ہے، اگر گذشتہ جنگ عظیم نے یورپ کی حکومتوں کو دوالیہ نہ کر دیا ہوتا جس کے مہلک اثرات سے ان کا تمدن ہی خطرہ میں پڑ گیا تھا تو استعمار کا دائرہ اور بڑھ جاتا اور بہت سی قومیں اس کے پھندے میں پھنس چکی ہوتیں۔

جس طرح ہر قوم کی کچھ امتیازی خصوصیات ہوتی ہیں، اسی طرح آج کل ہر نوآبادکار حکومت کی خاص استعماری سیاست ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ استعمار ہر اس قوم کے جوش و مستعدی کی نشانی ہے جو دنیا میں بلند رتبہ ہونا چاہتی ہے اور اس روحانی اور اخلاقی نقصان کے مقابلہ میں جو استعماری حکومتوں کو پہنچتا ہے، اس کو مادی فوائد بہت زیادہ حاصل ہوتے ہیں، اس لیے اگر ان کی تجارت کامیاب ہو جائے اور ان کے اشخاص یا کمپنیاں دولت مند ہو جائیں اور استعماری حکومت کے بڑے عہدہ دار رشوت لیں تو پھر یہ حکومتیں روحانی نقصان کی پروا نہیں کرتیں، یورپ کے جن مصنفین نے استعمار کی تعریف کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ اس نے انسانیت کو بہت فائدہ پہنچایا ہے، مگر یہ مجمل بات تفصیل طلب ہے۔

نوآبادیاتی ممالک اور جدید نوآبادکاری کے طریقے: اس میں شبہ نہیں کہ آج نوآبادیوں کا بڑا حصہ تہذیب و تمدن کے راستہ پر گامزن ہے لیکن نوآبادیات کا قیام و بقا اور اس کا تحفظ ان کے اصلی اور پرانے باشندوں کی قوت پر منحصر ہے، اگر وہ کمزور ہیں، مثلاً سرخ اور سیاہ اقوام تو وہ سپید

Marfat.com

فام آریائی قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور طاقت ور کمزور کو فتح کر لیا ہے، جیسا کہ افریقہ کے بہت سے علاقوں میں ہوا لیکن اگر نو آبادیات کے باشندے ترقی یافتہ اور متمدن ہیں، مثلاً ہندوستانی (۱) تو ان میں اور بیرونی اجنبیوں میں برابر کا مقابلہ شروع ہو جاتا ہے، اس لیے کہ ملکی باشندوں سے اجنبی حاکموں کی نیت مخفی نہیں رہتی اور وہ اس کو خوب سمجھتے ہیں کہ حاکم قوت اپنے خیالات اور اغراض ومقاصد کے مطابق ان کو تربیت دے گی تاکہ جتنی طویل مدت تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور اس کی اور اس کی آنے والی نسلوں کی حکومت اس سرزمین میں ہمیشہ ہمیشہ قائم رہے، اس لیے نو آبادیات کے حکمران اپنے محکوموں کو ہمیشہ اپنی مرغوبات اور پسندیدہ چیزوں کی تلقین اور اپنا ہم مذاق اور ہم رنگ بنانے اور اپنی قومیت میں ضم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، ان کے دلوں پر اپنی اور اپنی قوم کی عظمت کا سکہ بٹھاتے ہیں اور ان کے دل و دماغ سے اپنی خواہش کے مطابق کام لینے کے لیے چاہتے ہیں کہ محکوم اپنا ماضی بھول جائیں، اپنی قومی خصوصیات ترک کر دیں اور عموماً زندگی کے وسائل میں ان کا حصہ اسی قدر چھوڑتے ہیں جن سے ان کی واجبی ضروریات پوری ہو سکیں اور زندگی برقرار رہ سکے، شاذ و نادر ہی کوئی حکمران قوم کمزور اور بے بس قوموں پر رحم کرتی ہے، یہ امتیاز صرف عربوں کو حاصل رہا ہے جس کا اعتراف اس زمانہ کے یورپین علما تک نے کیا ہے اور جب تک موجودہ تہذیب کی بنیاد تمام تر مادی رہے گی اس وقت تک نو آبادکار حکومتوں کی لوٹ مار پر تعجب نہ کرنا چاہیے، کیوں کہ مادہ پرستوں میں انصاف بہت کم ہوتا ہے، ایک امریکن مصنف کے بیان کے مطابق یہ لوگ اس راہ میں اخلاق فاضلہ کی کوئی قیمت نہیں سمجھتے بلکہ اس کی تحقیر کرتے ہیں اور جب تک اصل مقصد حصول دولت اور جلب منفعت رہے گا، ان کا دماغ اس کے کسی وسیلہ کو بھی اختیار کرنے میں تامل نہ کرے گا، چنانچہ شمالی افریقہ پر قبضہ کے لیے لاطینی قوموں نے جو کچھ روا رکھا جس میں عدل و انصاف کا کوئی شائبہ نہ تھا وہ اس کا ثبوت ہے۔

ٹالسٹائے کہتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں وطنیت کا جذبہ بالکل غیر فطری، غلط اور نہایت

---

(۱) ہندوستان نصف صدی کی جدوجہد کے بعد بالآخر ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کر لی۔ م

Marfat.com

مضر ہے اور ہمارے اکثر اجتماعی امراض کا سبب جن سے دنیا چیخ اٹھی ہے، درحقیقت یہی جذبہ ہے عام اسلحہ بندی اور ہلاکت آفریں لڑائیوں کا سبب بھی یہ وطنیت ہے اور انیسویں صدی کے نصف اول میں عام فوجی قانون نے ایسی غلامی جائز رکھی تھی جو پرانی غلامی سے بھی بدتر تھی، ان حکومتوں کی بے حمیتی، سنگدلی اور جنون اسی حد تک محدود نہیں تھا، بلکہ انہوں نے ہوائے نفس، غرور اور حرص وطمع کی وجہ سے ایشیا، افریقہ اور امریکہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کے لیے آپس میں جھگڑنا شروع کیا اور ان میں آپس ہی میں بدگمانی اور عداوت پیدا ہونے لگی، مغلوب قوموں کی تباہی اور بربادی ان کے نزدیک ایک معمولی ہوگئی تھی، ان کو صرف اس سے بحث تھی کہ کس قوم کو دوسری قوموں کی سرزمین پر قبضہ کرنے اور اس کے باشندوں کو مٹانے کا حق ہے، یہ تمام حکومتیں تنہا مغلوب اور مفتوح قوموں ہی پر ہی ظلم نہیں بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے پر زیادتی کرتیں اور بدباطنی، دھوکے، رشوت، مکر وفریب اور جاسوسی، چوری اور قتل جیسے جرائم کی مرتکب ہوتی ہیں اور جو حکومت ان جرائم کا ارتکاب کرتی ہے، اس کی قوم اس کو شجاعت شمار کرتی، اس کی حوصلہ افزائی کرتی اور اس پر خوش ہوتی ہے، کچھ دنوں سے مختلف قوموں اور حکومتوں میں دشمنی اور عداوت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ ہر انسان یہ سمجھنے لگا ہے کہ تمام حکومتیں ہر وقت دانت نکالے پنجے پھیلائے تیار رہتی ہے کہ جس حکومت کو کمزور پائیں اس کو کسی خطرہ اور مشقت کے بغیر چیر پھاڑ کر کھائیں، وطنیت کی وجہ سے عیسائی قومیں وحشت ودرندگی اس درجہ کو پہنچ گئی ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے وہ باشندے بھی جو جنگ پر مجبور نہیں ہوتے وہ بھی خونریزی کو پسند کرتے اور کشت وخون سے خوش ہوتے ہیں اور جو لوگ تمام خطرات سے دور اپنے ملکوں میں امن وسکون کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں، وہ بھی لڑائی چھڑنے کے وقت رومنوں کی طرح چیختے چلاتے ہیں اور شکست خوردہ لوگوں کو ختم کر دینے کا مشورہ دیتے ہیں''۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ جو ملک نوآبادکار حکومتوں کے قبضہ میں آگے ہیں، ان کے بدنظمی سے نجات مل گئی ہے اور ان میں ایک طرح کا ضبط ونظام قائم ہوگیا ہے اور اس کے باشندے

Marfat.com

جدید تہذیب کی ان چیزوں کو جو ان کے ذوق اور پسند کے مطابق ہوتی ہیں، اختیار کر لیتے ہیں لیکن کیا ان کے ملک کی نعمتیں ان کے لیے باقی رہ جاتی ہیں اور فاتح قومیں ان کی قومی خصوصیات اور ان کے امتیازی وجود کو برقرار رہنے دیتی ہیں؟ یہ مسئلہ نوآبادی نظام میں سب سے زیادہ اہم ہے ،اس لیے کہ یورپ میں وہ تمام اوصاف اور اسباب و وسائل موجود ہیں جن کی حصول معاش کے مقابلہ میں ضرورت پڑتی ہے، ان کو حکومت کی قوت کا امتیاز حاصل ہے، اس کے مقابلہ میں ملکیوں میں یہ اوصاف بہت کم ہوتے ہیں، کیوں کہ جدید تہذیب کی سحر کاریوں کے اثر اور زندگی کے معاملات و مسائل میں دوسری قوموں کی نقل و تقلید سے وہ حرارت کمزور پڑ جاتی ہے جو مقابلہ کے لیے ضروری ہے اور وہ ایسے ایک دوراہے میں پڑ جاتا ہے جس سے نکلنے کا تیسرا راستہ نہیں ہوتا یا وہ مغربی تہذیب کو اس کے مفید اور مضر اجزا سمیت قبول کرے یا اس سے بغاوت اور جنگ کرے، ان دونوں صورتوں میں ہلاکت و بربادی ہے۔

استعمار کی راہ میں صنعتی ملکوں کے بڑے بڑے خطرات مول لینے کا سبب اپنے ملک کے لیے غذا اپنے کارخانوں کے لیے خام مواد اور تجارتی چیزوں کے لیے منڈی کا حصول ہے، یورپ کی سرزمین ان کے باشندوں کے لیے خصوصاً انیسویں صدی کے نصف اول کے بعد سے بہت تنگ ہو گئی ہے، ان کی تہذیب کی یہ تعلیم ہے کہ فائدہ کی تلاش میں قناعت سے کام نہ لینا چاہیے، بلکہ جہاں تک ممکن ہو حرص و طمع کو وسعت دی جائے، مشرق کا وسیع ملک اور اس کی مادی دولت بے کار پڑی ہوئی ہے، اگر اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے تو وہ نہ صرف اپنے اہل ملک بلکہ ان سے کئی گنی زیادہ تعداد کی کفالت کر سکتی ہے، جدید تہذیب اپنے اندر ایسی حرص و طمع اور تفوق و برتری کا جذبہ پنہاں رکھتی ہے، جس کو اس کی نرمی و ملاطفت کے ظاہری دعویٰ سے کوئی نسبت نہیں اور وہ اکثر بڑی سختی و درشتی اور ظلم و جور کا مظاہرہ کرتی ہے، اس کے مبلغوں کے دل اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ وہ کسی معاملہ میں بھی نرمی کا ثبوت نہیں دیتے، اگر یورپ میں اس معنی میں عیسائی ہوتا جو معنی ہم اس مذہب کے سمجھتے ہیں تو وہ اپنی حکومت کا قدم اپنے دائرہ سے باہر نہ بڑھاتا

Marfat.com

اور نہ اس کے سارے مظاہر دولت پر مشتمل ہوتے، جو شخص خود اپنے نفس اور اپنی قریب ترین لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس سے ہم اپنے لیے رحم کی توقع کس طرح کر سکتے ہیں، یورپ کی قوموں میں باہم گوناگوں رشتے ہیں وہ سب ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں، ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں، ان کے طور طریقے اور اوضاع واطوار اپنی اصل اور روح کے لحاظ سے ایک ہی جڑ کی شاخیں ہیں، اس کے باوجود گذشتہ جنگ عظیم میں ان کا طرز عمل آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جیسا تھا وہ ہم سب کو معلوم ہے اور انہوں نے جس سنگدلی کا برتاؤ کیا وہ انسانوں نے اپنے دور وحشت میں بھی نہیں کیا تھا۔

ایسے شخص سے جس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا مطالبہ فعل عبث ہے، خصوصاً اس نے اپنے غلبہ واقتدار کے لیے جانی و مالی قربانی بھی کی ہو اور ایسی سرزمین میں حکومت قائم کی ہو جس کو اپنے فائدہ کے لیے ترقی بھی دی ہو، آج کل کی فتوحات کا سب سے پہلا اور اصلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمزور سے پہلے طاقت ور فائدہ اٹھائے بلکہ قدرت کا یہ قانون ابتدائے آفرینش سے جاری ہے، اس کے علاوہ بڑی قومیں بھی فوجی اور سرمایہ دار طبقوں کے زیر اقتدار ہوتی ہیں، ان دونوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نئی نئی فتوحات حاصل کر کے ان سے مسلسل فائدہ اٹھایا جائے اور اشخاص وافراد جماعتوں کی دولت پر قبضہ جماتے رہیں، کہا جاتا ہے کہ بعض نوآبادیات کی آمدنی ان کے مصارف کے لیے کافی نہیں ہوتی، یا کم از کم اس مشقت کا بدل نہیں ہوتی جو اس کے تحفظ کے لیے اٹھانا پڑتی ہے، اس کے باوجود یہ حکومتیں اپنے بااقتدار فوجی سرمایہ دار طبقہ کے خوف سے نوآبادیوں میں جمی رہتی ہیں اور ان میں اپنے حقوق کو مضبوطی سے قائم رکھتی ہیں، اگرچہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ وغیرہ تخریبی سیاسی جماعتیں جمہوری نظام کی دشمن ہیں اور ان کو درہم برہم کر دینا چاہتی ہیں لیکن ان کی اصل روح بھی رفتہ رفتہ استبداد کی شکل اختیار کرتی جاتی ہے اور اگرچہ بظاہر ان میں دستوری نظام، پارلیمنٹ اور عوام کے سامنے جوابدہ وزارتیں وغیرہ سارا تماشا ہوتا ہے لیکن عام خیال ہے کہ حکومت کی یہ قسم سب سے زیادہ بے مایہ اور ناکام رہے گی۔

Marfat.com

مشرقی ملکوں میں قدم جمانے کے جواز کے لیے بعض حکومتوں کا یہ دعویٰ کہ "اس سے ان کا مقصد اقلیت کو اکثریت کے ظلم سے بچانا ہے" اس زمانہ کی ایجاد ہے جب نوآبادی نظام کا آوازہ پوری طرح بلند ہو چکا تھا اور نوآبادکار اس کو قائم اور برقرار رکھنے کے لیے نوآبادیات میں مذہبی تعصب کی آگ اس لیے بھڑکاتے تھے کہ ایک فریق دوسرے کے مقابلہ میں ان کا معاون و مددگار بن جائے، وہ اپنے مبلغین کے ذریعہ ایک ہی ملک کے فرزندوں میں اس لیے بغض و عداوت پیدا کرتے تھے کہ ان حسب منشا مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں توازن قائم رہے، اب یہ اصول مان لیا گیا ہے کہ کسی ملک پر اس کے سواد اعظم کی رائے کے بغیر حکومت نہیں کی جا سکتی لیکن اس کے باوجود رومانیا اور یوگوسلاویا میں جن کی آبادی ایک ہی قوم اور ایک مذہب کے لاکھوں انسانوں پر مشتمل ہے اور جن میں ہزاروں مسلمان بھی ہیں، مگر ان کے ساتھ ان کے ہم وطنوں کے سواد اعظم کی مرضی کے خلاف معاملہ کیا جاتا ہے۔

استعمار نے ایک ہی قوم کے دل کے ٹکڑوں میں اختلاف پیدا کر دیا ہے، بربروں اور عربوں میں جن کا مذہب اور جن کی زبان ایک ہے اختلاف پیدا کیا، ایک ہی ملک کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں پھوٹ ڈلوائی، مسلمانوں، بت پرستوں اور برہمنوں میں تفریق پیدا کی، بھائی کو بھائی سے اور بیٹے کو باپ سے لڑایا، سرخ، سیاہ اور سپید قوموں میں جدائی پیدا کی، مگر اس کے باوجود بعض ملکوں کو استعمار کے اس قسم کے اثرات سے نجات مل گئی، چنانچہ جمہوریہ لیبیریا کے بارہ لاکھ مسلمان، تین لاکھ عیسائی اور پانچ سو یورپین ایک خاندان کے ارکان کی طرح اتحاد و اتفاق کے ساتھ رہتے ہیں اور مذہب کا اختلاف وطنی معاملات میں ان میں کوئی اختلاف نہ پیدا کر سکا۔

جب کوئی مقصد ان استعماری حکومتوں کے پیش نظر ہوتا ہے تو اس کے حصول کے لیے وہ ہزاروں دلیلیں پیدا کر لیتی ہیں، اس کے ثبوت میں دو متمدن ترین حکومتوں برطانیہ اور فرانس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جن کا دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں اسلام اور مشرق سے بہت زیادہ علاقہ رہا ہے، فرانس نے جب گزشتہ صدی میں اپنے پڑوسی انگلستان پر برٹش انڈیا میں زد لگانا

Marfat.com

چاہی تو اس مقصد کے حصول کی خاطر مصر کے لیے بہت کچھ کیا، مگر شمالی افریقہ والوں کے لیے کچھ نہیں کیا اور اپنے مصالح کے پیش نظر ان کو ایک دائرے میں محدود رکھا، اس سے آگے بڑھنے نہیں دیا، اسی طریقہ سے انگلستان نے بھی اسی صدی کے شروع میں مصر کی دستگیری کی جس سے اس کا نظام درست ہو گیا، اس کی زراعت میں ترقی ہوئی، اس کا مالی نظام بھی مرتب ہو گیا اور جب اس کی برتری کے سارے سامان فراہم ہو گئے اس وقت برطانیہ نے اس کی مکمل آزادی میں یہ عذر کیا کہ اگر اس کو آزاد کر دیا گیا تو اس کو دوسری قوموں کا خطرہ پیدا ہو جائے گا، آزادی کے خلاف اس قسم کے اور دلائل بھی دیے اور واقعہ صرف یہ تھا کہ مصر ہندوستان کا راستہ ہے اس لیے وہ اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں دینا نہ چاہتا تھا۔

فرانس اور انگلستان نے جن ملکوں کو نو آبادی بنایا، ان میں سیاسی اور تعلیمی پالیسی تقریباً دونوں کی یکساں تھی، جن کے ذریعہ بڑے طویل تجربوں کے بعد ان کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے اور جو اس محنت و مشقت کا بدل تھے جو انہوں نے نو آبادی بنانے میں صرف کی تھیں، ان منصف مزاج فرانسیسی اور انگریز مصنفین نے بھی جو فرقہ پروری اور مذہب کے اثرات سے متاثر نہیں ہیں، اپنی کتابوں اور اخبارات میں ان استعماری طریقوں پر سخت تنقید کی ہے، مثلاً الجزائر میں فرانسیسیوں کی سیاست دو محوروں پر گردش کرتی ہے، ایک یہ کہ ملک کی زمینیں ان کے اصل مالکوں کے ہاتھ سے چھین کر نو آباد کاروں کو دے دی جائیں تاکہ اصل باشندے ملک چھوڑ کر صحرائی علاقوں میں نکل جائیں دوسرے عربوں کو فرانسیسی طرز کی تعلیم دی جائے جس وہ ظاہر و باطن دونوں پہلوؤں سے فرانسیسی بن جائیں، مگر یہ دونوں طریقے ناکام رہے، اس لیے کہ جو زمین ملک کے باشندوں سے چھین کر نو آباد کاروں کو دی گئیں (۱) وہ ایسے آفاقیوں کے ہاتھوں میں چلی گئیں، جو زراعت سے اتنی ہی واقفیت رکھتے تھے جتنی ہم لوگ سنسکرت زبان سے رکھتے ہیں اور جب اہل ملک نے دیکھا کہ ان کی املاک ان کے قبضہ میں نہیں رہنے پاتی تو انہوں نے اس کی نگہداشت

(۱) نفسیات سیاسی لیبان۔

Marfat.com

میں بھی بے توجہی شروع کردی، اس لیے حکومت اور ملک کو دو حیثیتوں سے نقصان پہنچا، ایک زمینوں کے نئے مالکوں کی ناتجربہ کاری اور دوسرے ملکیوں کی بے توجہی سے جس سے دونوں میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھی اور ایسے غیر منصفانہ واقعات وحوادث پیش آئے جن سے جبین حیا عرق آلود ہو جاتی ہے، اہل ملک کے ہاتھوں سے ان کی ملکیت نکل جانے کی وجہ سے نہایت سخت فقر وافلاس پھیل گیا، جس سے ملک میں ایک عام اضطراب پیدا ہو گیا (۱) کیوں کہ ملک کے اصلی باشندوں کی تعداد فرانسیسی، اٹالین اور اسپینی نوآباد یورپینوں کے مقابلہ میں چھ گنی تھی (۲) اور ملک کی مجموعی زمینوں کا صرف نصف رقبہ ملکیوں کے پاس رہ گیا تھا اور نصف جو زیادہ آباد اور سرسبز وشاداب تھا نوآبادکاروں کے قبضہ میں چلا گیا، تین مشہور مؤرخ حبل، مارسیہ اور الیفر اپنی کتاب تاریخ الجزائر میں لکھتے ہیں کہ ''الجزائر میں زمین کا جس قدر حصہ ملکیوں کے ہاتھ سے نکل کر نوآبادکاروں کے قبضہ میں گیا ہے، اس کا مجموعی رقبہ (۱۶۰۰۰) ایکڑ ہے، یعنی قابل زراعت پانچ حصوں میں سے دو حصے نوآبادکاروں کے قبضہ میں چلے گئے، یہ نہ صرف عقل ودانش کے خلاف ہے بلکہ انسانیت کی کمی کا ثبوت ہے کہ ملکیوں کی مملوکہ زمینوں کا رقبہ گھٹا کر اس کو نوآبادکاروں کی ملک بنا دیا جائے۔

تعلیم وتدریس وغیرہ کے ذریعہ بھی فرانس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اس لیے کہ جن ملکیوں نے خالص فرانسیسی طرز کی تعلیم حاصل کی وہ ان کے دل ودماغ سے میل نہیں کھاتی تھی، اس سے نہ ان کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا اور نہ دوسروں کو، زیادہ سے زیادہ اس تعلیم وتربیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ اپنے قومی عادات وخصائل اور مقدس چیزوں کو چھوڑ کر اس مثل کی مصداق بن گئے کہ کوا ہنس کی چال چل کر اپنی چال بھی بھول گیا، جزائریوں کے معاملات ومسائل پر بحث وتحقیق کرنے والے یورپین علما نے بڑے وثوق کے ساتھ لکھا کہ اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ ان میں سے جن لوگوں نے اس تہذیب کو اختیار کیا ہے، ان کے حصہ میں صرف نفاق، چالاکی اور قدیم چیزوں کا

---

(۱) عرب اور اسلام کی بیداری اجین یونگ۔ (۲) الجزائر میں نوآباد یورپینوں کی تعداد ۱۹ لاکھ ۲۵ ہزار اور مسلمانوں کی ۶۰ لاکھ سے اوپر تھی، تونس میں یورپینوں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار اور مسلمانوں کی بیس لاکھ سے اوپر ہے۔

Marfat.com

تمسخر واستہزا آیا اور اس جدید تہذیب نے ان کو صرف اپنی بدترین چیزیں مے نوشی وغیرہ دیں، کسی قوم کا اپنی عقلی و ذہنی ترکیب کو بدل کر دوسری قوم کی ترکیب کو اختیار کر لینا بہت دشوار امر ہے، یہ مسلم ہے کہ جب دو مختلف و متضاد تہذیبوں کو ایک ساتھ چلانے کی کوشش کی جائے گی، تو دونوں میں تعارض پیدا ہو جائے گا اور وہ آپس میں کبھی نہ مل سکیں گی، جن فاتح قوموں نے دوسری قوموں کو اپنی تہذیب سے متاثر کیا ہے ان کے بہت سے جذبات و تصوارت اور عقائد و خیالات آپس میں ملتے جلتے ہوتے تھے، مثلاً مشرقی قومیں اپنی ہم جنس دوسرے مشرقی قوموں کو جس قدر متاثر کرسکتی ہیں، اتنا مغربی اقوام متاثر نہیں کرسکتیں، مشرق میں عربوں کے غیر معمولی اثر و نفوذ کا راز یہی تھا، افریقہ اور چین میں بھی ہمیشہ ان کے اثرات رہے ہیں اور وہ جہاں جہاں گئے ہر مقام پر اپنی تہذیب کے اہم عناصر یعنی مذہب، زبان اور عادات و خصائل کی اشاعت میں آسانی سے کامیاب ہو گئے، افریقہ میں بغیر کسی خاص کوشش کے اسلام روز بروز پھیلتا جاتا ہے، ان کے مقابلہ میں یورپین مبلغین اپنے مذہب کی تبلیغ میں بڑی سختی اور سنگدلی سے کام لیتے ہیں'' یہ لیبان کی رائے ہے اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ ''فرانس نے اخلاقی حیثیت سے مسلمانوں کو اپنا پیرو بنانے کی جو پالیسی اختیار کی ہے وہ سختی میں ان طریقوں کے مشابہ ہے جو امریکنوں نے اپنے ملک کے زنگیوں کے ساتھ اختیار کیے ہیں، جنہوں نے ان کی وہ شکارگاہیں تک چھین لی ہیں جن سے وہ اپنا پیٹ پالتے ہیں، اس طرح انہوں نے ان کو بھوکوں مرنے کی پوری آزادی دے دی ہے۔

فرانس نے اس طمع میں کہ اس کے محکوم اپنی زبان اور اپنے عادات وخصائل چھوڑ کر فرانسیسی بن جائیں، انہیں اپنی زبان کی تعلیم دینے میں بڑی زیادتی سے کام لیا ہے، چنانچہ جن لوگوں نے اس قسم کے مدارس و اساتذہ سے تعلیم پائی ہے وہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے نہ عرب رہ گئے اور نہ فرانسیسی بن سکے، کسی قوم کی ترقی اس کی زبان کے بغیر تصور ہی میں نہیں آسکتی، اس لیے جو لوگ کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں ان کو اس کی قومی عقلیات کے حدود کے اندر ترقی دینے کی کوشش کرنا چاہیے، اس پر ایسی تعلیم و تربیت مسلط نہ کرنا چاہیے جو اس کے قومی عادات و خصائل اور مزاج

Marfat.com

کے خلاف ہو، جب کسی قوم کو ان چیزوں کے چھوڑنے پر جو اس کے مناسب حال ہیں اور ان چیزوں کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا جو اس کے مزاج سے موافقت نہیں کرسکتیں تو یہ سخت بددیانتی ہوگی'' ایفر لکھتا ہے کہ ''۱۸۳۰ء میں جزائریوں کو فرانس کے قالب میں ڈھالنے کی جو کوشش کی گئی تھی وہ ناکامیاب ہو چکی ہے، اس لیے اب ان کی ملکی ذہنیت میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنے کا خیال بدل دینا چاہیے اور مسلمانوں کو ان کی تہذیب کے دامن میں نشونما اور ترقی دینے کے مسئلہ پر غور کرنا چاہیے لیکن اس کام کے لیے صبر واستقلال کی ضرورت ہے اور اس کے نتائج ایک مدت کے بعد ظاہر ہوں گے (۱) اور عام فرانسیسی اور عرب مفکرین کی رائے ہے کہ شمالی افریقہ میں عربی اور فرانسیسی زبان کی تعلیم کو ایک درجہ میں رکھنا چاہیے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی تعلیمی پالیسی بھی فرانسیسیوں کی پالیسی کے مطابق ہے ان کے حکام ہندوستانیوں کے دلوں میں اپنی تہذیب کی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لیے ان کو یورپی زبانوں اور مغربی افکار وتصورات کی تعلیم وتربیت دیتے تھے اور ۱۸۳۶ء میں یعنی جب انگریزوں نے ہندوستان میں اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں، کلب اور سوسائیٹیاں قائم کرنا شروع کیں تو ان میں ہندوستانیوں کو اپنی زبان اور اپنی تاریخ پڑھانے اپنے طریقۂ فکر کی تعلیم اور مغربی تربیت کے طریقوں کے تلقین کے لیے جن کی مطابقت ہندوستانیوں کے مذاق ومزاج سے بہت دشوار ہے، ہندوستانیوں کی بڑی دولت صرف کی اور جن لوگوں نے ان تعلیم گاہوں سے فائدہ اٹھایا ان کی بہت سی قابل احترام چیزوں اور قومی عادات وخصائل کو انگریزوں نے ان کے دلوں سے مٹادیا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا، ان کو حکومت کے دفتروں، ریلوے کارخانوں اور بجلی وغیرہ کے محکموں کے لیے ہزاروں کلرک مل گئے، جن کو جزائر برطانیہ سے لانے میں اس کی بیس گنی مشقت اٹھانا پڑتی، ہندوستان کے اس طبقہ نے انگریزی تربیت کے اثر سے اپنے وہ عقائد تک چھوڑ دیے جو ان کے گوشت پوست میں سرایت کیے ہوئے تھے، اس طبقہ کو اس کے اہل وطن ہمیشہ

(۱) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام الجزائر۔

Marfat.com

نفرت وکراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں، کیوں کہ یہ ریا اور مکر وفریب کا مجسمہ ہے، اپنے ہم قوموں کے خلاف جھوٹے مقدمات کھڑے کرتا اور ان پر زیادتی کرتا رہتا ہے ، بے حیائی، بخل اور بداخلاقی میں مشہور ہے اور اپنے ارباب اقتدار آقاؤں کے علاوہ اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا، مگر جب ان کو کمزور پاتا ہے تو ان کے ساتھ بھی بدل جاتا ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود جو انگریز ایک صدی تک اپنی تہذیب پھیلانے کے لیے ہندوستان میں کرتے رہے، کروروں ہندوستانیوں میں چند لاکھ سے زیادہ انگریزی بولنے والے نہیں ہیں، انگریز ہندوستانیوں کو اپنے رنگ میں رنگنے کی جتنی زیادہ کوشش کرتے ہیں اتنی ہی ان کی سختی اور زیادہ بڑھتی ہے اور وہ ان سے گلوخلاصی کے لیے کوشش کرتے ہیں، مشہور انگریزی شاعر کیپلنگ نے کہا ہے کہ ''مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب، دونوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے، وہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کبھی آپس میں نہیں مل سکتے'' مشرق اور مغرب کے فرزندوں میں حقیقی الفت ومحبت استوار دوستی اور کامل اعتماد کا پیدا ہونا بہت دشوار ہے، کیوں کہ دونوں مختلف زبانیں بولتے ہیں اور ایک کی زبان دوسرا نہیں سمجھ سکتا، مشرقیوں اور مغربیوں کے درمیان ہمیشہ تعلقات کی بنیادی کمزوری کا سبب ان دونوں میں الفت ومحبت کا فقدان اور اتحاد واتفاق کی کمی رہی ہے۔

ایک سیاست دان انگریز مفکر کا خیال ہے کہ ''ہندوستانی قوم ہمیشہ اپنے ماضی سے وابستہ اور اس کا نمونہ رہے گی، مغرب کے اثرات اس پر بہت کم پڑیں گے'' ایک فرانسیسی محقق لکھتا ہے کہ ''ہندوستان میں برطانوی حکومت کی قوت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں سکھ، مسلمان، مرہٹہ، ہندو اور برہمنی (۱) وغیرہ مختلف فرقے آباد ہیں جو قومیت، مذہب اور عادات وخصائل میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے ان میں ہمیشہ رشک ورقابت رہتی ہے۔

ہندوستان میں مختلف زبانوں میں جو شورشیں اور بغاوتیں انگریزوں کے خلاف ہوتی

---

(۱) اس فرانسیسی مصنف کو ہندوستان کی قوموں اور فرقوں کا پورا علم نہیں ہے اس نے برہمنوں کو بھی ہندستانیوں میں شامل کر لیا ہے اور مرہٹوں اور ہندوؤں کو دو جدا فرقے قرار دیا ہے۔ 'م'

Marfat.com

رہیں، خصوصاً ترک موالات کی گذشتہ تحریک جس میں انگریزوں کو بڑا مادی اور روحانی نقصان اٹھانا پڑا وہ اس کا ثبوت ہیں کہ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو ترقی دینے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے، انہوں نے ہندوستان کو اپنی کھیتی، گودام، دوکان اور گھر سمجھ رکھا ہے، مگر وہ نہ ہندوستانیوں کے دلوں کو مسخر کر سکے اور نہ ان کو ان پر اخلاص وصداقت کا یقین دلا سکے اور ہندوستانیوں کو اس کا یہ یقین ہے کہ انگریزوں کی ساری کوششوں اور مشقت کا مقصد ہندوستانی طبقوں کو محتاج بنا کر اپنی قوم کے افراد کو دولتمند بنانا ہے اور ایک ہندوستانی کتنا ہی مہذب اور ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جائے، انگریزوں کی نگاہ میں ہمیشہ ذلیل وپست رہے گا، وہ اس کو نہ اپنے ساتھ کھلائے گا نہ بٹھائے گا اور نہ دوست بنائے گا، نہ اس کے ساتھ زندگی بسر کرے گا اور کلبوں، ہوٹلوں اور ریلوں وغیرہ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہ کرے گا۔

ہندوستان میں جو دولت وثروت، فقر وافلاس اور علم وجہالت کے اعتبار سے متضاد اور آبادی کے طبقات، فرقوں، مذاہب اور زبان کے لحاظ سے بڑا متنوع ملک ہے، انگریزوں کی یہ پالیسی ہے، گو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے مقابلہ میں جاویوں کے ساتھ ہالینڈ کی پالیسی نرم ہے اور وہاں حاکم ومحکوم میں وہ نفرت انگیز فرق وامتیاز نہیں ہے جو انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان ہے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے، اس کا یہ طرز عمل منصفانہ اور بہتر ہے جس سے ڈچوں کے علاوہ دوسری نوآبادکار قومیں خالی ہیں، ڈچوں نے جزائر شرق الہند کے باشندوں سے زیادہ قریب ہونے کے لیے تنہا ازدواجی تعلقات کے قیام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اور بہت سے معاملات میں ان کا طرز عمل انگریزوں اور امریکنوں سے مختلف ہے، جو یہ نہیں سمجھتے کہ دراصل یہی طرز عمل، حسن سلوک اور دل کی صفائی کا سب سے بڑا ثبوت ہے، جاوی کلبوں اور دوسرے اجتماعوں میں بے تکلف ڈچوں سے ملتے جلتے ہیں اور اس میل جول میں ان کا اعزاز واحترام ڈچوں سے کم نہیں ہوتا اور وہ سب بھائی بھائی کی طرح مساوات کے ساتھ رہتے ہیں۔

Marfat.com

اس لحاظ سے ہالینڈ کے استعمار کا یہ پہلو بہت نرم ہے، اس کے علاوہ ڈچوں نے اگرچہ جاوا اور سماٹرا میں زراعت کو بڑی ترقی دی اور اس کی آبادی کی کثرت کے باوجود اس کی صحت و آرام و آسایش کے سامان فراہم کیے، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ملک کا سارا نظام ڈچوں کے ہاتھوں میں ہے اور ملکی باشندوں کی حیثیت ایک کم اجرت کے مزدور کی ہے اور دولت وثروت کے سارے وسائل و ذرائع ڈچوں کے خزانہ اور ان کی جیبوں میں جاتے ہیں اور اس حیثیت سے ڈچ بھی جاوا کو اس نظر سے دیکھتے ہیں، جس نظر سے انگریز ہندوستان کو دیکھتے ہیں، یعنی ان کا دولت مند طبقہ اس کی پیداوار سے دولت حاصل کرتا ہے، اس لیے انہوں نے جاوا کو ایک ایسا سرچشمہ اور خزانہ بنادیا ہے جس کی پیداوار کبھی کم نہیں ہوسکتی، ڈچوں نے جاوا کے مسلمانوں کے ساتھ جن کی بہت بڑی اکثریت ہے، اس خطرہ سے بہت معقول و مناسب برتاؤ رکھا ہے، کہ وہ ان سے بگڑ کر ان کو نکالنے پر آمادہ نہ ہوجائیں، چنانچہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں بڑی نرمی کے ساتھ ان کو قریب لانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان پر تعلیم کے دروازے نہ بالکل بند کیے ہیں اور نہ اس کو عام رکھا ہے۔

یورپ کی دوسری نوآبادیاتی حکومتوں جرمنی پرانے روس بیلجیم اور اٹلی وغیرہ کی پالیسی ان کی نوآبادیات کے ساتھ آپس میں ملتی جلتی ہوئی ہے، مگر روس کا طرز عمل مسلمانوں کے ساتھ اتنا ہی سخت ہے، جتنا قرون وسطیٰ میں تاتاریوں کا روسیوں کے ساتھ ان پر غلبہ کے زمانہ میں تھا، کاسلٹو اپنی تاریخ میں جو اس نے قیصر الگزنڈر اول کے سامنے پیش کی تھی اور جس میں ان واقعات کو بیان کیا گیا تھا، جو کریمیا پر روسیوں کے قبضہ کے زمانہ میں پیش آئے، لکھتا ہے کہ "اس حملہ میں روسیوں نے شرافت کا مطلق ثبوت نہیں دیا، انہوں نے کریمیا کو جلا کر خاکستر کردیا، اس قسم کے واقعات انسانوں کے دور وحشت میں تو معاف کیے جاسکتے ہیں، کیوں کہ انہوں نے ایک جہالت کا ارتکاب کیا تھا لیکن اٹھارہویں صدی میں شہروں کو جلانے، کارخانوں اور عمارتوں کو برباد کرنے، عبادت گاہوں کو ڈھانے اور ان کتابوں کو جن سے ایک قوم فائدہ اٹھا کر اپنا دل و دماغ روشن کرتی

Marfat.com

ہو، تلف کر کے اس کو جہالت کی تاریکی میں مبتلا کرنے، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو آگ میں جلانے کا مقصد محض جنگ نہیں، بلکہ ایک پوری قوم کو تباہ و برباد کرنا ہے" آج موجودہ سویٹ حکومت بھی یہ چاہتی ہے کہ مسلمان اپنے اوضاع واطوار اور عادات و خصائل بدل کر اپنے دوسرے ہم وطن روسیوں میں ضم ہو جائیں۔

جرمنی کی سیاست بھی اس بارہ میں سخت ہے، اس نے گورے چمڑے والوں کو آباد کرنے کے لیے ہرو روس کے قبائل کو بالکل مٹا دیا، زنگیوں کو مٹانا تو مغربی تمدن کے قواعد میں ہے، ٹرنسوال میں کالے مزدوروں کی موت کا اوسط فی صدی ۲۸ ہے، ان میں آدھے جگر اور نیند کی بیماری میں مرتے ہیں، بلجیم کا استعمار بہت زیادہ سخت اور ظالمانہ ہے، مگر امریکن استعمار سیاست میں جزائر فلپائن وغیرہ میں ملک کے باشندوں کے مصالح کا بھی لحاظ رکھتے ہیں، انہوں نے اس جزیرہ کے مسلمانوں کی ترقی میں بھی جن کی تعداد بیس لاکھ ہے مدد کی اور ان کو جہالت سے نکال کر تعلیم و تمدن سے آشنا کیا، حالاں کہ ان ہی جزائر میں اسپین اپنے طویل دور حکومت میں سخت زیادتیاں اور ان کے باشندوں کو ذلیل کرتا رہا، ان کو رومن کیتھلک مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا اور جب انہوں نے انکار کیا تو ان کی مسجدیں اور مکانات مسمار کر دے اور امریکنوں کے زمانہ میں ان کی ایک تہائی تعداد تعلیم یافتہ ہوگئی انہوں نے مدرسے قائم کیے اور ہر طرح کی آزادی سے پورا فائدہ اٹھایا، ولایات متحدہ شمالی امریکہ کے امریکن غیر متمدن ملکوں کے عیسائی مبلغین پر کچھ صرف نہیں کرتے، اس کے مقابلہ میں دوسری استعماری قومیں اپنی نو آبادیات میں استعماری اغراض کے حصول کے لیے مقدمۃ الجیش کے طور پر سب سے پہلے مذہبی تبلیغ کا کام شروع کرتی ہیں اور مبلغین کو اپنے اغراض کے حصول کا ذریعہ بناتی ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ تبلیغ کے مال کی کھپت خود ان کی سرزمین میں نہیں ہے اس لیے وہ صرف دوسرے ملکوں میں دساور کیا جاتا ہے۔

اجتماعیات، سیاسیات اور فن تعلیم کے یورپین فضلا نے اس تعلیم کے نتائج پر جو یورپ اہل مشرق کو دینا چاہتا ہے، تفصیلی بحث کی ہے جن علما نے اس کی جانب زیادہ توجہ کی ہے اور اس

Marfat.com

کے اسباب ونتائج کے مطالعہ کے لیے مشرقی ملکوں کا سفر کیا ہے اور اہل یورپ اور عربوں کے کاموں کا موازنہ کیا ہے ان میں ایک لیبان بھی ہے، وہ لکھتا ہے کہ ''یورپی تہذیب سے غیر یورپینوں کی نفرت کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جدید تہذیب ایک طویل ماضی کے نشوو ارتقا کا نتیجہ ہے اور اہل یورپ بتدریج اس درجہ تک پہنچے ہیں اور اس کے لیے ان کو بہت سی درمیانی منزلیں طے کرنا پڑی ہیں، اس لیے جو شخص کسی قوم کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ یہ ساری منزلیں اکبارگی طے کر لے وہ بندۂ اوہام ہے اور اس کی مثال اس شخص کے جیسی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد شباب کا زمانہ پورا کرنے سے پہلے ہی کمال تک پہنچ جائے، اس کے مقابلہ میں عربی تہذیب میں ایسی چیزیں ہیں جن کا اختیار کرنا مشرقیوں کے لیے آسان تھا، مشرقی اہل یورپ کی بہت سی ضرورتوں سے بے نیاز ہیں، وہ تھوڑے پر قناعت کرتے ہیں، سادہ لباس پہنتے ہیں، اس کے مقابلہ میں مغربی تہذیب کی ضروریات مصنوعی ہیں جنہوں نے اہل یورپ کو ایک اضطراب اور بے چینی میں مبتلا اور غیر معمولی جدوجہد کرنے پر مجبور کر دیا ہے، جس کو اہل مشرق ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ ایک یورپین کاریگر کے مقابلہ میں ایک چینی کاریگر کی فوقیت کا سبب یہ ہے کہ اس کی ضروریات زندگی بہت کم ہوتی ہیں اور صنعت وکاریگری اس کی فطرت میں داخل ہوتی ہے، اس لیے امریکہ اور آسٹریلیا اپنے ملکوں میں ان کا داخلہ بند کرنے پر مجبور ہو گئے، چوں کہ اہل مشرق واہل مغرب کی ضروریات زندگی میں بڑا اختلاف ہے اس لیے دونوں کے احساسات میں بھی بڑا فرق اور ہمارے ان کے سوچنے کے طریقوں میں بڑا بعد ہو گیا ہے، ایشیائی، مغربی تہذیب کی وجہ سے اہل یورپ پر کوئی رشک وحسد نہیں کرتے، خصوصاً جن لوگوں نے یورپ کو دیکھا ہے وہ مشرق میں مغربی تہذیب کی اشاعت مصیبت عظمیٰ سمجھتے ہیں اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ جب تک اہل مشرق کا اہل مغرب سے اختلاط نہیں ہوا تھا اس وقت تک ان کی حالت زیادہ بہتر رہی اور وہ رکھ رکھاؤ اور وقار اور ادب وتہذیب میں اہل مغرب سے زیادہ بہتر تھے، اس کے بعد وہ لکھتا ہے کہ '' آج مغربی تہذیب کی خوبیوں سے اہل مشرق کی نفرت کا سبب متمدن قوموں کا مکر وفریب اور ان کے وہ مکروہ

Marfat.com

ونا پسندیدہ اعمال ہیں جو تہذیب کے معیار سے بہت گرے ہوئے ہیں اور غیر متمدن لوگوں کے ساتھ نام نہاد و مہذب لوگوں کا طرز عمل ہے جنہوں نے ان کو بالکل مٹا دیا اور ان کی نسل اور قوم کا خاتمہ کر دیا، چنانچہ متمدن ہی قوموں نے امریکہ اور اوقیانوس کی غیر متمدن قوموں کو مٹایا اور امریکہ کے انڈین بالکل برباد کر دیے اور تسمانی قبائل کا نام ونشان باقی نہیں رہا، اہل یورپ کا وحشی قوموں کے ساتھ جو طرز عمل ہے اس میں لطف و مدارات کا کہیں گذر نہیں، مشرق کی مہذب قوموں چینیوں اور ہندوستانیوں کے ساتھ بھی ان کا طرز عمل اچھا نہیں ہے جو شخص بھی مشرق میں جائے گا وہ دیکھے گا کہ کمزور سے کمزور یورپین بھی اپنے متعلق یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ بالکل جائز اور صحیح ہے، ایک طرف تو اہل مشرق مثلاً ہندوستان اپنی دولت سے براہ راست خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا، دوسری طرف یورپ ٹیکسوں کے ذریعہ ان کے ہاتھوں سے روٹی کا آخری ٹکڑا بھی چھین لیتا ہے اور تجارت میں ایسے پرفریب طریقے اختیار کرتا ہے جس میں حیا و غیرت کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا جس سے تمدن کے دعویداروں کے چہرہ کا ملمع بالکل جلد اڑ جاتا ہے اور اہل یورپ مشرقی ملکوں میں اپنے تمام اوصاف حسنہ کھو دیتے ہیں اور اخلاقی پستی میں ان لوگوں کے معیار سے بھی نیچے اتر آتے ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں، اگر مشرق کے ساتھ تعلقات میں بھی یورپین تاجروں کے ملکی قوانین نافذ کیے جائیں تو ان سے بہت کم سخت سزاؤں سے بچ سکیں گے''۔

لیبان نے اہل مغرب کے ساتھ اہل مشرق کی نفرت اور جدید تہذیب سے ان کی بدگمانی کی جو توجیہ کی ہے اس کی مثالیں بھی دی ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ''انیسویں صدی میں مشرق کے ساتھ مغرب کے تعلقات کے سلسلہ میں جو حوادث پیش آئے وہ تاریخ کے بدنماترین صفحات ہیں، زمانہ مستقبل کے لوگ ان تباہ کن لڑائیوں کے بارہ میں کیا کہیں گے جو انگریزوں نے چین میں محض اس لیے برپا کیں کہ چینیوں کو افیون کے استعمال پر مجبور کیا جائے، ان لڑائیوں میں چھ لاکھ چینی سالانہ محض اس لیے ہلاک کیے جاتے تھے کہ انگریزوں کو اس ذلیل اور نفرت انگیز تجارت کے ذریعہ ڈیڑھ سو ملین سالانہ آمدنی ہوتی تھی، لطف یہ ہے کہ دوسری طرف انگریز ہی

Marfat.com

چینیوں میں اخلاقی فضائل پیدا کرنے کے لیے مبلغین بھیجتے تھے، چینی ان سے کہتے تھے کہ تم ہی ہم کو تکلیف دیتے اور ہلاک کرتے ہو اور پھر تم ہی فضائل اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آتے ہو' اس لیے مشرقی ایسی تہذیب قبول کرنے سے اعراض کرتے ہیں جو ان کے افکار و احساسات اور ضروریات سے مطابقت نہیں کرتی، اس کے بعد کون شخص ان کو ایسی تہذیب کے قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جس میں ان کے لیے بہت بھلائی ہے' اس کے بعد لکھتا ہے کہ ''اس کے مقابلہ میں جب عربوں نے مشرق کو فتح کیا تو ان کی فتوحات میں اس قسم کی برائیاں نہ تھیں اس لیے وہ خود مشرقی تھے اور ان کے اور ان کے مفتوح و محکوم مشرقیوں کے جذبات و رجحانات اور ضروریات آپس میں ملتی جلتی ہوئی تھیں، پہلے عربوں نے ہندوستان، ایران اور مصر پر قبضہ کیا، ان کے بعد مغل اور ترک ان ملکوں پر قابض ہوئے، مگر ان کے باشندوں کو اپنی تمام خصوصیات بدل دینے کی ضرورت نہیں پیش آئی، اس کے برخلاف جب اہل یورپ سے ان قوموں کا تصادم ہوا تو وہ اپنے عادات و خصائل بدلنے پر مجبور ہو گئیں، ان میں سے جو قومیں بہت کمزور تھیں، مثلاً ہندوستانی ان کے حصہ میں بدبختی اور بغاوت آ گئی، جو یاس و ناامیدی کا لازمی نتیجہ ہے، طاقتور قوموں کا کمزوروں کے ساتھ یہ حال رہا ہے، دوسری قوموں کو متمدن بنانے کے دعوی کے علاوہ نئی قومیں اور بھی بڑے بڑے حوصلے رکھتی ہیں اور آج کل مختلف قوموں کے درمیان تعلقات کے جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، وہ عدل و انصاف کے معنوں سے بالکل خالی ہیں اور ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، وہ محض پرفریب الفاظ ہیں جن کا استعمال ہی کسی انسان کے لیے جائز نہیں، شعرا ایک ایسے عہد سعادت کی بشارت دیتے ہیں جس کو وہ عہد زرین سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو اخوت عام کے رشتہ میں منسلک کر دے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا زمانہ نہ کبھی موجود تھا اور نہ آئندہ آئے گا اور اب انسانیت ایک ایسے آہنی عہد میں داخل ہو گئی ہے جس میں ہر کمزور طبعی قانون کے مطابق ہلاک ہو جاتا ہے''۔

لیبان کا یہ بھی بیان ہے کہ ''مشرق، ایرانی اور یونانی وغیرہ بہت سی قوموں کا محکوم ہوا

Marfat.com

جن کے اگرچہ مشرق پر بڑے سیاسی اثرات پڑے، مگر ان کے تمدن کارنامے بہت کم ہیں، اس لیے جن ملکوں پر ان کا براہ راست قبضہ نہیں ہوا ان میں وہ اپنے مذہب، زبان اور صنعت وحرفت کی اشاعت میں کامیاب نہ ہوسکیں، چنانچہ مصر نے ان کا تمدن نہیں قبول کیا اور بطالسہ اور یونان کی حکومت کے زمانہ میں بھی اہل مصر نے اپنے قومی عادات وخصائل نہیں بدلے اور اپنے ماضی کو پوری طرح محفوظ رکھا، حالاں کہ فاتح قومیں مفتوح کے مذہب، زبان اور علم وفن کو بھی ان سے چھین لیتی ہیں، مگر مصر میں بطالسہ نے جو عمارتیں بنائیں اور قیصران روم نے ان میں جو ترمیم کی اس میں فرعونی طرز کا لحاظ رکھا، مگر مشرق میں یونانیوں، ایرانیوں اور رومیوں کے لیے جو کام دشوار ثابت ہوا اس کو عربوں نے کسی سختی اور ظلم وزیادتی کے بغیر آسانی کے ساتھ کرلیا، مثلاً مصر ہی نے کسی اجنبی قوم کا اثر قبول نہیں کیا، مگر عمرو بن العاصؓ کی فتح مصر پر ایک صدی بھی گذرنے نہیں پائی تھی کہ اس نے اپنی چھ سات ہزار سال پرانی تہذیب کو بھلا کر ایک نیا مذہب اور ایک نئی زبان قبول کرلی، جس میں بڑے نادر علوم وفنون تھے اور اس قدر مضبوط ومستحکم ہوچکے تھے کہ برابر اسلاف سے اخلاف میں منتقل ہوتے چلے آرہے تھے، عربوں کے دور سے پہلے مصریوں نے تاریخ میں صرف ایک مرتبہ قسطنطنیہ کی محکومیت کے زمانہ میں اس وقت اپنا مذہب بدلا تھا جب رومیوں نے مصر کو تاراج کرکے اس کی عمارتیں تک مسمار کردی تھیں اور ان پر بڑی سختیاں کی تھیں اور ان کو اپنا مذہب تک چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا اور اس کی خلاف ورزی کی سزا قتل مقرر کی تھی، اس جبر واکراہ سے مجبور ہوکر اہل مصر نے اپنا مذہب بدل دیا تھا، مگر وہ ان کے دل میں نہ اتر سکا اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے عیسوی مذہب چھوڑ کر فوراً اسلام قبول کرلیا، عربوں کے جو اثرات مصر پر پڑے وہی شمالی افریقہ اور شام وغیرہ ان تمام ملکوں میں ظاہر ہوئے جہاں جہاں ان کی حکومت قائم ہوئی، ہندوستان میں اگرچہ وہ سرسری آئے اور نکل گئے، اس کے باوجود وہاں ان کے اثرات پڑے، اس سے بھی بڑھ کر عرب تاجروں کے ذریعہ ان کے اثرات چین تک پہنچ گئے، جہاں ان کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی، تاریخ میں عربوں کے جیسے محسوس اور

Marfat.com

نمایاں کارناموں کی مثال کسی قوم میں نہیں ملتی، جن قوموں سے تھوڑے دن کے لیے بھی ان کا سابقہ رہا ان کے تمدن کی انہوں نے کایا پلٹ دی اور جب ان کا زوال شروع ہوا تو ترک اور مغل وغیرہ جنہوں نے ان کو مغلوب کیا تھا خود ان کے افکار وتصورات قبول کر لیے اور دنیا میں ان کی دعوت پھیلانے لگے" اگرچہ عربی تہذیب کو مٹے ہوئے صدیاں گذر چکی ہیں لیکن آج بھی دنیا میں بحر اٹلانٹک سے لے دریائے سندھ تک اور بحر روم سے لے افریقہ کے صحرا تک ایک مذہب رائج ہے اور ایک زبان بولی جاتی ہے، جو پیروان محمد ﷺ کا مذہب اور ان کی زبان ہے، مشرق میں صرف مذاہب، زبانوں اور تعمیرات ہی میں عربوں کے اثرات نمایاں نہیں ہوئے بلکہ علم وفن میں بھی ظاہر ہوئے، ہندوستان اور چین سے مسلمانوں کا علاقہ بہت قدیم زمانے سے تھا، اس لیے انہوں نے ان ملکوں میں اپنے علوم وفنون کا بڑا حصہ منتقل کر دیا جن کی اصل کو یورپین علما غلطی سے ہندی اور چینی قرار دیتے ہیں، چنانچہ ہندوستان نے عربوں سے اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جتنا عربوں نے ہندوستان سے اٹھایا تھا، اسی طریقہ سے عربوں نے مغلوں کے زمانہ میں فلکیات اور طب کے فنون چین پہنچائے اور ایران میں تو ان کے اثرات آج تک پوری طرح قائم ہیں، ایرانی علوم وفنون کی تعلیم عرب مصنفین کی کتابوں کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، ایران میں عربی زبان کی تقریباً وہی حیثیت ہے جو قرون وسطیٰ میں لاتینی زبان کی یورپ میں تھی، دسویں صدی میں اسپین کی عربی حکومت کے اثرات سے یورپ کے بعض حصوں میں بھی علوم وفنون کا ذوق وشوق پیدا ہوا، حالاں کہ اس زمانہ میں سارے یورپ حتی کہ قسطنطنیہ تک میں علم وفن نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

عربوں کے زوال کے بعد تیرہویں صدی میں جب ان کی حکومت کی باگ جیسا کہ رینان کا بیان ہے، ترک وبربر وغیرہ جیسی جابر، سخت گیر، وحشی اور کم عقل قوموں کے ہاتھوں میں آئی، اس وقت سے مسلمانوں میں کمزوری کے آثار شروع ہو گئے، درحقیقت کوئی تعلیم متعصب نہیں ہوتی بلکہ لوگ متعصب ہوتے ہیں، اسلام کی تعلیم کے سب سے بڑے حامل عرب تھے لیکن

Marfat.com

اس کے باوجود وہ نہایت نرم خو اور بڑے روادار تھے، وہ نرمی اور آشتی کے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکالتے تھے جس کا ثبوت ان کے اعمال وافعال ہیں اور ان کی فتوحات کے ابتدائی زمانہ ہی سے ان میں یہ وصف نمایاں تھا اور پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربی تہذیب کی ترقی اور فروغ کے زمانہ میں عربوں میں مذہبی رواداری بدرجۂ اتم موجود تھی، یورپ کے جن حصوں پر وہ قابض ہوئے ان میں صرف ان کے علم وعمل کی وجہ سے ان کے اثرات پڑے اور یہ اثرات ان ملکوں میں زیادہ نمایاں ہوئے جن میں براہ راست اس کی حکومت تھی، مثلاً اسپین میں ان کے اثرات کا صحیح اندازہ لگانے کا بہتر ذریعہ ہے کہ اسپین کی پرانی تاریخ پر ایک نظر ڈال لی جائے کہ عربوں سے پہلے اس کا کیا حال تھا اور ان کی حکومت کے زمانہ میں کیا ہو گیا اور پھر ان کے نکلنے کے بعد وہ کس نوبت کو پہنچ گیا، اسپین سے عربوں کی جلاوطنی کے بعد اس میں جو ضعف اور کمزوری پیدا ہو گئی تھی اس کے پیدا کردہ امراض سے آج تک اس کو نجات نہ ملنا ایک قوم پر دوسرے قوم کے اچھے اثرات کی ایسی نمایاں مثال ہے جو تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

ان تفصیلات کے بعد یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ عربی تہذیب میں انسانوں کے لیے بڑی بھلائی اور خوش بختی تھی، اس کے مقابلہ میں مشرق کے مزاج کے لحاظ سے جدید تہذیب میں اچھی و بری دونوں باتیں مخلوط ہیں، اس میں ایک ایسی کجی ہے جس کی بنا پر لوگوں کا اس کے قالب میں ڈھلنا بہت دشوار ہے، مغربی استعمار نے دانستہ یا نادانستہ اپنے محکوموں کی امتیازی خصوصیات کا استخفاف کیا اور ان کو ایسی تہذیب کی تعلیم دینی چاہی جو ان کی عقل وفہم کے لحاظ سے بہت وسیع تھی، اس لیے ان اقوام کے لیے ان کی تقلید نہ مفید ہی تھی اور نہ صحیح ومناسب، جن ملکوں میں مغرب کا اقتدار محدود رہا ہے، مثلاً شام، مصر، اور عراق وغیرہ انہوں نے ان ملکوں کے مقابلہ میں جہاں ان کا غلبہ واقتدار زیادہ سخت تھا ترقی وصلاحیت کی استعداد کا زیادہ ثبوت دیا ہے، چنانچہ ان تینوں ملکوں نے اپنی عربی تہذیب کو محفوظ رکھتے ہوئے مغربی تہذیب کے اچھے اثرات کو قبول کرنے میں تامل نہیں کیا، اگر تمام عربی ممالک وحدت کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں تو ممکن ہے آئندہ کسی

Marfat.com

زمانہ میں وہ ایک متمدن و ترقی یافتہ سلطنت کی شکل اختیار کر لیں اور دوسری متمدن حکومتوں کے ساتھ مل کر دنیا کو تہذیب کا سبق دے سکیں اور چند برسوں کے بعد وہ مادی تہذیب میں کسی متمدن حکومت سے کم نہ رہیں، مغربی جذبات ورجحانات رکھنے والے عربوں اور ان کی حکومت کے بارہ میں جو فیصلہ کرتے ہیں وہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی سعادت وکامرانی کسی قوم کا ساتھ دیتی ہے تو اس میں دوسری قوموں کی خوبیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اور جب یہ چیزیں کسی قوم کا ساتھ چھوڑتی ہیں تو اس کے ذاتی محاسن وخوبیاں بھی چھین لیتی ہیں۔

Marfat.com

Islam Aur Arabi Tamaddun

Translated by

Shah Muinuddin Ahmad Nadvi

ul Musannefin Shibli Academy
Azamgarh, U.P. 276001
Ph. 05462 265080, 265017
www.shibliacademy.org
Email: shibliacademy@rediffmail.com

ISBN 938010465-0

9789380104652

₹ 150.00

Marfat.com